از

سید سبط الحسن

ملنے کا پتہ

...ی مشن " منیجر دواخانہ معدن الادویہ
وکٹوریہ اسٹریٹ، لکھنؤ

مطبوعہ نظامی پریس آہنی پھاٹک لکھنؤ

...عیر ... سول

بسم اللہ الرحمن الرحیم

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ

فَأَظْهِرِ اللّٰهُمَّ لَنَا وَلِيَّكَ وَابْنَ بِنْتِ نَبِيِّكَ الْمُسَمّٰى بِاسْمِ

رَسُوْلِكَ حَتّٰى لَا يَظْفَرَ بِشَيْءٍ مِنَ الْبَاطِلِ إِلَّا مَزَّقَهُ

وَيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُحَقِّقَهُ وَاجْعَلْهُ اللّٰهُمَّ مَفْزَعًا لِمَظْلُوْمِي

عِبَادِكَ وَنَاصِرًا لِمَنْ لَا يَجِدُ لَهُ نَاصِرًا غَيْرَكَ وَمُجَدِّدًا

لِمَا عُطِّلَ مِنْ أَحْكَامِ كِتَابِكَ وَمُشَيِّدًا لِمَا وَرَدَ مِنْ

أَعْلَامِ دِيْنِكَ وَسُنَنِ نَبِيِّكَ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَآلِهٖ

(ترجمہ) بر و بحر میں فساد رونما ہوگیا، اور خود لوگوں ہی کے ہاتھوں، اے معبود اب اپنے ولی (صاحب العصرؑ) کو جو تیرے نبی کا نواسہ ہے اور تیرے رسولؐ ہی کا ہمنام ہے ظاہر فرمادے کہ کوئی باطل ایسا نہ ملے جس کا پردہ چاک نہ کرے اور حق کو حق ثابت کرکے رہے، اے پروردگار! اس کو اپنے مظلوم بندوں کا پشت پناہ، اور جس بیکس کا تیرے سوا کوئی نہ ہو، اس کا مددگار بنا، پروردگار اُسے جلد لا، کہ تیری کتاب کے جو احکام معطل ہو رہے ہیں انھیں وہ پھر سے جاری و ساری کردے اور تیرے دین کی نشانیوں اور تیرے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتوں کو مستحکم کردے۔

باسمہ سبحانہ

(منظور ہے گذارش احوال واقعی)

یادگار حسینی کی وہ بین الاقوامی کتاب جسکا پروپیگنڈا ایک عرصہ سے ملک کے طول وعرض مین کیا جارہا تھا، آخر کار طبع ہوکر ناظرین کے سامنے آگئی کتاب مذکور کا نام "شہید انسانیت" ہے جسکو بسلسلہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ شایع کیا گیا ہے شایع شدہ کتاب مسودہ کی صورت مین نہین ہے بلکہ ناظم شعبۂ تحریر کے دفتری مطبوعہ خط نمبری ۳۰۷۰ محررہ ۱۴ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء مین جسپر مولف ومرتب کتاب "علی نقی النقوی" کی دستخط ہے یہ صاف تحریر ہے کہ وہ کتاب شہید انسانیت کا "پہلا ایڈیشن" اس پہلے ایڈیشن کی قیمت جو سرورق پر تحریر ہی ۶ روپیہ ہے اور جسکی عمومی حیثیت سے خرید فروخت کا سلسلہ جاری ہے۔

عام طور سے ہر علمی ادارہ (اکیڈمی) کا قاعدہ ہے کہ مسودات کی عمومی اشاعت نہین ہوتی بلکہ ناقدین وتبصرہ نگار حضرات کے پاس اصل مسودہ (غیر مطبوعہ) یا اگر مطبوعہ ہے تو پروف کی شکل مین بھیجکر آرا ء وانتقادات کو حاصل کیا جاتا ہے اور ایسے مسودات یا مطبوعہ "پروف" کو بھی واپس منگا کر تلف کردیتے ہین، اور پھر وصول شدہ آرا ء وانتقادات کی روشنی مین اصل کتاب کو مرتب ومنقح کرکے عمومی اشاعت کے لیے طبع کردیتے ہین، لیکن اس کتاب کے لئے اس حکیمانہ اصول کو مسترد کردیا گیا۔

صرف یہی نہین بلکہ ۵ اکتوبر سنہ ۱۹۴۲ء مطابق ۱۰ شوال المکرم کے اخبار سرفراز جلد ۲۰ ع ۲۲۹ کے صفحہ ۲ کالم ۳ میں خود ناظم ادارہ مولانا علی نقی صاحب کا یہ بیان درج ہے

یادگار حسینی کی تجویز شدہ کتاب کی تکمیل اہل قلم وارباب نظر کو توجہ دہانی!

سید العلماء مولانا سید علی نقی النقوی صاحب قبلہ ناظم ادارہ مرکزی وناظم شعبہ تصنیف سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی ۱۳۶۱ھ تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کا شکر ہے کہ سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی سنہ ۱۳۶۱ھ کے سلسلے میں جتنی تجویزیں بنیادی حیثیت سے طے پائی تھیں وہ سب اپنی اپنی حد میں پایۂ تکمیل تک پہونچیں اسکے بعد مولانا جملہ تجاویز کا تذکرہ فرمانے کے بعد کتاب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں ایک تجویز جو اپنی نوعیت اور افادیت میں سب سے اہم تھی وہ ایک مکمل اور جامع کتاب کی اشاعت تھی جسمیں واقعہ کربلا کے

اسباب حالات اور نتایج پر اسطرح تبصرہ کیا جائے کہ ہر مذہب و ملت کا انسان اُس سے فائدہ اُٹھا سکے۔ اسکے لیے بہت سے اہل قلم کو دعوت دی گئی تھی اور طے پایا تھا کہ ان تمام حضرات کے نتائج قلمی کو سامنے رکھکر اس کتاب کی تکمیل کیجائے تین برس مسلسل محنت اور جانفشانی کے بعد شکر ہے کہ یہ کتاب مکمل ہوگئی ہو اسمین تراسی اہل قلم کے قلمی نتائج اور دماغی کاوشیں شریک ہین اور ۱۲۰۰ صفحات کی ضخامت پر کتاب ختم ہوئی کاغذ ملنے کی بے انتہا دشواریوں اور گرانباریوں کیساتھ آیندہ مکمل اور وسیع اشاعت کیلئے سرمایہ محفوظ رکھنے کیواسطے اس ضخیم کتاب کی ۸ قیمت رکھدی گئی ہو اور چونکہ یہ کتاب ابھی مختتم اور قطعی حیثیت سے شایع نہیں کیگئی ہو اسلیے زیادہ تعداد میں نہیں طبع کیگئی ہو اور جو حضرات جلد طلب نہ فرمائینگے بہت ممکن ہو کہ انھیں پھر آیندہ ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے۔ اصل مقصد اس پہلے ایڈیشن کی طباعت کا استصواب اور دریافت آرا ہو اسلیے تمام اہل قلم و ارباب نظر سے گذارش ہو کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ فرما کر آزادی کیساتھ جو کچھ انکے خیالات انتقادات یا اعتراضات ہوں انھیں تحریر فرما کر ناظم ادارہ مرکزی اور ناظم شعبہ تصنیف کے نام ذی الحجہ سنہ ۱۳۶۳ھ کے اختتام تک روانہ فرمائیں اسلیے کہ آیندہ محرم سنہ ۱۳۶۴ھ سے وصول شدہ آرا و انتقادات کی روشنی میں انشاء اللہ کتاب پر نظر ثانی اور دوسری بار طباعت کیلئے از سر نو ترتیب کا کام شروع ہو جائیگا لہذا اپنی زرین رائے سے اسکے قبل مطلع فرما کر صدیقی اس اہم کارنامۂ تاریخی کی تکمیل میں حصہ لیں،،

مولانا کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہو کہ موجودہ کتاب مسودہ نہیں بلکہ مستقل کتاب کا پہلا ایڈیشن ہو ورنہ ہر جگہ لفظ کتاب اور پہلا ایڈیشن نہ تحریر کیا گیا ہوتا بلکہ عوام الناس کو کتب فروشوں کے اشتہار کیطرح اس کتاب کی خریداری پر اسطرح انتہائی ترغیب و تحریص دلائی گئی ہو کہ "جو حضرات جلد طلب نہ فرمائینگے بہت ممکن ہو کہ انھیں پھر آیندہ ایڈیشن کا انتظار کرنا پڑے" جسکے صاف معنے یہی ہیں کہ مولانا نے اپنی تحریر کردہ کتاب کو مسودہ کی حیثیت سے شایع نہیں کیا ہو بلکہ جسطرح ہر مصنف اپنی تصنیف کی دوبارہ اشاعت سے قبل کچھ ترمیم و تنسیخ کردیتا ہو اسیطرح مولانا بھی آیندہ اشاعت میں وصول شدہ آرا پر نظر کرتے ہوئے جو مناسب سمجھینگے ترمیم و تنسیخ کردینگے اور جسطرح موجودہ کتاب کی ترتیب و تدوین میں مولانا نے یہ عذر پیش کردیا کہ عملی طور پر بورڈ کا اجتماع ناممکن ثابت ہوا لہذا خود اس کتاب کو تحریر کر ڈالا غالباً آیندہ بھی اسی عذر کیساتھ مولانا دوسرا ایڈیشن چھپوا دینگے اور غریب شیعہ ارکان بورڈ کو اسکا موقع ہی نہ دینگے کہ وہ شیعوں کے مذہب کی نمایندگی کرتے ہوئے اُن اُمور کی اصلاح کرسکیں جو اس کتاب میں زیادہ تر خود مولانا ہی کے قلم سے موجود ہیں اور مسلمات و عقاید شیعہ کے خلاف اور انکے لیے انتہائی دلآزار و ناقابل برداشت ہیں کتاب "شہید انسانیت" کے صفحہ ۲ بیان حال کو بغور مطالعہ کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہو کہ مولانا بورڈ کو اجتماع کا موقع ہی نہ دینگے اور ارکان بورڈ کے انفرادی آرا طلب کر کے انکی روشنی میں دوسرا ایڈیشن شایع کردینگے جیسا کہ فرماتے ہیں "ان حضرات سے گذارش ہو کہ اس کتاب کے تمام اجزاء کا نظر غائر سے مطالعہ فرمائیں اور جس مقام پر اضافہ کی ضرورت ہو یا کمی لازم ہو یا ترتیب کا بدلنا مناسب معلوم ہو وہاں اپنا نوٹ تحریر فرمادیں اور اس کتاب کے ان کے پاس پہونچنے کے بعد ایک ماہ کے اندر اپنی زرین رائے سے ادارہ کو مستفید فرمائیں تاکہ ان کے آرا اور قیمتی مشوروں کی اس کتاب کی آخری تدوین و ترتیب کا

کام انجام پائے اور پھر اس کتاب کی وسیع اشاعت کیجائے" (شہید انسانیت بیان حال صد ۲)

اس خیال کی مزید قوی تائید صرف اُس ایک ماہ کی مختصر ترین مدت سے ہو جاتی ہے جو ضخیم (۱۲/۱۷) صفحہ کی کتاب پر نظر غائر سے مطالعہ کرنے کیلئے اور اسپر اظہار خیال کرنے کیلئے ارکان بورڈ کو دیگئی ہو کیا اس سے یہ نتیجہ نہیں برآمد ہوتا کہ ارکان بورڈ یقیناً صرف ایک ماہ میں نہ کتاب کا بغور مطالعہ کر سکینگے اور نہ اُسپر قلم اُٹھا سکینگے درجبکہ اسمیں ایکماہ سے زیادہ صرف ہوگا اس مدت کے بعد انھوں نے کوئی اظہار خیال واصلاح روانہ فرمائی تو وہ یہ کہکر مسترد کیجاسکتی ہو کہ چونکہ اظہار خیال مدت معینہ کے اندر نہیں کیا گیا لہذا وہ قابل قبول نہیں ہے؟

ہماری سمجھ میں یہ امر بھی نہ آیا کہ آخر ان تمام پالیسیوں کو طے کرنیکا حق صرف مولانا کے اختیار میں کیسے آگیا جبکہ یادگار حسینی ایک جمہوری ادارہ ہو اُسکا ایک بورڈ بھی موجود ہو اور اسکی مجلس عاملہ بھی اور شعبہ تصنیف کے لیے بھی ایک ایڈیٹوریل بورڈ موجود ہے لیکن نہ معلوم کیا رز مصلحت خاصہ ہو کہ تین سال سے مولانا نہ بورڈ کا جلسہ طلب کرتے ہیں نہ مجلس عاملہ کا جلسہ کرتے ہیں نہ ایڈیٹوریل بورڈ کا بلکہ اس جمہوری ادارہ کو شخصی ادارہ بنا رکھا ہے۔ کیا علماء کے لیے یہ جائز ہے؟

مرکزی یادگار حسینی سے شروع میں بظاہر یہ اعلان کیا گیا تھا کہ ترتیب وتدوین کیلئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ کی تشکیل ہوتی ہو جو کتاب مذکور کو مرتب کریگا لیکن عملاً ناظم ادارہ تحریر مولوی سید علی نقی صاحب اسپر کاربند نہیں ہوئے بلکہ ہمارے مولانا نے غالباً کسی خاص مصلحت سے تن تنہا کتاب مذکور کا مرتب مؤلف ہونا خود ہی پسند فرمایا جیسا کہ ارشاد فرماتے ہیں کہ

"عملی صورت سے یہ صورت غیر ممکن ثابت ہوئی کہ تمام اراکان مجتمع ہو کر اس کتاب کی ترتیب میں حصہ لیں اس لئے تمام مضامین اور عناوین کو پیش نظر رکھتے ہوئے ادارہ کے جانب سے اس کتاب کو مرتب کیا گیا ہو" (شہید انسانیت، بیان حال" صد ۲) معلوم نہیں عملی صورت کیلئے عدم امکان کی کیا صورت پیدا ہوئی جبکہ ارکان بورڈ زیادہ تر لکھنؤ ہی میں موجود ہیں ظاہر ہے کہ یہی ایڈیٹوریل بورڈ کتاب مذکور کی تصنیف وتالیف کے سلسلہ میں کسی لائحہ عمل بنانیکا حق بھی رکھتا تھا جہانتک مجھے علم ہے ارکان بورڈ سے آئینی طریقہ پر اس امر میں کوئی مشورہ نہیں لیا گیا بلکہ "انا ولاغیری" پر عمل کرتے ہوئے ناظم ادارہ تحریر نے جو چاہا کیا، کتاب تو اس دعوی کیساتھ شائع کیجارہی ہے کہ سنہ ۶۱ھ سے سنہ ۱۳۶۱ھ تک کوئی ایسی کتاب لکھی ہی نہیں گئی (جیسا کہ شہید انسانیت کے صد ۲۷ پر اس کا دعوی کیا گیا ہے) لیکن کتاب مذکور کے مضامین کو اس طرح مدون فرمایا ہو کہ مستند ومعتبر ماخذ کو پیش نظر نہیں رکھا گیا اور نہ امہات کتب تاریخ ومقاتل کا جائزہ ہی لیا گیا کہ جسکے بعد علمی (سائنٹفک) طریقہ سے نقد وتبصرہ کرتے ہوئے اس کتاب کو تالیف کرتے بلکہ ناظم ادارہ تحریر نے مختلف روزناموں اور رسائل کے محرم نمبر اور اسی قسم کے دوسرے رسالوں کے مضامین سے اسکو

مرتب فرمایا ہے یا سنہ ۱۳۶۱ھ کے صد سالہ یادگار مین مختلف ملل و مذاہب کے حضرات نے جن تاثرات و آراء کو پیش کیا ہے ان سب کو اس کتاب مذکور مین شامل کر دیا ہے "ایسے حضرات کی تحریرین بھی اس کتاب مین ہین جنکو کسی طرح بھی ناظم تحریر نظر انداز کر ہی نہین سکتے تھے کیونکہ اُن کے آراء باطلہ کو جگہ دینے سے شخصی مفاد حاصل ہوتا تھا جیسے ڈاکٹر وحید مرزا حنفی صدر شعبہ عربی و شعبہ شرقیات لکھنؤ یونیورسٹی کا مضمون ہے کچھ ایسے اہل قلم کی کاوشین بھی اس مین نظر آتی ہین جنکو یادگار حسینی کے کسی ادارہ سے کوئی تعلق نہین ہے، لیکن دور اندیشی کا تقاضا تھا کہ اُنکے مضامین کو بھی کتاب مذکور مین جگہ دیجاوے، لیکن اسکے باوجود بھی کتاب مذکور کا بیشتر حصہ ناظم ادارہ تحریر ہی کا لکھا ہوا ہے، اس مین کوئی شبہ نہین کہ کتاب مذکور کے تنہا مؤلف و مرتب جناب مولانا سید علی نقی صاحب ہی ہین تمام وہ افراد جنکے نتائج قلمی اور دماغی کاوشون کو اس مین فراہم کیا گیا ہے اُن کی مجموعی تعداد مع مرتب کتاب کے ۸۳ ہے، اس تعداد مین اکثر و بیشتر ایسے لوگ بھی ہین جنکو تاریخ اسلام سے دور کا بھی تعلق نہین ہے اور نہ جنکو علوم اسلامیہ و عربی ادب سے مس ہے، پوری کتاب ۱۲ صفحات کی ہے، اس ضخیم کتاب کے آخر مین یہ نوٹ ہے "کتاب کے توقع سے زیادہ طولانی ہوجانے کی وجہ سے ضمیمے اس جلد سے خارج کیئے گئے وہ دوسری جلد مین انشاءاللہ درج کیے جاوینگے"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی "کتاب شہید انسانیت جلد دوم" کا ہمین انتظار کرنا چاہیے، شاید جلد اول کو شائع کر کے پبلک کے رجحانات کا اندازہ مطلوب ہے کہ جلد دوم کے مضامین "متعصب و متصعب" کو برداشت کیا جا سکتا ہے یا نہین۔

بہرطور جلد اول کے ۱۲ صفحات مین سے ۸ صفحات مرتب و مؤلف کتاب ناظم یادگار حسینی (مولانا علی نقی النقوی) کے تحریر کردہ ہین اور ۳۲ صفحات دوسرے افراد کے نتائج قلم ہین ہر شخص کے مقولہ و مضمون پر مخصوص علامت کے ذریعہ صاحب مضمون کو حاشیہ پر ظاہر کر دیا ہے جنکے اقتباسات کو دو طرفہ واوین " " مین لکھا گیا ہے اس کے علاوہ جو عبارات اس نشان یا واوین کے باہر ہین وہ ناظم ادارہ کی عبارات ہین جس سے ہر شخص کی فکر و تحریر کو آسانی سے معلوم کیا جا سکتا ہے۔ کتاب مذکور کے کل مضامین کو بظاہر فلسفہ تاریخ کے اصول پر ضبط و مرتب کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے ایک جگہ پر ناظم ادارہ تحریر ارشاد فرماتے ہین "ہماری کتاب چونکہ ایک بین الاقوامی ادارہ کی ترجمان ہے اس لیے واقعہ کربلا کے اسباب کا وہی پہلو پیش کیا جا سکتا ہے جو صرف تاریخی حیثیت رکھتا ہے" (شہید انسانیت ص ۱۰۶)

لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ دعویٰ بھی علمی حیثیت سے تشنۂ ثبوت رہ گیا اور تاریخی حقائق کو نگاہوں سے پوشیدہ رکھا گیا، یہ تاریخی حقائق ہیں کہ رسول کی وفات کے بعد بیت الشرف فاطمۃ الزہرا کا احترام نہیں کیا گیا، اہلبیت رسول کی عظمت کو ختم کرنے کے لیے انکو اقتصادی کشمکش میں مبتلا کیا گیا، انکے جائز حقوق وراثت سے محروم کیا گیا، غرضکہ دختر رسول کے ساتھ امت نے ناروا برتاؤ کیا، مگر ان تمامی امور کو اس کتاب میں چھپایا گیا ہے، کسی دوسرے نے حق پوشی نہیں کی ہے بلکہ ناظم ادارۂ تحریر کا یہ کارنامہ ہے کیا موصوف کے نزدیک یہ چیزیں تاریخی حیثیت نہیں رکھتی تھیں؟

موصوف کو کسی امہات کتب تاریخ میں تو نہیں لیکن ہاں ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ دہلوی یا مدارج النبوت عبد الحق محدث دہلوی کی سی کتابوں میں حادثۂ وفات رسول ص کے بعد محبت رسول میں کسی کا رشکِ کلفت (دیوانہ ہونا دکھلائی دیا اور بجائے کتب مناقب کا حوالہ دینے کے یہ لکھدیا کہ تاریخیں تو یہاں تک بتلاتی ہیں (شہید انسانیت ص ۵۴) لیکن مورخ ابن قتیبہ دینوری کی کتاب "الامامت والسیاست" یا کسی دوسری تاریخ میں یہ نہ دکھلائی دیا کہ "دیوانہ بکار خویش ہوشیار" آخر بنت الرسول کے بیت الشرف کو جلانے کے لیے آگ و لکڑی لیجانا بھی محبت رسول میں تھا؟

یہ واقعہ تو ایسے تاریخی اسناد سے ثابت ہے کہ مولوی شبلی بھی اپنی کتاب "الفاروق" میں مورخ طبری کے حوالہ سے نقل کرنے کے بعد ان الفاظ کے ساتھ قبول کرنے پر مجبور ہوئے ہیں کہ "درایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں ہے حضرت عمر کی تندی اور تیز مزاجی سے یہ حرکت بعید نہیں ہے"۔

مندرجہ ذیل مورخین و محدثین اہلسنت اور مورخین یورپ نے اس واقعہ کو لکھا ہے، کیا ان میں سے موصوف کے نزدیک کوئی بھی قابل سند نہیں تھا جس سے کتاب "شہید انسانیت" میں اخذ کیا جاتا۔

(۱) کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبۃ الدینوری جلد اول ص ۲ مطبوعہ مصر، (۲) کتاب الملل والنحل علامہ شہرستانی جلد اول طبع بمبئی ص ۲۵ (۳) تاریخ الرسل والملوک لابن جریر الطبری جلد سوم ص ۹۸ طبع مصر (۴) تاریخ ابو الفداء جلد اول ص ۱۵۶ طبع مصر و ترجمہ تاریخ ابو الفداء جلد اول ص ۳۷۵ (۵) تاریخ روضۃ المناظر علامہ ابن شحنہ برحاشیہ جلد یازدہم تاریخ کامل طبع مصر ص ۱۱۳ (۶) تاریخ مروج الذہب مسعودی برحاشیہ تاریخ کامل جلد ۹ طبع مصر ص ۱۵۹ (۷) عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد دوم ص ۲۶ (۸) شرح ابن ابی الحدید جلد اول طبع ایران ص ۷۳ (۹) استیعاب ابن عبد البر جلد اول ص ۳۴۵ طبع حیدر آباد (۱۰) ازالۃ الخفا شاہ ولی اللہ مقصد

صـ ۲۹۳ دوم مآثر ابوبکر مطبوعہ مطبع صدیقی دہلی در ترجمہ کتاب مذکور مطبوعہ لاہور صـ ۳۳۶ (۱۱) تحفہ اثنا عشریہ شاہ عبد العزیز طبع نولکشور (۱۲) الفاروق شبلی حصہ اول صـ ۱۷ مطبوعہ مفید عام (۱۳) حد تحقیق مولوی وحید الدین خاں طبع لکھنؤ صـ ۱۱ (۱۴) رویائے صادقہ حافظ نذیر احمد صـ ۱۵۲ (۱۵) المرتضیٰ حافظ عبد الرحمن امرتسری صـ ۴۵ طبع امرتسر (۱۶) مختصر تاریخ الدول ابو الفرج ملطی مسیحی (۱۷) رسالہ خلافت جان ڈیون پورٹ اردو ترجمہ جز مظاہر حق صـ ۱۳ طبع لکھنؤ (۱۸) مورخ گبن کی مشہور کتاب ڈکلائن اینڈ فال آف دی رومن امپائر زوال سلطنت روم جلد سوم صـ ۵۱۹ طبع لندن (۱۹) واشنگٹن ایرون کی تاریخ سکسز آف محمد (خلفاء محمد) صـ ۴۴ طبع لندن (۲۰) مورخ اوکلے کی ہسٹری آف دی سیرا سنز (تاریخ اسلام) صـ ۴۳ طبع لندن

یہ یاد رہے کہ فلسفۂ تاریخ کے اصول پر حالات کربلا کو ضبط کرنے کی کوشش اپنی نوعیت کی پہلی سعی نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے اسی صدی میں "سیرۃ الحسین علی جلال الحنفی المصری" "سیرۃ الحسین ابو نصر عمر الحنفی البیروتی" "ذکری الحسین شیخ حبیب عاملی شیعی" "نہضۃ الحسین ہبۃ الدین الشہرستانی"، "عظمت حسین بن علی ابو عبد اللہ زنجانی" انکے علاوہ اور دوسری کتابیں بھی مرتب ہو چکی ہیں اگرچہ انمیں سے بعض کتابیں ایسی ہیں جنمیں حقائق پر پردہ ڈالا گیا ہے اور جو اس عیب سے پاک ہیں وہ غیر مکمل و ناقص ہیں جسطرح سے یہ کتاب شہید انسانیت ہے جسمیں متذکرہ بالا دونوں عیوب بدرجۂ کمال موجود ہیں۔ سنہ ۶۱ھ سے لیکر اسوقت تک جتنی کتابیں واقعۂ کربلا کے متعلق لکھی گئی ہیں ان سبکے متعلق ناظم ادارہ تحریر ارشاد فرماتے ہیں "مگر جتنی کتابیں تصنیف ہوئی ہیں سب مذہبی نقطۂ نظر کے ماتحت اُن ہی لوگوں کیلئے جو اسلام اور پیغمبر اسلام کے معتقد ہیں، انمیں قرآن کی آیتیں پیغمبر کی حدیثیں اور اس طرح کی روایتیں ہیں جو مسلمانوں کے طبقہ میں مقبول ہو سکتی ہیں کوئی غیر مسلم ہندو عیسائی یا کسی دوسری مذہب کا انسان اگر واقعۂ کربلا کو اسکے نتائج اور ضروری تفصیلات کیساتھ جاننا چاہے تو کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جسکا پتہ دیا جا سکے" (شہید انسانیت صـ ۲۷)

مولانا سے کون بتلائے کہ عرب فنی حیثیت سے تاریخ نگاری میں بہ نسبت دوسری قوموں کے خاص امتیاز رکھتے ہیں اور مستند اسلامی مورخین نے اپنی کتب تاریخ میں عام اس سے کہ انھوں نے باعتبار دول مرتب کی ہوں یا باعتبار زمان، کربلا کے سانحۂ عظمیٰ کو صرف تاریخی نقطۂ نظر ہی سے تحریر کیا ہے کسی ایک مورخ کا بھی حوالہ نہیں دیا جا سکتا جسنے اپنی تاریخ میں اس واقعہ کو صرف مذہبی نقطۂ نظر سے لکھا ہو، اسی بنا پر تاریخ کا ایک طالب العلم اگر مقدم و موخر حالات تاریخی کو پیش نظر رکھتا ہوا واقعات کربلا کو کسی اسلامی تاریخ میں دیکھے تو فلسفۂ تاریخ کے ماتحت وہ صحیح نتائج آسانی کیساتھ اخذ کر سکتا ہے عمومی تاریخ اسلام سے قطع نظر کرتے ہوئے اگر صرف کتب مقاتل کو ملاحظہ کیا جاوے تو انمیں بھی فنی حیثیت سے تاریخی خصوصیات نمایاں ملینگے، ہاں علمائے اسلام نے اپنی مخصوص تصانیف میں واقعۂ کربلا پر مذہبی حیثیت سے بھی بحث کی ہے اور در اصل واقعۂ کربلا پہ مذہبی حیثیت سے نظر کرنا بھی چاہیئے کیونکہ شہید کربلا کا یہ اقدام اقتصادی یا سیاسی کشمکش کا نتیجہ نہ تھا حسینؑ کی یہ عظیم الشان قربانی مذہب اسلام کی بقا کے لیے تھی اور اسی سبب سے یہ واقعہ ہمگیر و جاوداں ہے اسلیے ایسی تصانیف میں قرآن کی آیتوں اور پیغمبر کی حدیثوں کا ہونا بہت ضروری ہے یاد رکھیئے کہ نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلم بھی آیات قرآن و احادیث پیغمبر کے بغیر حسینؑ کی صحیح عظمت و سیرت اور اس عدیم النظیر قربانی کی اہمیت کو صحیح معنوں میں سمجھ ہی نہیں سکتے اور اگر موجودہ طرز و استدلال

کے ساتھ غیر مسلم کسی کتاب کو دیکھنا چاہتا ہے تو ہم ریاض بنارسی کی کتاب شہید اعظم کو پیش کر سکتے ہیں۔

یہ عجیب بات ہے کہ ناظم ادارہ تحریر ہی کیطرح سر ولیم میور کو بھی مورخین اسلام سے یہی شکایت تھی کہ ان لوگوں نے خالص تاریخی نقطہ نظر سے پیغمبر کی زندگی کو نہیں لکھا ہے اسلئے اس کمی کو پورا کرنے کیلئے ولیم میور نے "لائف آف محمد" کو لکھا فرق صرف یہ ہے کہ آپ حسین مظلوم کے متعلق اس نتیجہ پر پہونچے ورنہ انکے جذبہ اسلام کے متعلق افسوس یہ ہے کہ دعوی تو یہ ہے کہ "اسی ضرورت کو سامنے رکھکر یعنے تاریخی حقائق کو ظاہر کرنے کیلئے شہید انسانیت کو لکھا گیا ہے" (شہید انسانیت صفحہ ۲۷) لیکن مولانا سید مجتبیٰ حسن کامون پوری کے الفاظ میں صرف شہید انسانیت اور انکے مولفین ہی کے متعلق یہ کہنا پڑتا ہے کہ "جن لوگوں نے تاریخ نویسی کے فریضہ کو اپنے ہاتھ میں لیا وہ مورخ نہیں اور نہ تاریخ نویسی کے قوانین سے واقف، اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب شہید انسانیت میں واقعۂ کربلا فلسفۂ تاریخ کے ماتحت صحیح استنتاج سے آشنا نہیں ہوا ہر سمجھدار انسان کتابِ مذکور کو پڑھنے کے بعد یہی رائے ظاہر کرنے کیلئے مجبور ہوگا۔

سید احتشام حسین ایم۔ اے۔ لکچرر لکھنؤ یونیورسٹی جنھوں نے شروع میں اس کتاب کا خاکہ بناکر ادارہ تحریر کو دیا تھا، اور جنکے مضمون کا حوالہ جابجا شہید انسانیت میں دیا گیا ہے وہ بالکل درست فرماتے ہیں کہ "کتاب شہید انسانیت کو فنی حیثیت سے نہ تاریخ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ سیرت (لائف) اور نہ صرف تاثرات کا مجموعہ ہی بلکہ ضعف تالیف کا ایک عجیب و غریب کرشمہ ہے" موصوف کی یہ وہ رائے ہے جسکو تحریراً ناظم ادارہ کے پاس بھیج چکے ہیں اس کتاب میں اگر ایک طرف حضرت سرورِ عالم کے متعلق توہین آمیز فقرہ استعمال کیا گیا ہے تو دوسری طرف مسلم الثبوت واقعات کی قطع و برید کی گئی ہے، کیوں؟ اسلیے کہ اُس سے اہلبیت رسول کی فضیلت کا اظہار ہوتا تھا، اور یہ امر بظاہر اپنی "بین الاقوامی" مفاد کے خلاف ہے۔ کیا یہ جملہ کسی مسلمان کے قلم نے نکل سکتا ہے جو شہید انسانیت کے صفحہ ۱۲۵ پر موجود ہے "ولیکن اُنھیں (یعنی کفار قریش کو جو پیغمبر کو پاگل و شاعر کہتے تھے) بہت جلد ہی احساس ہوا کہ یہ پاگل شاعر بہر حال نرا پاگل ہی نہیں تھا" اس کتاب میں یہ جملہ ڈاکٹر وحید مرزا صاحب (سنی المذہب) کے جانب منسوب کیا گیا ہے جو لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ مشرقیات (عربی و فارسی) کے صدر ہیں اور جن کے ماتحت ناظم ادارہ تحریر و مرتب و مؤلف شہید انسانیت کام کرتے ہیں۔ آخر مولف کتاب کو کون سی ایسی مجبوری تھی جس کی وجہ سے وہ اس کفر آمیز جملے کو بغیر "نقد و قدح" نقل کرنے پر مجبور ہوئے، کیا موصوف کے نزدیک اس سے اہانت رسولؐ نہیں ہوتی۔ ع چو کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مسلمانی!

واقعات تاریخی کی قطع برید کی دو مثالیں ملاحظہ ہوں، شہید انسانیت کے صفحہ ۳۸ پر دعوت عشیرہ کا تذکرہ ہے جسمیں ایسی حقیقت کو پوشیدہ کیا گیا ہے جسکو ظاہر کرنا ضروری تھا اگر اختصار مطلوب ہوتا تو ایسے امور کو حذف کیا جا سکتا تھا جنکا ذکر کرنا کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا ہے مثلاً سامانِ دعوت جسکی تشریح خصوصیت سے کیگئی ہے

اس عظیم الشان واقعہ کو جن مختصر الفاظ کے ساتھ ادا کیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہون۔
"چند روز کے بعد آپ ہی نے حضرت علیؑ سے ارشاد فرمایا کہ دعوت کا سامان کرو، آنحضرتؐ نے کھانے کے بعد کھڑے ہو کر فرمایا کہ مین وہ چیز لے کر آیا ہون جو دین و دنیا دونون کی کفیل ہے اس بارگران کے اُٹھانے مین کون میرا ساتھ دیگا عام مجلس مین سناٹا تھا دفعتہً علیؑ نے اُٹھ کر کہا گو مجھ کو آشوب چشم ہے، گو میری ٹانگین پتلی مین اور گو مین سب سے نوعمر ہون تاہم مین آپ کا ساتھ دونگا"،

اس عبارت کے متعلق حاشیہ کتاب سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو مرزا محمد عسکری بی۔ اے (حنفی) نے تحریر کیا ہے، حالانکہ دراصل یہ عبارت مولوی شبلی کی ہے جسکو کہ انھون نے سیرت النبی جلد اول صد ۱۵۴ پر لکھا ہے، اب اصل واقعہ کو مستند مورخین ومحدثین ومفسرین کی زبانی ملاحظہ فرمائیے،

مورخ محمد بن جریر الطبری لکھتا ہے کہ پیغمبر نے دعوت عشیرہ مین قریش سے ارشاد فرمایا۔

انی قد جئتکم بخیر الدنیا والاخرۃ وقد امرنی اللہ تعالی ان ادعوکم الیہ فایکم یوازرنی علی ھذا الامر علی ان یکون اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاحجم القوم عنھا جمیعًا وقلت وانی لاحدثھم سنًّا وارمصھم عینًا واعظمھم بطنًا واحمشھم ساقًا انا یا نبی اللہ اکون وزیرک علیہ فاخذ برقبتی ثم قال ان ھذا اخی ووصیی وخلیفتی فیکم فاسمعوا لہ واطیعوا قال فقام القوم ویقولون لابی طالب قد امرک ان لیسمع لابنک وتطیع،
(تاریخ الامم والملوک لابن جریر الطبری حصہ اول جلد سوم مطبوعہ لیڈن جرمن صد ۱۱۷۲)

مین دنیا و آخرت کی نیکی اور بہتری کو تمھارے پاس لے کر آیا ہون مجھ کو خدا نے حکم دیا ہے کہ تمھین اُس کی طرف بلاؤن پس تم مین سے کون شخص ہے جو اس امر رسالت مین میری اعانت و مدد کرے اور میرا بھائی ہو اور تمھارے درمیان میرا خلیفہ ہو یہ سنکر تمام لوگ خاموش رہے مگر حضرت علیؑ نے اُٹھ کر فرمایا باوجودیکہ مین عمر مین سب سے چھوٹا ہون میری آنکھوں مین آشوب ہے اور میرا پیٹ بڑا ہے اور میری ٹانگین پتلی ہین لیکن بااینہمہ اے خدا کے رسول مین اس امر مین آپ کا وزیر و مددگار رہونگا یہ سنکر حضرتؐ نے علیؑ کے شانے پر ہاتھ مار کر فرمایا یہ تم لوگون مین میرا بھائی میرا وصی اور میرا خلیفہ ہے اس کی باتون کو سنو اور اس کی اطاعت کرو یہ سنکر تمام لوگ ہنستے ہوے اور ابو طالبؑ سے یہ کہتے ہوے چلے گئے کہ تم اپنے بیٹے علیؑ کے مطیع و منقاد بنائے گئے اب اس کی باتون کو سنو اور اطاعت کرو۔

یہی عبارت کنز العمال فی سنن الاقوال والاحوال جلد ۶ صد ۳۹۷ مطبع حیدرآباد مین بھی ہے اور محی السنہ امام بغوی

صاحب مشکوۃ المصابیح نے بھی انھین الفاظ کے ساتھ اپنی تفسیر معالم التنزیل (ص ۲۶۳ طبع بمبئی) مین مورخ واقدی کے سلسلۂ روایت سے نقل فرمایا ہے، نہ صرف ان کتابون مین بلکہ حسب ذیل کتب اہلسنت مین اسی تفصیل کے ساتھ یہ واقعہ مرقوم ہے تفسیر خازن، تفسیر سراج المنیر، تفسیر ثعلبی، تفسیر واحدی، تفسیر ابن مردویہ، تفسیر ابن ابی حاتم، دلائل النبوت بیہقی، حلیۃ الاولیا، ذخیرۃ المال عجیلی، تہذیب الآثار طبری، کتاب الاکتفا، تاریخ کامل ابن اثیر، تاریخ ابوالفدا، تاریخ روضۃ الصفا، تاریخ حبیب السیر، معارج النبوت، مدارج النبوت، ازالۃ الخفا، وغیر ذلک۔

اس واقعہ کو یورپ کے مورخین نے بھی لکھا ہے، جیساکہ واشنگٹن ارون W. Arving اپنی کتاب خلفاء محمد Successors of Mohammad مین لکھتے ہین کہ رسولؐ نے فرمایا۔

پس تم مین سے کون شخص میرا بھائی میرا وزیر اور میرا جانشین ہوگا یہ سنکر سب لوگ خاموش رہ گئے بعض لوگ تعجب کرتے تھے اور بعض بے اعتقادی اور تمسخر سے ہنستے تھے آخر کار علیؑ نے جوانمردی و دلیری کیساتھ پیغمبر سے کہاکہ اے خدا کے پیغمبر مین حاضر ہون محمدؐ نے اپنے ہاتھ اس جوان کی گردن مین ڈالدیے اور اُن کو اپنے سینہ سے لگاکر باواز بلند فرمایا کہ تم سب لوگ میرے بھائی میرے وزیر اور میرے جانشین کو دیکھ لو اور اسکی فرمانبرداری کرو۔ نوجوان علیؑ کی اس جرأت و مستعدی پر قریش نے ایک حقارت آمیز قہقہہ لگاکر اس کمسن خلیفہ کے باپ کو اپنے بیٹے کے سامنے جھکنے اور اُس کی فرمانبرداری کرنے پر ملامت کی،،

اسیطرح دعوت عشیرہ مین علیؑ کا خلیفۂ رسول مقرر کیا جانا یورپ کے دوسرے مورخین نے بھی لکھا ہے چنانچہ مسٹر اوکلے نے اپنی تاریخ اسلام کے ص ۱۱۰ اپر اور مسٹر گلبن نے اپنی تاریخ اسلام کے ص ۲۶ پر اور گبن نے تاریخ سلطنت روم جلد سوم ص ۴۹۹ پر مندرجہ بالا تفصیل کے ساتھ اسکو تحریر کیا ہے۔

دعوت عشیرہ کے واقعہ کو ناقص طور پر مرزا محمد عسکری (بی۔ اے حنفی) کی پیش کردہ عبارت مین کتاب شہید انسانیت مین قبول کر لینا انتہائی استعجاب کا سبب ہے، خود ناظم ادارہ تحریر اس واقعہ کو مکمل نقل کرسکتے تھے ممکن ہے کہ خلافت علیؑ کا تذکرہ بھی بین الاقوامی شہرت کے خلاف سمجھا گیا ہو۔ حالانکہ آیندہ آنے والے واقعات کا بہت کچھ اس سے تعلق ہے، کیونکہ بقول حضرت عمر قریش نے اسکو ناپسند کیا کہ نبوت و خلافت ایک ہی گھر (بنی ہاشم) مین مجتمع ہو (تاریخ الطبری جلد ۴ ص ۲۶۹ طبع لیڈن جرمن) ظاہر ہے کہ اسی ناپسندیدگی کے نتیجہ مین واقعہ کربلا ظہور پذیر ہوا۔

اس مین کوئی شک نہین کہ مسئلہ خلافت و امامت ہی اول نزاع ہے جس پر کسی حد تک روشنی ڈالنا ضروری تھا

کسی عنوان کے ماتحت مستقل باب مین اگر مناسب نہ تھا تو ان تاریخی مواقع کو کسی طرح بھی نظر انداز نہ کرنا چاہیے تھا
لیکن یہ اُسوقت ہوتا جب ناظم ادارہ تحریر کے نزدیک بھی اسکی کوئی اہمیت ہوتی، ورنہ اس کی اہمیت کا اندازہ
ایک انگریز مورخ کو اس حد تک ہے کہ وہ علیؑ کے استحقاق خلافت کے سلسلہ مین اس سے استدلال کرتا ہوا کہتا ہے
"ان سب مین (ابوبکر، عمر، عثمان) سے علیؑ سب سے زبردست حق رکھتا تھا وہ صرف رسول کا داماد ہی نہ تھا
بلکہ یاد ہوگا کہ سب سے پہلے بعثت کے اعلان کے وقت پیغمبر کی مدد کو یہی دوڑا تھا اور اس نازک وقت مین خلیفہ کا
خطاب پاچکا تھا اور رسول نے اسکے ساتھ ہی اسکی فرمانبرداری کا حکم دیا تھا (تاریخ اسلام مسٹر گلمن ص۲۲۵ مطبوعہ لندن)
اسیطرح ص۵۱ پر واقعہ مباہلہ کے سلسلہ مین "محمد و آل محمد" کو میدان مباہلہ مین دیکھکر اہل نجران کے مرعوب
ہوجانے کا اجمالی ذکر ہرگز کافی نہین ہے، بلکہ ضرورت تھی کہ اُن الفاظ کا بھی تذکرہ کیا جاتا جس مین اُنھون نے
کہا تھا کہ "مین ایسے چہرون کو دیکھ رہا ہون جو اگر اپنے خدا سے دعا کرین تو ساکن پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جائین
دیکھو ان سے مباہلہ نہ کرو کیونکہ اگر یہ بددعا کرین گے تو قیامت تک کے لیے زمین پر ایک عیسائی بھی نہ رہے گا"
ان فقرات کو تفسیر کبیر فخر الدین رازی، تفسیر کشاف، تفسیر مدارک، تفسیر بیضاوی، تفسیر محمد بن جریر طبری اور
دیگر تفاسیر و احادیث و کتب تاریخ اہلسنت مین ملاحظہ کیا جاسکتا ہے

ص۴۶ پر یہ بتلایا گیا ہے کہ "اور نا بھی اس حال مین ہین مگر بیت المال کے خزانہ مین سے ایک پائی
بے استحقاق اپنے صرف مین لانا گوارا نہ کرتے تھے" اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مرتب کتاب کے
گمان مین عہد رسول مین خزانہ کا وجود ثابت ہے، حالانکہ ایسا نہین ہے پیغمبر اسلام کے پاس کوئی خزانہ
نہ تھا جو کچھ آتا تھا وہ فوراً بالتسویہ تقسیم کردیا جاتا تھا، اُسی طرز سے جسکا مظاہرہ علی بن ابیطالبؑ نے اپنے
خلافت ظاہری کے زمانہ مین کیا تھا، اپنے صرف مین لانا تو درکنار پیغمبر اسلام بنیادی حیثیت سے "کنز"
کے خلاف تھے، قرآن مین اس کی سختی کے ساتھ مخالفت کی گئی ہے "والذین یکنزون الذھب والفضۃ الخ
اور "ویل لکل ھمزۃ لمزۃ ن الذی جمع مالاً وعددہ" اور دوسری آیات قرآنی بھی اسپر دال ہین۔
غرضکہ اس قسم کے نہ معلوم کتنے تسامحات و اغلاط ہین جن سے یہ کتاب بھری پڑی ہے، چند چیزون کا ذکر
"مشتے نمونہ از خروارے" تھا، ممکن ہے کہ ان کے متعلق ناظم ادارہ تحریر یہ فرمائین کہ یہ میرے افادات نہین ہین
لیکن افسوس کہ موصوف ایسے فاحش اغلاط و غیر معتبر واقعات کے ظاہر کرنے کے ذمہ دار ہین جسکی مثال علمائے شیعہ
مین دوسری نہین ملسکتی، دراصل انھین اغلاط فاحشہ کی بنا پر در اظہار حقیقت، کو ناظرین کیا سامنے پیش کر رہا ہون

اس لیے اور بھی کہ کہین ناظر بصیر یہ دیکھکر کہ اس کتاب مین میرے مضامین کا اقتباس بھی ہے، اور اس کے اہل قلم مین قہراً میرا نام بھی آگیا ہے، اس لیے ان اغلاط کا ذمہ دار مجکو بھی نہ سمجھ لے چاہے وہ "عصمت بنت اللہ فضیلت بھا"، کی حیثیت ہی سے کیون نہ ہو، کیونکہ ناظم ادارہ تحریر کے اغلاط کسی طرح بھی قابل تسامح نہین ہین، یہ وہ چیزین ہین جو تاریخی حقائق اور شیعی نقطۂ نظر دونون کے خلاف ہین،

حد یہ ہے کہ اس کتاب کا پڑھنے والا اس نتیجہ تک پہونچنے کے لیے مجبور ہے کہ واقعۂ کربلا اموی و ہاشمی خانہ جنگی کا نتیجہ تھا (جیسا کہ کتاب شہید انسانیت حصہ اول واقعۂ کربلا کے اسباب و تفصیلات مین بیان کیا گیا ہے) ان وجوہ سے کتاب شہید انسانیت عوام کے لیے اس کا امکان پیدا کرتی ہے کہ اُن کے لئے یہ کتاب گمراہی کا سبب بنجائے یہ بھی ممکن ہے کہ مخالفین ان مضامین سے استدلال کرتے ہوئے شیعیان علیؑ کے مقابلہ مین اسکو بطور حجت کے پیش کرین ایسی صورت مین جبکہ اس کا ذمہ دار ایک شیعہ عالم بھی ہو کیونکہ ان ہفوات کو مولانا ہی کے زبان قلم نے ادا کیا ہے اس بنا پر ان مضامین خرافیہ سے بیزاری کو ظاہر کرتا ہوا کتاب مذکور پر نظر انتقاد ڈالنا میرا فریضۂ دینی ہے تاکہ برادران ایمانی مبتلائے فریب نہ ہون، ہو سکتا تھا کہ اس نقد کو ناظم ادارہ کیخدمت مین غیر مطبوعہ بھیجدیا جاتا لیکن شہید انسانیت کی اشاعت کسی محدود حلقہ مین نہین ہوئی ہے بلکہ کثیر تعداد مین طبع کرا کے عوام و مخالفین کے ہاتھوں تک اسکو پہونچا دیا گیا ہے۔ اسلیے "اُظہار حقیقت"، کی بھی عمومی اشاعت کرنی پڑی۔

سب سے پہلے یہ ظاہر کر دینا ضروری ہے کہ ناظم ادارہ تحریر سے کون سی ایسی اساسی غلطی ہوئی ہے جسکی بنا پر حسینی شہادت کو خانہ جنگی کا نتیجہ قرار دیا گیا اور جسکی وجہ سے خود مولانا ہی کے سنان قلم سے شیعیت کو مجروح ہونا پڑا دراصل یہ نتیجہ ہے اس غلطی کا جو حسینؑ کے حالات اور کربلا کے واقعات کو بین الاقوامی مزاج کے مطابق پیش کرنیکی لایعنی کوشش کی گئی ہے، کھلی بات ہے کہ "بین الاقوامی"، یا "بین المللی"، بنانے سے پہلے، اس امر کی کوشش ہوگی کہ اسکو "بین الاسلامی"، بنایا جائے تاکہ کم از کم ہر عقیدہ و مذہب کا مسلمان اپنے عقائد پر قائم رہتے ہوئے اس بین الاقوامی ادارہ کی کتاب کو پڑھ سکے، ظاہر ہے کہ شہادت امام مظلوم کے متعلق مسلمانون مین مندرجہ ذیل مختلف نظریے ہین۔

(۱) پہلا نظریہ تو ائمۂ اہلبیت اور اُن کے شیعون کا ہے جنکا عقیدہ یہ ہے کہ یہ واقعہ ہائلہ سقیفہ بنی ساعدہ کی کاروائی کا نتیجہ ہے، اور حسینؑ نے اپنی شہادت سے اسلام کو تباہی سے بچا لیا،

اسکے برخلاف فرقۂ اہلسنت کا مسلک ہے، جن مین شہادت حسین کے متعلق کئی رجحان ہین۔

(الف) محی الدین ابن عربی کا یہ مذہب ہے جیسا کہ ابن خلدون اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں۔

"وقال القاضی ابوبکر ابن العربی المالکی فی کتابہ المسماہ بالعواصم والقواصم ما معناہ ان الحسین قتل بشرع جدہ"

قاضی ابوبکر ابن العربی مالکی اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ حسینؑ اپنے نانا کی شریعت کے حکم کے مطابق قتل کیے گئے۔

(مقدمہ ابن خلدون ص۱۴۹ طبع بیروت سنہ ۱۸۹۶ء الحسین والجلال الحنفی جلد دوم ص۱۷۱ طبع قاہرہ)

ابن حجر ہیتمی مکی ابن عربی کے اس قول کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں۔

انہ قال لم یقتل یزید الحسین الا بسیف جدہ ای بحسب اعتقادہ الباطل انہ الخلیفۃ والحسین باغ علیہ والبیعۃ سبقت لیزید۔

(منح مکیہ لابن حجر مکی ص۲۳۱ مطبوعہ بہیہ مصر)

ابن عربی یہ کہتے ہیں کہ یزید نے حسین کو نہیں قتل کیا لیکن خود انکے نانا کی تلوار نے۔ مطلب یہ ہو کہ ابن عربی کے اعتقاد باطل میں یزید خلیفہ برحق تھا اور حسینؑ نے اُس پر بغاوت کی تھی حالانکہ یزید کی بیعت خلافت واقع ہو چکی تھی جس سے انحراف و اختلاف جائز نہ تھا۔

یہ عقیدہ صرف ابن عربی کا ذاتی رجحان نہیں ہے بلکہ اکثر اہلسنت کا یہی مسلک ہے۔ چنانچہ علامہ سید آلوسی حنفی بغدادی لکھتے ہیں۔

قال ابن جوزی فی کتابہ سر المصئون من الاعتقادات العامۃ التی غلبت علی جماعۃ منتسبین الی السنۃ ان یقولوا ان یزید کان علی الصواب وان الحسین اخطاء بالخروج

(تفسیر روح المعانی سید آلوسی حنفی بغدادی جلد ۹ ص۱۲۶)

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب سر المصئون میں لکھتے ہیں کہ جماعت اہل سنت کے عام لوگوں کا یہ اعتقاد ہے کہ یزید راہ صواب پر تھا اور حسینؑ نے یزید پر خروج کرنے میں خطا کا ارتکاب کیا۔

یہی خیال ابن تیمیہ و ابو شکور سلمی وغیرہم کے سے علمائے اہلسنت کا بھی ہے۔ موجودہ زمانہ کا مورخ اہلسنت الاستاذ شیخ محمد خضری مصری کا بھی یہی عقیدہ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے۔

"وعلی الجملۃ فان الحسین اخطاء خطاء عظیما فی خروجہ ... اما الحسین فانہ خالف علی یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذلک الجور ولا العسف عند اظہار ہذا الخلاف"

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد دوم ص۲۳۵ طبع مصر)

الغرض حسینؑ یزید پر خروج کرنے میں خطاء عظیم کے مرتکب ہوئے کیونکہ حسینؑ نے یزید کی مخالفت ایسے وقت کی جب کہ تمام مسلمان اسکی بیعت کر چکے تھے اور اسوقت تک یزید سے کوئی ظلم و سرکشی بھی نہیں ظاہر ہوئی تھی۔

اس مولف نے اسلام کی تباہی اور اختلاف اُمت کا ذمہ دار بھی حسینؑ ہی کو قرار دیا ہے جیسا کہ کتاب مذکور

مین اپنے مقام پر موجود ہے۔ اہلسنت کا یہ وہ طبقہ ہے جو یزید کو خلیفۂ برحق اور اولیاء اللہ مین شمار کرتا ہے (وصیت کبری علامہ ابن تیمیہ صنہ ۳۰)

(ب) فرقۂ اہلسنت مین ایک ایسا طبقہ بھی ہے جو باوجود اس جرم عظیم کے یزید کو مومن سمجھتا ہے اور اُسکے متعلق کسی بری رائے کو ظاہر کرنا پسند نہین کرتا، علامہ ابن حجر مکی لکھتے ہین۔

ولا یجوز لعن یزید ولا تکفیرہ فانہ من جملۃ المومنین وامرہ الی مشیئۃ اللہ ان شاء عذبہ وان شاء عفا عنہ
(صواعق محرقہ صنہ ۱۳۳ طبع میمنیہ مصر)

یزید پر لعنت کرنا جائز نہیں ہے اور نہ اُسکی تکفیر جائز ہے اسلیے کہ وہ مومنین مین سے تھا، اسکا معاملہ اللہ کی مشیت سے متعلق ہے چاہے اُسکو بخشدے یا عذاب کرے۔

(ج) ایک گروہ فرقۂ اہلسنت کا ایسا ہے جو امام حسینؑ اور یزیدیوں دونوں کو مستحق ثواب اور حق پر سمجھتا ہے ابن خلدون اپنے مقدمہ مین لکھتے ہین۔

والحسین فیہا شہید ومثاب ہو علی حق واجتہاد والصحابۃ الذین کانوا مع یزید علی حق ایضا واجتہادوا۔
(مقدمہ ابن خلدون صنہ ۱۸۹ طبع بیروت)

حسین شہید و مثاب ہوئے اور وہ حق و اجتہاد پر تھے اور وہ اصحاب بھی جو یزید کے ساتھ تھے وہ بھی حق و اجتہاد پر تھے۔

ولا یذہب بک الغلط ان تقول بتاثیم ہولاء بمخالفۃ الحسین وقعودہم عن نصرہ فانہم اکثر الصحابہ وکانوا مع یزید
(ایضا صنہ ۱۸۱)

دیکھو کہین اس غلطی مین نہ مبتلا ہوجانا کہ حسینؑ کی مخالفت کرنے کی وجہ سے یا اُنکی مدد نہ کرنیکی وجہ سے ان لوگون کو گنہگار سمجھ لو کیونکہ ان مخالفین حسین مین زیادہ تر صحابہ تھے جو یزید کے ساتھ تھے۔

پھر کہتے ہین۔

واما غیر الحسین من الصحابۃ الذین کانوا بالحجاز ومع یزید بالشام والعراق ومن التابعین لہم فرأوا ان الخروج علی یزید وان کان فاسقا لا یجوز۔
(مقدمہ ابن خلدون طبع بیروت صنہ ۱۸۱)

لیکن حسینؑ کے علاوہ وہ اصحاب جو حجاز مین تھے اور وہ اصحاب جو یزید کیساتھ شام وعراق مین تھے اور اسیطرح تابعین بھی یہ سب کے سب وہ لوگ تھے جو یزید کو باوجود فاسق سمجھنے کے اُسپر خروج کرنا ناجائز سمجھتے تھے۔

انھین خیالات کا اظہار مورخ معاصر علی جلال الحنفی المصری نے الحسین جلد دوم صنہ ۱۶۱ طبع مصر پر کیا ہے:۔

(د) ایک گروہ اہل سنت کا وہ ہے جس مین امام غزالی اور ابن صلاح الصفدی بھی شامل ہین۔

چنانچہ غزالی کہتے ہیں۔

ان امرہ بقتلہ وسرورہ لم یثبت صدورہ عنہ من وجہ صحیح (صواعق محرقہ ص۱۳۳ مع مکیہ ابن حجر مکی ص۲۳۱ طبع مصر)

یزید کا حسینؑ کے قتل کا حکم دینا یا اُنکے قتل پر خوش ہونا صحیح طریقہ سے نہیں ثابت ہے۔

غزالی کے اس فتویٰ کو مورخ ابن خلکان نے تفصیل کیساتھ نقل کیا ہے جسکے چند جملے یہ ہیں۔

"وصح اسلامہ وما صح قتلہ الحسین ولا امرہ بہ ولا رضاہ ومن زعم ان یزید امر بقتل الحسین او رضی بہ فینبغی انہ یعلم بہ غایۃ الحماقۃ

واما الترحم علیہ فجائز بل ھو مستحب بل ھو داخل فی قولنا فی کل صلاۃ اللھم اغفر للمومنین وللمومنات"

(وفیات الاعیان جلد اول ص۳۲۸ طبع مصر)

یزید کا اسلام صحیح ہے لیکن اُسکا حسینؑ کا قتل کرنا یا حکم دینا یا اس پر راضی ہونا صحیح نہیں ہے اور جو یہ گمان کرتا ہے کہ یزید نے حسینؑ کے قتل کا حکم دیا یا وہ اس امر پر راضی تھا تو وہ اس امر کو اپنی انتہائی حماقت سے ایسا سمجھتا ہے۔

ہاں یزید کیلئے دعائے رحمت کرنا جائز ہے یہی نہیں بلکہ مستحب ہے نہ صرف مستحب بلکہ ہر نماز میں جو ہم یہ دعا کرتے ہیں وہ اسمیں داخل ہے کہ خداوندا مومنین و مومنات کو بخشدے۔

(۳) ایک گروہ ایسا بھی ہے جو یزید کو قتل حسینؑ کا ملزم قرار دیتا ہے اور اس کو مستحق لعن بھی سمجھتا ہے لیکن صرف اسی بناء پر نہیں کہ وہ قاتل حسینؑ ہے بلکہ اُسکے دوسرے اعمال قبیحہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے علامہ ابو الفرج ابن جوزی کا یہی مسلک ہے اسیطرح سبط ابن جوزی بھی ہیں جو صرف قاتل حسین ہونے کی حیثیت سے یزید کے کفر کے نہیں قائل ہیں۔ بلکہ ابن الزبعری کے اشعار کفریہ کے پڑھنے کی وجہ سے یزید کی تکفیر کے قائل ہیں جیسا کہ ابن حجر لکھتے ہیں۔

"فقالت طائفۃ انہ کافر کقول سبط ابن الجوزی وغیرہ المشہور انہ لما جاءہ راس الحسین رضی اللہ عنہ جمع اھل الشام وجعل ینکت راسہ بالخیزران وانشد ابیات ابن الزبعری "لیت اشیاخی ببدر شھدوا" الابیات المعروفۃ وزاد فیھا بیتین مشتملین علی صریح الکفر"

(صواعق محرقہ ص۱۳۱)

ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ وہ کافر تھا جیسا کہ سبط ابن جوزی وغیرہ کا قول ہے کہ مشہور ہے کہ جب امام حسینؑ کا سر یزید کے سامنے پیش کیا گیا تو اس نے بید کی چھڑی سے بے ادبی کی اور ابن الزبعری کے اشعار مشہور پڑھنے لگا "کاش ہمارے وہ بزرگ جو بدر میں قتل ہوئے آج ہوتے" اور ان اشعار کے ساتھ دو شعر اپنے بھی زیادہ کیے جنمیں صاف صاف کفر کا اقرار تھا۔

اسیطرح فقیہہ شافعی عماد الدین المعروف بالکیا الطبری بھی یزید کو صرف قاتل حسینؑ ہونے کی حیثیت سے نہیں بُرا کہتے وہ فرماتے ہیں۔

ولنا قول واحد التصریح دون التلویح وکیف لایکون کذلک وهو اللاعب بالنرد والمتصیّد بالفهود ومدمن الخمر وشعره بالخمر معلوم۔

(وفیات الاعیان جلد اول ص ۳۲۷)

اور میں تو یزید کو صراحت کے ساتھ برا کہنے کا قائل ہوں نہ کہ اشارہ وکنایہ سے اور ایسا کیوں نہ ہو، اسلیے کہ یزید شطرنج کھیلنے والا چیتوں سے شکار کرنے والا اور بدمست شرابی تھا اسکے اشعار خمریہ تو مشہور ہیں

متذکرہ بالا آراء ورجحانات کی بناپر واقعۂ کربلا کو بیان کرنے میں اہلسنت میں اختلاف ہے۔

(۱) امام غزالی وغیرہ مطلقاً تذکرۂ کربلا کو حرام قرار دیتے ہیں،

قال الغزالی وغیرہ یحرم علی الواعظ وغیرہ روایۃ مقتل الحسن والحسین وحکایۃ وماجری بین الصحابۃ من التشاجر والتخاصم فانہ یھیج علی بغض الصحابۃ والطعن فیھم وھم اعلام الدین تلقی الائمۃ الدین عنھم روایۃ ونحن تلقینا من الائمۃ درایۃ فالطاعن فیھم مطعون، طاعن فی نفسہ ودینہ۔

(صواعق محرقہ ص ۱۳۳ طبع میمنیہ مصر)

امام غزالی وغیرہ کا فتویٰ ہے کہ واعظ کیلیے حرام ہے کہ امام حسنؑ و امام حسینؑ کے واقعات قتل وشہادت کو بیان کرے یا اُن اختلافات اور جھگڑوں کا تذکرہ کرے جو صحابہ کے درمیان میں واقع ہوے کیونکہ یہ سب امور ایسے ہیں جن سے صحابہ کے بغض کیلئے یا اُن پر طعن کیلئے انسان برانگیختہ ہوتا ہے، حالانکہ وہ ایسے اعلام دین ہیں جن سے ائمہ دین روایت حاصل کرتے ہیں اور ہم ان ائمہ سے درایت کیساتھ انھیں روایات کو لیتے ہیں در اصل ان اصحاب پر طعن کرنیوالا خود مطعون ہے اور اپنے نفس و دین پر طعن کرتا ہے۔

(۲) لیکن اس کے برخلاف شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی الشافعی مطلقاً تذکرۂ واقعۂ کربلا کو حرام نہیں سمجھتے بلکہ اسکے ذکر کو مستحسن سمجھتے ہیں مگر علل واسباب پر غور کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے۔ وہ کہتے ہیں۔

والعجب ممن یقول یحرم الاشتغال بقصۃ مقتل الحسین بن علی رضی اللہ عنہ مع ان ذلک قد قصہ الملٰئکۃ للنبی صلعم ثم قصہ لاصحابہ لعدہ ووقع فی الکون من البکاء والظلمۃ ورمی النجوم لبعضھا لبعض وامطار السماء بالدم من اجل ذلک مایبھر ویبھر

تعجب ہے اُس پر جو یہ کہتا ہے کہ واقعات قتل حسین بن علیؑ کو بیان کرنا حرام ہے، حالانکہ قبل واقعۂ شہادت فرشتوں نے رسول اللہؐ سے بیان کیا، اور حضرت نے اپنے اصحاب سے بیان فرمایا، اور بعد شہادت کائنات میں گریہ وزاری سے کہرام برپا ہوا عالم میں تاریکی چھائی، ستارے آپس میں ٹکرائے آسمان سے خون کی بارش ہوئی، اور یہ سب کچھ واقعۂ شہادت سے ہوا جس سے انسان حیرت زدہ و ششدر رہے۔

لیکن چونکہ علل واسباب پر بحث کرنا ناجائز سمجھتے ہیں اسلیے ان الفاظ کیساتھ اسکے جانب متنبہ کرتے ہیں۔

"ومرادہ من منع ذلک خاص بما سطرہ الرافضۃ" لیکن ممانعت ایک خاص امر سے مقصود ہے جس پر

(ذخیرۃ المال فی شرح عقد جواہر اللآل) روافض کاربند ہیں۔

یہی مسلک شاہ عبد العزیز دہلوی صاحب سر الشہادتین کا بھی ہے اس مسلک پر چلنے والے اذکار کربلا کے ساتھ اصحاب رسول خصوصاً خلفاے ثلثہ کی مدح وثنا اور انکے واقعات قتل کا تذکرہ ضروری ولازمی سمجھتے ہیں، اور اسی چیز کو پیش نظر رکھتے ہوئے حالات کربلا پر کتابیں تالیف کرتے ہیں۔

چونکہ ہمارے ناظم ادارۂ تحریر کا مسلک بین الاقوامی ہے، اسلیے وہ بین الاقوامی کتاب بھی لکھنا چاہتے تھے، اس لیے موصوف کے لیے سب سے پہلے کتاب مذکور کا بین الاسلامی بنانا ضروری تھا، چنانچہ پیش نظر کتاب اسی نقطہ نظر کی بنا پر لکھی گئی، موصوف کا اس امر میں کوئی اور معین نہیں ہوسکتا تھا اس لئے تن تنہا اس کتاب کو مرتب ومدون فرمایا اور وہ بھی ایسی کامیابی کے ساتھ کہ۔

عہد شیخین کو کامیاب دور بتلایا، خلیفہ سوم کو اسلامی حکومت کا سلم الثبوت فرمانروا اور عظیم المرتبت خلیفۃ المسلمین قرار دیکر انکے واقعۂ قتل کو عبرت انگیز اور مظلومانہ انداز میں پیش کیا گیا اور انکے مخالفین کو جنمیں بڑے بڑے قابل احترام اصحاب رسول جیسے ابوذر غفاری، عمار، ابومسعود وغیرہم ہیں قابل الزام قرار دیا گیا، اگرچہ ان حضرات کا نام نہیں لیا اسیطرح محمد بن ابوبکر اور مالک اشتر کیلئے بغاوت کا اثبات کیا گیا، کربلا کے علل واسباب کے تذکرہ میں خلفاء کے دامن کو صاف بچایا، کربلا کی جنگ کو خانہ جنگی کا نتیجہ بتلایا گیا، ذکر حسین کیساتھ خلفاء کی مدح وثنا کیگئی اور حضرت کی شان عصمت کو نظر انداز کرتے ہوئے آپکی سیرت کو معمولی انسانوں کی زندگی کی طرح پیش کیا گیا۔ یہ تو بین الاسلامی کامیابی ہوگئی۔ بین الاقوامی کامیابی کا ثبوت یہ ہے کہ

معاذ اللہ رسول کی دیوانگی کا فی الجملہ اثبات کیا گیا، اور نبوت کو بنی ہاشم کی حصول حکومت کا ذریعہ بتلایا گیا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے کہ "محمد مصطفیؐ بھی اُٹھے تو بنی ہاشم ہی کے یہاں سے یہ آخری بڑی چوٹ تھی جسے بنی اُمیہ آسانی سے سہہ سکتے تھے" (شہید انسانیت ص ۱۲۵) اور اسکی تائید شبلی کے حوالہ سے اسیطرح کی گئی۔

"مولانا شبلی سیرۃ النبی جلد اول ص ۱۵۸ پر لکھتے ہیں کہ "آنحضرتؐ کی نبوت کو خاندان بنی اُمیہ اپنے رقیب ہاشم کی فتح خیال کرتا تھا اس لیے سب سے زیادہ اسی قبیلہ نے آنحضرتؐ کی مخالفت کی،" حقیقۃً اب اسکا موقع نہیں رہ گیا تھا کہ بنی اُمیہ خاموشی سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہیں اور بنی ہاشم کو عزت کے ساتھ ترقی کی روشن منزل میں قدم رکھتے ہوئے دیکھیں اور خود اپنے کو وقار وعزت کی مسندوں سے برطرف پائیں ان کا دنیادی اقتدار عرب میں اُن کا سیاسی اثر اور اُن کے تمام ذاتی اغراض اس وقت خطرہ میں تھے اور اسلیے انھوں نے شدید مخالفت کا محاذ اسلام کے خلاف قائم کردیا اور اس نئے مذہب کی

[illegible]

ترویج و اشاعت مین روڑے اٹکانے لگے" (شہید انسانیت ص ۱۲۹)

الغرض مندرجہ بالا مزعومات باطلہ تو وہ ہین جسین ناظم ادارۂ تحریر اور اُنکے مخصوص ہم خیال رفقا برابر کے شریک و سہیم ہین، اب مولانا کے مخصوص تحقیقات و اکتشافات، و رانداز تحریر و استدلال کو ملاحظہ فرمائیے۔

(۱) شہید انسانیت کے ص ۵ پر ناظم ادارہ تحریر فرماتے ہین کہ

"اس بڑے حادثہ (یعنی ارتحال سرور کائنات) نے مسلمانون کے نظام مین ابتری پیدا کی بہت سے لوگ مختلف اطراف مین جو اس موقع کے منتظر تھے اُنھون نے سر اونچا کیا اور اسلام کے خلاف بغاوت کا علم بلند کیا کچھ آدمیون نے نبوت کا دعوی کیا، کچھ لوگون نے زکوٰۃ دینا بند کر دی، مسلمان ان شورشون کے دبانے مین لگ گئے اور بہت مشکلون سے کامیاب ہوئے"۔

سوال یہ ہے کہ وفات رسولؐ کے بعد مسلمانون کے نظام مین رخنہ پڑ جانے کا کیا سبب ہوا؟ کیا حضرت ابوبکر کا بتکلف قمیص خلافت زیب تن کرنا اصل سبب تو نہین ہے؟

رہا یہ امر کہ کچھ لوگون نے نبوت کا دعوی کیا، تو اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ کذابین نے دعوی نبوت حیات رسول ہی مین کیا تھا نہ کہ حادثۂ وفات کے بعد، تاریخ کی کتابین موجود ہین ملاحظہ کیجاوین،

رہے مانعین زکوٰۃ جنکو آپ باغی و شورش پسند بتلا رہے ہین، وہ دراصل اسلامی نظام مین ابتری پیدا کرنے والے نہ تھے بلکہ منصب خلافت کا اپنے مرکز سے ہٹ جانے کیوجہ سے جو فطری ابتری نظام اسلام مین واقع ہوگئی تھی یہ لوگ اُسکو درست کرنے والے تھے، یہ خالص قبائل عرب کے ایسے مسلمان تھے جنکی صحیح پوزیشن حکومت جابرہ کے مقابلہ مین یہ تھی "یقرؤن الصلوٰۃ و یمنعون الزکوٰۃ" نماز ین پڑھتے تھے لیکن حکومت کو ناجائز سمجھنے کیوجہ سے زکوٰۃ نہین دیتے تھے (الطبری جلد ۴ ص ۱۸۷ طبع جرمن) اُن لوگون کا قول یہ تھا،

اطعنا رسول اللہ ما کان بیننا   فیال عباد اللہ ما لأبی بکر

ایورثنا بکرا اذا مات بعدہٗ   وتلک لعمر اللہ قاصمۃ الظہر

جب تک رسول ہمارے درمیان مین تھے ہم نے اُن کی اطاعت کی، اے بندگان خدا، یہ ابوبکر کو کیا ہوگیا ہو ہم ان کی اطاعت کیون کرین، بتاؤ تو سہی وہ اس حکومت اسلامیہ کو اپنی اولاد کی میراث مین دیجاوین گے، بخدا یہ اندھیر تو انصاف پسند لوگون کی پشت کو توڑنے والا ہے (الطبری جلد ۴ ص ۱۸۷۵ طبع جرمن) یہ قبائل

صاف صاف کہہ رہے تھے،

"لا نبایع ابا الفصیل ابداً"، (الطبری جلد ۴ صفحات ۱۸۸۶، ۱۸۹۰) ہم اس شتر بچہ کے باپ کی (کنایہ از ابوبکر) بیعت ہرگز نہ کرینگے، اس انکار کے بعد اُن لوگون نے حکومت کے خلاف کوئی جارحانہ اقدام نہین کیا تھا بلکہ یہ لوگ پُرامن طریقہ سے اپنے مساکن مین زندگی گذار رہے تھے کہ دفعۃً بغیر کسی اطلاع کے انکے تاخت وتاراج کے لیے خلیفہ کی فوج چڑھ دوڑی کہ وہ ہکا بکا رہ گئے، خلیفہ نے صاف الفاظ مین یہ حکم دیدیا تھا کہ دیکھو ان مین سے کوئی نہ بچے، بری طرح قتل کرنا، آگ مین جلا کر ہلاک کرنا اور اُن کی عورتون اور بچون کو قید کر لینا "وان یحرقھم بالنار ویقتلھم کل قتلۃ وان یسبی النساء والذراری"، "فشنّوا الغارۃ فاقتلوا واحرقوا"، (الطبری جلد ۴ صفحات ۱۸۸۳، ۱۸۸۴ طبع جرمن، تاریخ خمیس جلد ۲ صفحات ۲۲۸، ۲۳۳) پھر کیا تھا خلیفہ کی فوج اُن کے امن گاہون مین ٹوٹ پڑی، یہ بیچارے اپنے کلمہ گو ہونے کا یقین دلاتے ہی رہے لیکن مجاہدین نے کچھ نہ سُنا بلکہ ان مین سے کسی کو قتل کر دیا۔ کسی کو آگ مین زندہ جلا دیا اور کسی کو اعضاء وجوارح کاٹ کر مار ڈالا، مورخ طبری لکھتا ہے،

فاحرقھم بالنیران، ورضخھم بالحجارۃ، ورمی بھم من الجبال ونکسھم فی الابار وخرق بالنبال، (طبری جلد ۴ ص ۱۹۰۰)

فمنھم من احرق ومنھم من قمطہ ورضخہ بالحجارۃ ومنھم من رمی بہ من رؤس الجبال، (طبری جلد ۴ ص ۱۹۰۱)

کچھ لوگون کو زندہ آگ مین جلا دیا گیا، کچھ لوگون کو باندھ کر پتھرون سے کچل کر مار ڈالا، اور کچھ لوگون کو پہاڑ کی بلندی سے ڈھکیل کر ہلاک کیا، اور کچھ لوگون کو کنوؤن مین اُلٹا لٹکا کر موت کے گھاٹ اُتارا اور کچھ لوگون کو نشانۂ تیر بنا کر موت کا مزہ چکھایا۔

غرضکہ مختلف طریقون سے لوگ ہلاک کیے گئے، ان مین بکثرت ایسے لوگ بھی رہے ہونگے جنکو صحابیت کا شرف بھی حاصل رہا ہوگا ورنہ غریب مالک بن نویرہ کی صحابیت تو تسلیم ہی ہے اس بیچارے کے ساتھ یہ سلوک کیا گیا کہ ان کے اذان دینے اور نماز پڑھنے کے باوجود یہ مع اپنے تمام مسلمان ساتھیون کے بری طرح قتل کیے گئے، قتل کے بعد اُنکے سرون کا چولھا بنایا گیا جسپر دیگچیاں رکھ کر "رحم دل" قاتلوں نے اپنے لیے کھانا پکایا، سب کے سرون کی جلدیں آگ میں جل گئیں مگر مالک کے سر پر اتنے بال تھے کہ اُنکے سر کی کھال بال کی زیادتی سے جلنے سے محفوظ رہی (الطبری جلد ۴ صفحات ۱۹۲۵، ۱۹۲۸ طبع جرمن) اور اُسی شب کو اسلامی دنیا کے مجاہد اعظم خالد نے مالک کی ستم رسیدہ لیکن خوبصورت بیوہ کے ساتھ بہ جبر ہمبستری کی، "دو قتل مالک بن نویرہ"

فتزوج امرأته ام متمم من ليلته وكانت جميلة" (تاریخ خمیس علامہ دیار بکری جلد دوم صـ۲۳۳)

ایک طرف تو یہ اندھیر تھا لیکن دوسری طرف اقراری کافر و مرتدین کی جاں بخشی کی جا رہی تھی، نہ صرف جاں بخشی بلکہ وہ خاص عنائت و نوازش کے مورد قرار دیئے گئے، مورخ طبری لکھتا ہے۔

حدثنی محمد بن اسحاق عن محمد بن طلحہ بن یزید بن رکانہ عن عبید اللہ بن عبد اللہ بن عتبہ قال اخبرنی من نظر الی عیینہ بن حصن مجموعة یداہ الی عنقہ بحبل ینخسہ غلمان المدینة بالجرید، یقولون ای عدو اللہ أکفرت بعد ایمانک فیقول واللہ ما کنت آمنت باللہ قط، فتجاوز عنہ ابوبکر وحقن لہ دمہ،

(الطبری جلد ۴ صـ۱۸۹۷ طبع جرمن)

مجھ سے محمد بن اسحق نے بیان کیا کہ انھوں نے محمد بن طلحہ سے سنا کہ انہے عبید اللہ بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ خود انہے ایسے لوگوں نے بیان کیا جنھوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا کہ عیینہ بن حصن گرفتار کر کے مدینہ لایا گیا اُسکے دونوں ہاتھ ایک رسی بن پشت گردن سے بندھے تھے اور مدینہ کے لڑکے چھڑیوں سے اسکو چھیڑتے جاتے تھے اور یہ کہتے تھے کہ اے دشمنِ خدا ایمان لانے کے بعد کافر ہو گیا، اسکے جواب میں عیینہ اُن لوگوں سے یہ کہتا تھا "خدا کی قسم میں کبھی بھی ایمان نہیں لایا تھا"، لیکن حضرت ابوبکر نے اس اقراری کافر کو معاف کر دیا اور اُس کے خون سے درگذر ے۔

اشعث بن قیس کندی مرتد کے ساتھ جو نوازش کی گئی اُسکو علامہ میدانی کی زبانی سنیئے۔

نہ ارتد فی جملة اهل الردة فاتی بہ ابوبکر رضی اللہ عنہ اسیراً فاطلقہ وزوجہ اختہ، فروہ بنت ابی قحافہ رغبة منہ فی شرفہ فخرج من عند ابی بکر ودخل السوق فاخترط سیفہ ثم لم تلقہ ذات الاربع الا عقرھا من بعیر وفرس وبقر"

(مجمع الامثال علامہ میدانی جلد دوم صـ۲۲۴ طبع مصر)

منجملہ مرتدین کے اشعث بن قیس تھا جب حضرت ابوبکر کے سامنے گرفتار کر کے لایا گیا، تو آپ نے اس مرتد کو آزاد کر دیا اور بخیال شرف و افتخار اپنی بہن فروہ بنت ابو قحافہ کا نکاح اُسکے ساتھ کر دیا خلیفۂ وقت کے بہنوئی بننے کے بعد اشعث بازار میں داخل ہوا اور اونٹ، گھوڑا، گائے، بیل جو چوپایہ بھی اُسکو ملا اپنی تلوار سے اُن سبکو پے کر ڈالا گویا اس طریقہ سے اُسنے رسم ولیمہ کو ادا کیا،

اسی کے متعلق شاعر عرب اصبغ بن حرملة اللیثی کہتا ہے،

اتیت بکندی قد ارتد وانتھی الی غایة من نکث میثاقہ کفرا

فکان ثواب النکث احیاء نفسہ وکان ثواب الکفر تزویجہ البکرا

(مجمع الامثال علامہ میدانی جلد دوم صـ۲۲۴)

ظاہر ہے کہ جو ان مظالم کو سراہ سکتا ہے وہ کتاب شہید انسانیت کے تالیف میں کیونکر کامیاب ہوسکتا ہو یہی وجہ ہے کہ جگہ جگہ پر ٹھوکریں کھائی ہیں۔

(۲) صفحہ ۵ پر متذکرہ بالا جملوں کے بعد ہی یہ تحریر کیا گیا ہے کہ "اسی زمانہ میں روم اور فارس کے بڑے ممالک سے مسلمانوں کو جنگ درپیش ہوگئی"

اس جملے سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ رومی و ایرانی طاقتوں سے مقابلہ کرنے میں شیخین نے خود سے اقدام نہیں کیا بلکہ دفاعی صورت میں جنگ کرنے پر مجبور ہوئے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ مملکت روم و ایران کے حرص و آز میں یہ لڑائیاں ہوئیں جنکو پیغمبر اسلام کے جہاد سے کوئی مشابہت نہیں ہے علاوہ اسکے مسلمانوں کو روم و ایران کی بیرونی لڑائیوں میں اسلیے بھی الجھادیا گیا کہ اندرونی اختلافات کو اسکے ذریعہ سے ختم کیا جاسکے چنانچہ مصر حاضر کا مشہور مورخ دکتور حسن ابراہیم حسن (پی ایچ ڈی، ڈی لٹ (لندن)، ایف، آر، اے، ایس ایف، ار، ایس، اے پروفیسر تاریخ جامعۂ مصر اپنی کتاب "تاریخ الاسلامی السیاسی" میں لکھتے ہیں۔

"ومما یدل علی حسن سیاسۃ ابی بکر و بعد نظرہٖ	اور وہ امر جو حضرت ابوبکر کی خوبی سیاست و دور بینی پر دلالت
انہ شغل بالحروب الخارجیۃ	کرتا ہے وہ کہ موصوف نے عربوں کو بیرونی جنگوں میں الجھادیا
ولو لم یوجہ فی ھذا السبیل لکان مثار	اور اگر کہیں وہ ان لوگوں کو اس راستہ پہ نہ لگاتے تو اندرونی
اختلافات و فتن داخلیۃ تقوض صرح الدولۃ	فتنہ و فساد اور آپس کے جھگڑے و خانہ جنگیاں حکومت کی عمارت کو
وتفصم عری وحدتھا (ص ۲۷ طبع مصر)	ڈھادیتیں اور اُن کا اتفاق ختم ہوجاتا۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مسلمانوں کے فتوحات کا دائرہ کس بنا پر وسیع کیا گیا تھا، اور اس کے اندر کس قسم کی سیاسی مصلحت کار فرما تھی،

(۳) متذکرہ فقرہ کے بعد ہی (یعنی روم و شام سے جنگ درپیش ہوگئی) صفحہ ۵ پر پھر ارشاد ہوتا ہے۔
"یہی پر آشوب اور انقلابی دور وہ تھا جس کے سیاسی حالات سے فائدہ اُٹھا کر بنی اُمیہ کو دمشق میں اپنی حکومت قائم کرا لینے کا موقع ملگیا"

یعنی اسکا مطلب یہ ہے کہ شیخین نے بنی اُمیہ کے اقتدار کو خود سے نہیں بڑھایا جسکی وضاحت صفحہ ۱۴ پر ان الفاظ کے ساتھ کی گئی ہے۔

"جب ادھر سے مایوسی (یعنی ابوسفیان کو حضرت علیؑ کے بھڑکانے میں) تب اُنھوں نے چولا بدلا اور

اُدھر جاکر ملے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اس ملنے کی حقیقت کا آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ ذمہ دار افراد (یعنی ابوبکر وعمر) غالباً اس واقعہ پر مطلع نہیں تھے اس لیے اُنھیں اپنی روش میں کامیابی ہوئی"۔

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اُمیہ کو شیخین نے کسی سیاسی غرض سے اپنا شریک نہیں کیا تھا بلکہ حضرت ابوبکر وحضرت عمر کو اس کا علم بھی نہ تھا کہ اموی سردار (ابوسفیان) علیؑ کو شیخین سے جنگ کرنے کے لیے اُبھار رہا ہے، اور جب اُس نے یہ دیکھا کہ حضرت علیؑ اُس کے دام فریب میں نہیں مبتلا ہوئے تو وہ خلفاء سے آکر مل گیا۔ حالانکہ یہ امر تاریخی حقیقت کے بالکل خلاف ہے، حضرت ابوبکر وعمر نے بنی امیہ کو دولت وحکومت دیکر اپنا ہمنوا بنایا ہے، مورخین کا بیان ہے کہ جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو اس وقت اتفاق سے بنی اُمیہ کا سردار ابوسفیان مدینہ میں موجود نہ تھا چونکہ محصل زکوۃ تھا اسلیے باہر گیا ہوا تھا، واپس ہو رہے ہوئے راہ میں کسی سے وفات رسول کی خبر معلوم ہوئی دریافت کرنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر خلیفہ ہوئے ہیں، ابوسفیان کو حیرت ہوئی پوچھا کہ علیؑ اور عباس کیا کر رہے ہیں جواب دیا کہ خاموش بیٹھے ہیں، یہ سنکر کہا کہ خدا کی قسم اگر میں ان کی مدد کے لیے زندہ رہا تو میں اُن کی ضرور مدد کرونگا، پھر کہنے لگا میں ایک غبار دیکھتا ہوں جسکو سوائے خون کے کوئی بجھا نہیں سکتا۔ اسکے بعد جب یہ مدینہ پہونچا تو تمام گلی کوچوں میں گشت لگانا شروع کیا اور یہ اشعار بھی پڑھتا پھرتا تھا۔

بنی ھاشم لا تطمع الناس فیکم ولا سیما تیم بن مرۃ او عدی

فما الامر الا فیکم والیکم ولیس لھا الا ابو حسن علی

اے بنی ہاشم تمھاری موجودگی میں کسی کو امر خلافت میں حریص نہ ہونا چاہئے تھا خصوصاً بنی تیم اور بنی عدی (ابوبکر وعمر) کو پس خلافت تمھارے لیے ہے اور تم خلافت کے لیے ہو اور اس خلافت کے لیے سوائے علیؑ کے کوئی زیبا نہیں ہے۔ ان حالات کو دیکھکر حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے کہا کہ ابوسفیان آگیا یہ بڑا فسادی اور شریر آدمی ہے، رسولخدا بھی اس کی تالیف کیا کرتے تھے مناسب یہ ہے کہ اسکے پاس جو کچھ صدقات وزکوۃ کا مال ہو اسکو ابوسفیان ہی کے لیے چھوڑ دو، ابوبکر نے ایسا ہی کیا، پھر کیا تھا، ابوسفیان راضی ہو گیا اور بیعت کر لی۔

(ملاحظہ ہو عقد الفرید ابن عبد ربہ جلد دوم صفحہ ۲۴۹ طبع مصر و شرح ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۱۳۰ طبع مصر)

یہ تو روپیہ کی رشوت تھی جو دربار خلافت سے ابوسفیان کو ملانے کے لیے دی گئی، بعد میں اسی مصلحت سے حکومت بھی عطا کی گئی، تاریخ روضۃ الصفا میں ہے۔

صدیق و فاروق را معلوم شد کہ ابوسفیان داعیہ مخالفت دارد پسر او را یزید
بامارت شام نوید دادند ابوسفیان کہ این معلوم کرد ترک منازعت و مخالفت نمودہ
مطیع و منقاد گشت،، (روضۃ الصفا جلد دوم ص۲۲۳ طبع نولکشور)

ظاہر ہے کہ ابوسفیان اور بنی اُمیہ کی اسلام دشمنی سے اُس عہد کا بچہ بچہ واقف تھا آخر ایسے دشمنان اسلام کو "فوج و ملک" کیوں بخشا اور آخر کار خلیفۂ ثانی نے مرتے وقت ایسی سیاست برتی کہ حکومت اسلامیہ کے تنہا وارث بنی اُمیہ ہو گئے، پھر کیا تھا بنی اُمیہ کو اس کا موقع مل گیا کہ دین اسلام کو مسخ کر کے عہد جاہلیت و زمانۂ کفر کو واپس لائیں، یہ دوسری بات ہے کہ حسینؑ نے اُنکے ارادوں کو پورا ہونے نہیں دیا اور اسلام کو تباہ ہونے سے بچا لیا۔

(۴) افسوس کہ کتاب شہید انسانیت بجائے اسکے کہ حقائق کو ظاہر کرے، اُنپر اور پردے ڈال رہی ہے صرف ایسے ہی امور کو اس میں نہیں درج کیا گیا ہے بلکہ جو حقیقتیں ظاہر ہیں اُن کو بھی چھپانے کی کوشش کی گئی ہے، چنانچہ محققین فریقین کے مختار کے خلاف صفحہ ۸۰ پر تحریر کیا ہے۔

"معاویہ کے بیٹے یزید نے اشعث بن قیس کی بیٹی جعدہ کے ساتھ جو حضرت امام حسنؑ کی زوجیت میں تھی ساز و باز کر کے ایک لاکھ درہم انعام کا وعدہ کیا اور اسکے ذریعہ سے حضرتؑ کو زہر دلوا دیا،،

اہل علم واقف ہیں کہ یزید کا براہ راست (بغیر معاویہ کے علم و تحریک کے) امام حسنؑ کو زہر دلوانا درایت کے اعتبار سے قابل تسلیم نہیں ہے معاویہ کی زندگی میں یزید عملی سیاست سے بالکل الگ رہا ہے وہ عیش و نشاط اور لہو و لعب کی زندگی بسر کرنا جانتا تھا، اُس کی طبیعت کا خاصہ تھا کہ وہ اپنے افعال ناشائستہ کو بھی نہیں چھپا سکتا تھا بلکہ دن دہاڑے شراب و ساقی، نغمہ و مطرب کے ساتھ مصروف رہا کرتا تھا جسکی وجہ سے ایک مرتبہ معاویہ کے سے تجربہ کار و شفیق باپ نے یہ نصیحت کی تھی کہ وہ ان امور قبیحہ کو پردۂ شب میں چھپ چھپا کر کیا کرے،

فانما اللیل نھار للادیب، کیونکہ ہوشمند کے لیے رات ہی دن ہے (حدیقۃ الافراح لاحمد بن محمد الانصاری الیمنی الشروانی ص۳۳۲ طبع کلکتہ)

ہاں بدکرداریوں کو چھپانا، خاموشی کے ساتھ جوڑ توڑ کرنا، اپنے مخالفین کو زہر دغا سے موت کی نیند سلا دینا یہ معاویہ کا خاص کیرکٹر ہے، جسکا اقرار تمام مورخین نے کیا ہے علامہ ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب

عیون الانبار فی طبقات الاطباء میں بضمن حال ابن آثال طبیب رومی نصرانی طبیب خاص معاویہ اس کی تشریح خصوصیت سے کی ہے کہ معاویہ اپنے ہر مخالف کو برابر زہر دلوایا کرتا تھا مورخ مذکور لکھتا ہے

وکان ابن اثال خبیرا بالادویۃ المفردۃ والمرکبۃ وقواھا ومنھا سموم قواتل وکان معاویہ یقربہ لذلک کثیراً ومات فی ایام معاویہ جماعۃ کثیرۃ من اکابر الناس والامراء من المسلمین

(عیون الانباء طبع اول ص ۱۱۷)

ابن آثال مفرد اور مرکب دواؤں کا ماہر اور ان کے اثرات و قوتوں کا جاننے والا تھا، اور ہلاک کر دینے والے مختلف قسم کے زہروں سے بھی واقف تھا، اسی وجہ سے معاویہ اس کی بڑی قدر و منزلت کرتا تھا، معاویہ کے عہد میں اکابرین اسلام اور امراء کی ایک بڑی جماعت تھی جو اسکے زہر سے ہلاک ہوئے۔

اسکے بعد ابن ابی اصیبعہ نے ان لوگوں کا تذکرہ کیا ہے جنکو معاویہ نے ابن آثال کے تیار کردہ زہر سے قتل کرایا ہے مثلاً عبدالرحمن بن خالد بن ولید، مالک اشتر وغیرہما ص ۱۱۷ پھر علامہ مذکور امام حسن علیہ السلام کے متعلق لکھتے ہیں۔

وفی تاریخ الطبری ان الحسن بن علی رضی اللہ عنھما مات مسموماً فی ایام معاویہ وکان عند معاویہ کما قیل دھاء فدس الی جعدۃ بنت الاشعث بن قیس وکانت زوجۃ الحسن رضی اللہ عنہ شربۃ وقال لھا ان قتلت الحسن زوجتک یزید فلما توفی الحسن بعثت الی معاویہ تطلب قولہ فقال لھا فی الجواب انا اضن بیزید،

تاریخ طبری میں ہے کہ عہد معاویہ میں امام حسنؑ زہر سے شہید ہوئے معاویہ نے جعدہ بنت اشعث زوجۂ امام حسنؑ سے ساز باز کر کے امام حسنؑ کو زہر پلا دیا اور اس سے یہ وعدہ کیا تھا کہ اگر تو امام حسنؑ کو قتل کر دے گی تو تیرا نکاح یزید سے کر دوں گا، جب امام حسن شہید ہو گئے جعدہ نے معاویہ سے وعدہ پورا کرنے کو کہلا بھیجا۔ اس کے جواب میں کہا کہ میں یزید کے لیے ڈرتا ہوں۔

اعیون الانبار فی طبقات الاطباء ص ۱۱۸ طبع اول مطبع وہبیہ ۱۲۹۹ھ ۱۸۸۲ء

اسکے علاوہ معتبر مورخین اس کی گواہی دے رہے ہیں کہ معاویہ ہی کی سازش سے امام حسنؑ کو زہر دیا گیا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے۔

ان امرأتہ جعدۃ بنت الاشعث بن قیس الکندی سقتہ السم وقد کان معاویہ دس الیھا انک ان

امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ بنت اشعث نے حضرت کو زہر دیا اس بنا پر کہ معاویہ نے خفیہ طور سے جعدہ سے کہلا بھیجا تھا کہ اگر

احتلت فی قتل الحسن وجهت الیاک بمائۃ الف درھم وزوجتک یزید فکان ذلک الذی بعثہا علی سمہ فلما مات وفی لہا معاویہ بالمال وارسل الیہا انا نحب حیاۃ یزید ولولا ذلک لوفینا لک بتزویجہ

امام حسنؑ کے قتل کردینے پر تیرا حیلہ کارگر ہوجاوے تو میں تجھے ایک لاکھ درم دونگا اور تیرا نکاح بھی یزید کیساتھ کردونگا اسی لیے جعدہ نے حضرت کو زہر سے شہید کیا امام حسنؑ کی شہادت کے بعد معاویہ نے ایک لاکھ نقد تو جعدہ کے پاس بھیجدیا لیکن دوسری شرط سے اس جواب کیساتھ نکل گیا کہ میں یزید کی زندگی کو دوست رکھتا ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو میں تیرا نکاح یزید کے ساتھ ضرور کردیتا،،

(تاریخ مروج الذہب لمورخ المسعودی جلد دوم ص۳۰ طبع اول مطبوعہ ازہریہ مصر، ونسخہ مطبوعہ پیرس جلد ۵ ص۳)

مورخ مطہر بن طاہر المقدسی اپنی کتاب البدء والتاریخ،، میں لکھتے ہیں۔

ان معاویۃ بن ابوسفیان دس الی جعدہ بنت الاشعث بن قیس بان تسم الحسن و یزوجہا یزید فسمتہ وقتلتہ فقال لہا معاویۃ ان یزید منا بمکان وکیف یصلح لہ من لامن رسول اللہ وعوضہا مائۃ الف درھم،،

معاویہ نے جعدہ بنت اشعث بن قیس سے خفیہ سازش کی کہ اگر وہ امام حسنؑ کو زہر دیکر شہید کردے تو وہ اُسکا نکاح یزید کیساتھ کردیگا جب جعدہ نے معاویہ کے اغوا پر حضرت کو زہر دغا سے شہید کردیا تو معاویہ نے ایک لاکھ درم دیکر جعدہ سے کہا کہ یزید ہمیں عزیز ہے کیسے گوارا کیا جاسکتا ہے کہ جو فرزند رسولؐ کے لیے ہو وہی اس کے لیے ہو۔

(کتاب البدء والتاریخ جلد ۶ ص۵ طبع پیرس سنہ ۱۹۱۶ء)

مورخ ابوالفرج الاموی صاحب مقاتل الطالبین لکھتا ہے،

وانصرف الحسن الی المدینۃ فاقام بہا واراد معویہ البیعۃ لابنہ یزید فلم یکن شئ اثقل علیہ من امر الحسن بن علی وسعد بن ابی وقاص فدس الیہما فیہما تا،

امام حسنؑ مدینہ واپس تشریف لیگئے اور وہیں قیام فرمایا لیکن جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کا ارادہ کیا تو اسوقت اُسکے اوپر امام حسنؑ اور سعد بن ابی وقاص سے زیادہ اور کوئی گراں و دشوار نہ تھا اسلیے معاویہ نے ان دونوں کو خفیہ زہر دلوا کر مار ڈالا،

مسند احمد بن عبید اللہ بن عمار قال حدثنا جریر بن مغیرہ قال ارسل معاویہ الی ابنۃ الاشعث انی مزوجک بیزید ابنی علی ان تسم الحسن بن علی وبعث الیہا بمائۃ الف درھم فسوغہا المال ولم یزوجہا،،

بسلسلۂ اسناد ابن مغیرہ سے منقول ہو کہ معاویہ نے دختر اشعث سے یہ کہلا بھیجا کہ اگر تو امام حسنؑ کو زہر دیدے تو میں تیرا نکاح اپنے بیٹے یزید سے کردونگا اور اس کے علاوہ ایک لاکھ درم بھی بھیجے، لیکن جب اُس نے حضرت کو زہر دیدیا تو تزویج سے انکار کیا،

(مقاتل الطالبین ص۵۱ طبع نجف شرح ابن ابی الحدید جلد ۴ ص۷ طبع مصر)

مسعودی[1] و مقدسی[2] اور ابو الفرج[3] اموی کے علاوہ مورخ ابو الفداء[4] نے اپنی تاریخ کتاب المختصر فی اخبار البشر (جلد اول ص۱۸۳ طبع حسینیہ مصر) میں، مورخ ابن ابی اصیبعہ[5] نے عیون الانباء فی طبقات الاطباء بضمن حال ابن آثال (جلد اول ص۱۱۸ طبع اول) میں، مورخ جمال الدین[6] محدث نے اپنی تاریخ روضۃ الاحباب جلد سوم میں، مورخ عمر[7] بن الوردی نے اپنی تاریخ تتمۃ المختصر (جلد اول ص۱۶۲) میں، مورخ محمد بن خاوند شاہ[8] نے روضۃ الصفا (جلد سوم ص۶ طبع نولکشور) میں، مورخ حمد اللہ[9] المستوفی نے اپنی تاریخ گزیدہ (جلد اول ص۲۰۲، ۲۰۱ طبع لندن سنہ ۱۹۱۰ء) میں اور انکے علاوہ دوسرے مورخین نے بھی یہ صاف صاف لکھا ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ کو جعدہ کے ذریعہ سے زہر دلوایا لیکن بعض تاریخیں ایسی بھی ہیں جن میں جعدہ کا تذکرہ نہیں ہے مگر یہ تشریح کی گئی ہے کہ معاویہ ہی نے حضرت کو زہر دلوایا! چنانچہ مورخ ابن عساکر[10] الشافعی و مورخ ابن کثیر[11] الدمشقی نے لکھا ہے

"وان معاویۃ قد تلطف لبعض خدمہ ان یسقیہ سمّا فسقاہ فاثر فیہ حتی کان یوضع تحتہ طست و یرفع نحوا من اربعین مرۃ"

معاویہ اپنے بعض خدمتگاروں کیساتھ لطف سے پیش آیا اس غرض سے کہ وہ امام حسن کو زہر دیدے، پس اُسنے معاویہ کے حسب منشاء امام کو زہر دیا اور زہر نے حضرت پر اثر کیا یہانتک کہ حضرت کیساتھ چالیس تبہ طشت رکھا گیا

(تہذیب تاریخ الکبیر ابن عساکر الشافعی جلد چہارم ص۲۲۶ مطبوعہ روضۃ الشام سنہ ۱۳۲۹ تاریخ ابن کثیر البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۴۳ طبع سعادت مصر)

مورخ ابن کثیر نے اس روایت کے متعلق کہ یزید نے زہر دلوایا یہ صاف لکھا ہے "وعندی ہذا لیس بصحیح" لیکن میرے نزدیک یہ صحیح نہیں ہے

مورخین ہی نے نہیں بلکہ محدثین اہلسنت نے بھی اسکی توضیح کی ہے کہ معاویہ نے حضرت کو زہر دلوایا تھا علامہ ابن عبد البر[12] استیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھتے ہیں،

"سم الحسن بن علی رضی اللہ عنہما سمتہ امراتہ جعدہ بنت الاشعث بن قیس الکندی وقالت طائفۃ کان ذلک منہا بدسیس معاویۃ الیہا"، (استیعاب جلد اول ص۱۴۱ طبع حیدرآباد)

امام حسنؑ کی زوجہ جعدہ نے حضرت کو زہر دیا ایک گروہ کا قول ہے کہ معویہ نے جعدہ سے خفیہ سازش کر کے امام حسنؑ کو زہر دلوایا،

علامہ سبط ابن الجوزی[13] لکھتے ہیں،

"وقال الشعبی انما دس الیہا معویۃ فقال سُمّی الحسن و ازوجک یزید و اعطیک مائۃ الف درھم فلما مات الحسن بعثت الی معاویۃ تطلب انجاز الوعد فبعث الیہا بالمال وقال انی احب یزید وارجو حیاتہ ولولا ذلک لزوجتک ایاہ"،

شعبیؒ کہتے ہیں کہ معاویہ نے جعدہ سے خفیہ سازش کر کے یہ کہا کہ اگر تو امام حسنؑ کو زہر دیدے تو میں تیرا نکاح یزید سے کر دونگا اور ایک لاکھ درہم بھی دونگا، جب امام زہر دغا سے شہید ہو گیے تو جعدہ نے معاویہ سے وعدہ کو پورا کرنے کیلئے کہلا بھیجا اسکے جواب میں معاویہ نے موعودہ رقم تو بھیجدی اور یہ کہتے ہوئے امر نکاح سے

وقال ابن سعد فی الطبقات سمّہ معٰویۃ مراراً

(تذکرہ خواص الامہ ص۱۲۱)

انکار کر دیا کہ میں یزید اور اُسکی زندگی کو دوست رکھتا ہوں اگر ایسا نہ ہوتا تو بیشک نکاح کر دیتا۔ محدث ابن سعد[14] اپنی کتاب طبقات کبیر میں لکھتے ہیں کہ امام حسن کو معاویہ نے کئی مرتبہ زہر دیا)

اسیطرح ربیع الابرار علامہ زمخشری، نزل الابرار و مفتاح النجا مرزا محمد بدخشانی[16]، روایح المصطفیٰ صدر الدین[17] البوہاری (ص۳۹) اور شواہد النبوت ملا عبد الرحمن جامی (ص۲۳۰ طبع نولکشور ۱۸۷۶ء) وغیر ذالک میں بھی یہ مرقوم ہے کہ

"مشہور آنست کہ دیرا خاتون وے جعدہ زہر دادہ است بفرمودۂ معاویہ"

صرف متقدمین ہی نے نہیں بلکہ موجودہ زمانے کے محققین اہلسنت نے بھی اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ دور حاضر کا مشہور سنی مورخ دکتور حسن ابراہیم حسن[18]، پی ایچ ڈی، ڈی لٹ (لنڈن) ایم آر، اے ایس، ایف آر، ایس اے، پروفیسر تاریخ جامعہ مصر نے بھی اپنی "تاریخ الاسلامی السیاسی" میں اسکی توضیح کی ہے (تاریخ الاسلامی السیاسی جلد اول حاشیہ صفحہ ۳۹۸ طبع مصر) اور مولانا شاہ حافظ علی حیدر[19] حنفی کاکوروی نے بھی اپنی کتاب "احسن الانتخاب فی معیشۃ سیدنا ابی تراب" کے ص۳۷۵ طبع لکھنؤ پر اسکو لکھا ہے

نہ صرف محدثین و مورخین اسلام ہی بلکہ مسیحی محققین مورخین نے بھی اس حقیقت کو ظاہر کیا ہے، چنانچہ رزق اللہ منقریوس الصدقی[20] (سکریٹر شرکۃ الخواجات بتمستوکلی بنی وبشر الجنا المقاولین بالمیاہ) اپنی تاریخ دول الاسلام میں لکھتے ہیں۔

"ان معاویہ ارسل الی امراۃ الحسن جعدۃ بنت الاشعث رسولاً قال لہا انک ان احتلت فی قتل الحسن اعطیتک مائۃ الف درہم وزوجتک بیزید فدست للحسن السم فی الطعام فمات مسموماً فلما مات ارسل معاویہ الیہا ما اشترط علیہ من المال وقال لہا لولا اننا نحب حیاۃ یزید لوفینا لک بتزویجہ،،"

معاویہ نے جعدہ بنت اشعث زوجۂ امام حسنؑ کے پاس ایک قاصد بھیجا اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر تو کسی حیلہ سے امام حسنؑ کو شہید کر دے تو تجکو ایک لاکھ درم دونگا اور اپنے بیٹے یزید سے نکاح کر دونگا پس جعدہ نے پوشیدہ طریقہ سے کھانے میں امام حسنؑ کو زہر دیدیا اور حضرت شہید ہو گئے آپ کے بعد حسب وعدہ معاویہ نے اُس کے پاس مال تو بھجوا دیا اور یہ کہلا بھیجا کہ اگر یزید کی زندگی پیاری نہ ہوتی تو شادی کے وعدے کو بھی پورا کر دیتا۔

(دول الاسلام جلد اول ص۵۳ طبع مطبعۃ الہلال فجالۃ مصر ۱۳۲۵ھ)

اسیطرح ادیب اریب و مورخ شہیر عبد المسیح مسیحی انطاکی[21] مدیر جریدۂ العمران لکھتا ہے،

وسبب وفاته ان معوية دس اليه سمًّا
على يد جعدة بنت الاشعث بن قيس زوجة
الحسن قيل ان معاوية ارسل اليها جاسوسًا
فرشاها بمئة الف درهم ووعدها ان يزوجها
من ابنه يزيد لو هي قتلت سيدنا الحسن بالسم
ففعلت فوفى لها بالمال ولكنه لم يزوجها
من ابنه قائلاً قد لا تمتنع خيانة ابني التي
ما امتنعت عن خيانة الحسن وقد اجمع
المورخون على سيدنا الحسن عليه السلام قد
توفى مسمومًا وان زوجته جعدة هي التي
دست له السم واكثرهم اتهموا معاوية
بجريمة قتله"

امام حسنؑ کی وفات کا سبب یہ ہے کہ معاویہ نے خفیہ طریقہ سے جعدہ
بنت اشعث کے ذریعہ حضرت کو زہر دلوایا۔ کہا جاتا ہے کہ معاویہ نے
جعدہ کے پاس اپنا ایک جاسوس بھیجا اور اس کے ذریعہ سے
جعدہ کو ایک لاکھ درہم رشوت دی اور یزید کے ساتھ نکاح
کر دینے کا وعدہ کیا اس شرط پر کہ وہ امام حسنؑ کو
زہر سے شہید کر دے، جعدہ نے ایسا ہی کیا لیکن
معاویہ نے رقم موعود تو دیدی اور نکاح سے انکار
کر دیا اور یہ کہا کہ جو امام حسن کو زہر دیدے وہ میرے
بیٹے کے ساتھ کب نیک سلوک کر سکتی ہے تمام
مورخین کا اس پر اتفاق ہے کہ امام حسن مسموم شہید
ہوئے اور جعدہ نے پوشیدہ طور سے زہر دیا علی الاکثر
مورخین نے اس جرم کا مجرم معاویہ کو قرار دیا ہے۔

القضية العلويه اى تاريخ شعري لصدر الاسلام ص۲۴۲ طبع مصر

معاویہ کا امام حسنؑ کو زہر دلوانا ایک ایسا تاریخی مسلمہ ہے کہ جسکو یورپ کے مستشرقین نے بھی
لکھا ہے، چنانچہ فرانسیسی مستشرق "موسیو ایبٹ" [۲۲] ڈی، مارگنی، نے بھی اپنی تاریخ عرب لعہد خلفاء،
میں اسکو لکھا ہے، مورخ مذکور امام حسن کے تذکرہ میں لکھتا ہے،

"It is affirmed that his days were hastened by Moawy, who suborned his wife to poison him."

"یہ امر بالکل محقق ہے کہ امام حسن کی زندگی کو معاویہ نے جلد ختم کر دیا کیونکہ اس نے حضرت کی زوجہ جعدہ
سے سازش کر کے آنجناب کو زہر دلوا دیا"

یہی مورخ آگے چل کر معاویہ کے حالات میں لکھتا ہے،

"That he might be more sure of

[illegible]

مل؎ میں نے متقدمین مورخین و محدثین کا جو حوالہ دیا ہے اسکے علاوہ قدماء اہلسنت کی دوسری کتابوں میں بھی اس کا تذکرہ موجود ہے کہ معاویہ نے امام حسنؑ کو زہر دلوایا مثلاً ... ربیع الابرار زمخشری باب ...
کتب قابل ذکر ہیں، تہذیب الکمال مزی، تہذیب التہذیب ذہبی، مراۃ الجنان، احاسن الاخبار الغرائب محمد بن عمر زین الدین، ربیع الابرار زمخشری

Success, he practised with Hassan's wife, and so won her over to his interest by a feigned promise of marriage, that she consented to poison her husband."

(The History of the Arabians under the Government of the Caliphs, by the Abbe De Marigny. vol II pages 87, 88.

"معاویہ نے اس غرض سے کہ اپنے مقصد میں اور زیادہ یقینی طور پر کامیابی حاصل کرلے حضرت امام حسنؑ کی زوجہ سے وعدۂ نکاح کرکے اسکو اپنے قابو میں کرلیا کہ اُس نے امام علیہ السلام کو زہر دینا گوارہ کرلیا"

امام حسن علیہ السّلام کو زہر دغا سے شہید کرا دینا معاویہ کا ایک ایسا عظیم جرم تھا کہ مرتے وقت خود معاویہ کو بھی اس پر افسوس کرنا پڑا ہے، چنانچہ مورخ حمداللہ المستوفی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے،

"بوقت وفات بایکے از خواص گفت ازیں سہ کار بزرگ ترمی دانم، اوّل آنکہ در حق اہلبیت طمع کردم وتغلب بردم، دوم آنکہ زن حسن را بفریفتم تا اورا زہر داد، سوم آنکہ یزید را ولیعہد کردم"

(تاریخ گزیدہ چاپ عکسی لندن جلد اول ص ۲۵۷)

معلوم نہیں کہ کتاب شہید انسانیت کے وسیع النظر فاضل مرتب نے کس بنا پر اس مسلک کو چھوڑ دیا ہے جو ائمۂ اہلبیتؑ وجمہور علمائے شیعہ اور اکثر محدثین ومورخین اہلسنت ونیز مسیحی مورخین ومستشرقین نے اختیار کیا ہے، معاویہ کے اعمال سے اس کا پتہ بھی تو نہیں چلتا کہ ایسے جرم عظیم سے بچنے کی اس میں کوئی صلاحیت رہی ہو، معاویہ کی حالت یہ تھی کہ دور ثالث میں خلیفہ عثمان سے اس نے یہ درخواست کی تھی کہ امیرالمومنین علیؑ اور دوسرے اصحاب رسول کو قتل کرا دیا جاوے چنانچہ مورخ ابن قتیبہ الدینوری کتاب الامامت والسیاست میں لکھتے ہیں،

"فقال معاویہ الا ان تاذن لی فی ضرب اعناق

معاویہ نے کہا رائے یہ ہے کہ آپ مجکو اجازت دیں کہ ان سبکی

ہؤلاء القوم قال ومن ہم قال علی وطلحۃ والزبیر

گردن اڑا دوں پوچھا کسکے قتل کی اجازت، کہا علیؑ، طلحہ اور زبیر

فقال عثمان سبحان اللہ اقتل اصحاب رسول اللہ ﷺ بلاحدث احدثوہ ولاذنب رکبوہ"، قتل کا حکم دیدیجئے حضرت عثمان نے جواب دیا کہ سبحان اللہ کیا میں قتل کردوں رسول اللہ کے اصحاب کو بغیر کسی جرم و قصور کے"،

(کتاب الامامت والسیاست ابن قتیبہ صہ ۵۳ طبع مصر)

یہ ہے وہ معاویہ جو حضرت علیؑ اور اصحاب رسول کو قتل کردینے کا ارادہ رکھتا تھا اور جس نے عمار اور بہت سے جلیل القدر اصحاب رسول کو صفین میں قتل کرا کے عملاً اپنے قول کو ثابت کردیا یہ دوسری بات ہے کہ بظاہر وہ بذات خود اپنی تلوار سے امیر المومنین کو نہ شہید کرسکا گو کہ حضرت علیؑ کے قتل میں بھی اسکی سازش کے امکانات پائے جاتے ہیں، تمام کتب تاریخ سے یہ ثابت ہے کہ معاویہ کے فریب سازش میں اشعث بن قیس مبتلا ہو گیا تھا جسکی بنا پر صفین میں اس نے مع ایک گروہ خوارج کے حضرت علیؑ پر خروج کیا تھا، اسی اشعث کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "ان الاشعث بن قیس شرک فی دم امیر المومنین"، اشعث بن قیس امیر المومنین کے خون میں (ابن ملجم کے) شریک تھا (کتاب الروضہ من الکافی لمحمد بن یعقوب الکلینی طبع بضمیمہ تحف العقول صہ ۱۳۵)

اسیطرح ارشاد شیخ مفید اور بحار علامہ مجلسی میں بھی اشعث بن قیس کا امیر المومنین کے قتل کے لیے ابن ملجم خارجی کی مدد کرنا اور اسکے ساتھ شریک قتل رہنا مذکور ہے، تاریخیں گواہ ہیں کہ اشعث بن قیس کا ہر عمل اقدام معاویہ کے اشاروں پر ہوتا تھا اس بنا پر اس جرم میں بھی معاویہ کی شرکت یقینی ہے۔

خود معاویہ کا براہ راست قتل امیر المومنین کے سلسلہ میں ابن ملجم کے ساتھ سازباز کرنے کا انکشاف قدوۃ الاولیا شیخ مجد الدین حکیم سنائی نے حدیقۃ الحقیقۃ میں فرمایا ہے، اور اس تحقیق کو صاحب مناقب مرتضوی مولانا محمد صالح الترمذی الکشفی الحنفی نے ان الفاظ کے ساتھ قبول فرمایا ہے

"ولکن قدوۃ المحققین حکیم سنائی چنیں تحقیق نمودکہ بموجب گفتہ معاویہ لعین ابن ملجم ملعون امیر المومنین را بدرجۂ شہادت رسانید"،

ان حالات میں کوئی وجہ نہیں کہ معاویہ نے سبط اکبر امام حسنؑ کو اپنی سازباز سے زہر نہ دلوایا ہو بے شبہہ یزید کی خلافت کے لیے اسنے امام حسن کو زہر سے شہید کرایا جیسا کہ مورخین اس کا اظہار کررہے ہیں اور اسی یزید کی خاطر وہ حسینؑ کو قتل کردینے کی آرزو بھی دل میں رکھتا تھا جسکا اظہار ایک موقع پر خود اس کی زبان سے ہو گیا تھا،

واقعہ یہ ہے کہ،

فلما بايعه اهل العراق والشام سار (معوية) الى الحجاز فى الف فارس فلما دنا من المدينة لقيه الحسين بن علي اول الناس فلما نظر اليه قال لا مرحبا ولا اهلاً بدنة يترقرق دمها والله مهريقه، قال مهلاً فاني والله لست باهل هذه المقالة قال بلى لشر منها،،

(العقد الفرید لابن عبد ربہ جلد سوم ص۳۰ طبع مصر و تاریخ الکامل لابن اثیر جلد ۴)

جب اہل عراق وشام نے یزید کی بیعت (ولیعہدی) کر لی تو معاویہ ہزار سواروں کی جمعیت سے حجاز کے جانب روانہ ہوا مدینہ کے قریب پہونچا تو پہلے امام حسینؑ سے ملاقات ہوئی حضرت کو دیکھکر معاویہ کہنے لگا کہ خوشی اور بہتری نہ ہو اس شتر قربانی ذبح ہونے والے اونٹ کو جسکا خون دگرائے جانے کیلئے بھڑک رہا ہو اور اللہ اسکا خون گرانیوالا ہو" امام حسینؑ نے فرمایا اے معاویہ ذرا سنبھلو خدا کی قسم میں ایسے کلمات کا سزاوار نہیں ہوں معاویہ نے کہا اس سے بدتر کلمات کے سزاوار ہو"

معاویہ تو امام حسنؑ کو زہر دغا سے شہید کرا دینے کے بعد "قتل حسینؑ" کی تمنا لے کر دنیا سے چل بسا لیکن باپ کی آرزو کو سپوت بیٹے یزید نے کربلا میں پورا کر دیا،

(۵) کتاب شہید انسانیت کے ص۸۴ پر بسلسلہ دفن امام حسنؑ ہے،

"بنی امیہ کو یقین ہوا کہ آپ کو وہاں دفن کرینگے سب کے سب مروان کے ساتھ ہتھیار باندھکر نکل آئے اور بیچ میں سد راہ ہوئے"،

صرف بنی امیہ ہی نے نہیں روکا بلکہ ان لوگوں کے ہمراہ ام المومنین عائشہ بھی تھیں، تاریخی حالات کو کتر بیونت کے نہ بیان کرنا چاہیے ایسا کرنا مرتب و مولف کی دیانت کے خلاف ہے، دراصل یہی مقام تھا جہاں اس واقعہ کو اپنی پوری تفصیل کے ساتھ تحریر کر دیا جاتا تاکہ یہ معلوم ہو جاتا کہ خاندان رسالت کی مخالفت میں کتنی بڑی اور عظیم شخصیتیں ایک دوسرے کی معین و مددگار تھیں جن سے عامۂ ناس کا مخالفت اہلبیت کے اثرات کو قبول کرنا بعید از قیاس نہیں ہے بلکہ حادثہ کربلا انھیں واقعات کا ایک فطری نتیجہ تھا، صرف بنی امیہ کی عداوت ہی آل رسول کی تباہی کا سبب نہیں بن سکتی جس پر کتاب شہید انسانیت میں بہت زیادہ زور دیا گیا ہے، حالانکہ "شہید انسانیت" کو اس دعوی کے ساتھ مرتب کیا گیا ہے کہ اس کتاب کے ذریعہ واقعہ کربلا فلسفہ تاریخ کے ماتحت صحیح استنتاج سے آشنا ہو جاوے اور اس کے اسباب و نتائج اور ضروری تفصیلات نگاہوں کے سامنے آجاویں (ملاحظہ ہو شہید انسانیت ص۲۷) کیا فلسفۂ تاریخ کے ماتحت صحیح نتیجہ "واقعات کو قطع و برید" اور "غیر محل پر وارد کرنے" سے نکالا جاتا ہے؟

اصل واقعہ یہ ہے جس کا تذکرہ اس محل پر بہت ضروری تھا،

وقال ابن سعد عن الواقدی لما احتضر الحسن قال ادفنونی عند ابی یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فاراد الحسین ان یدفنہ فی حجرۃ رسول اللہ صلعم فقامت بنو امیہ ومروان بن الحکم وسعید بن العاص وکان والیا علی المدینہ فمنعوہ وقامت بنو ہاشم لتقاتلھم فقال ابو ہریرہ ارأیتم لو مات ابن لموسی اما کان یدفن مع ابیہ قال ابن سعد ومنھم ایضا عائشہ قالت لا یدفن مع رسول اللہ صلعم احد،،

(تذکرہ خواص الامہ علامہ سبط ابن الجوزی ص ۱۲۲)

ابن سعد (صاحب طبقات الکبیر) مورخ واقدی سے روایت کرتا ہے کہ جب امام حسنؑ کو احتضار ہوا تو فرمایا کہ مجھکو میرے پدر بزرگوار رسول اللہ صلعم کے پاس دفن کرنا اس وصیت کی بنا پر امام حسینؑ نے چاہا کہ اپنے بھائی کو رسول اللہ کے قریب حجرہ میں دفن کریں یہ دیکھ کر مروان بن الحکم (وحاکم مدینہ) سعید بن العاص و تمام بنو امیہ نکل پڑے اور دفن کرنے سے روکا بنی ہاشم نے مقابلہ کرنا چاہا ابو ہریرہ نے کہا کہ کیا تمھاری یہ رائے ہو سکتی ہے کہ اگر حضرت موسیٰ کا فرزند مرتا تو اپنے باپ کے پہلو میں نہ دفن کیا جاتا، ابن سعد کہتے ہیں کہ ان روکنے والوں میں سے حضرت عائشہ بھی تھیں جو یہ کہہ رہی تھیں کہ رسول اللہ کے پہلو میں کوئی بھی نہیں دفن ہو سکتا،،

ابو الفرج الاموی نے کچھ زیادہ تفصیل سے لکھا ہے کہ،

وقد کان اوصی ان یدفن مع رسول اللہ فمنع مروان بن الحکم من ذلک ورکبت بنو امیہ فی السلاح وجعل مروان یقول "یا رب ھیجا ھی خیر من دعہ،، أیدفن عثمان فی اقصی البقیع ویدفن الحسن فی بیت رسول اللہ واللہ لا یکون ذلک ابدا وانا احمل السیف وکادت الفتنۃ ان تقع، وابی الحسین ان یدفنہ الا مع النبی صلعم فقال لہ عبد اللہ بن جعفر عزمت علیک بحقی الا تکلم بکلمۃ فمضی بہ الی البقیع وانصرف مروان بن الحکم اخبرنی احمد بن سعید قال حدثنا یحیی بن الحسن عن الزبیر بن بکار عن محمد بن اسمعیل عن فائد مولی عبادہ وحدثنا جرمی عن زبیر فقال عبادک وھو الصواب وقال احمد بن سعید ھو عبادۃ ولکن ھکذا قال

امام حسنؑ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ مجھکو رسول اللہ کے قریب دفن کیا جاوے لیکن مروان وہاں دفن ہونے سے مانع ہوا اور بنی امیہ ہتھیار بند نکل آئے، مروان یہ کہنے لگا کہ دیکھو لڑ لینا اچھا ہے بہ نسبت امن و سکون کے، عثمان تو بقیع کے کنارے دفن ہوں اور حسنؑ رسول اللہ کے گھر میں دفن کیے جاویں، بخدا ایسا کبھی نہیں ہو سکتا جبکہ میں تلوار اٹھائے ہوئے ہوں، اور قریب تھا کہ فتنہ و فساد ہو جاتا کیونکہ امام حسینؑ نے سوائے پہلوئے رسولؐ کے کہیں اور دفن کرنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن عبد اللہ بن جعفر نے قسم دیکر خاموش رہنے کو کہا، اور بقیع میں لیجا کر امام حسنؑ کو دفن کر دیا، بسلسلہ اسناد دے وجہ اصل متن میں مذکور ہے کہ امام حسنؑ نے اپنے آخری وقت عائشہ سے کہلا بھیجا کہ وہ حضرت کو پہلوئے رسول میں دفن ہونیکی

يحيى بن عبيد الله بن علي اخبرة وغيرة ان
الحسن بن علي ارسل الى عائشة ان تاذن له
ان يدفن مع النبي صلعم فقالت نعم ما كان بقي
الا موضع ولحد فلما سمعت بذلك بنو امية استلموا
السلاح وهموا وبنو هاشم للقتال وقالت بنو امية
والله لا يدفن مع النبي ابداً فبلغ ذلك الحسن فارسل
الى اهله اما اذا كان هذا فلا حاجة لي فيه ادفنوني
الى جانب امي فاطمةؑ فدفن الى جنب امه فاطمةؑ
عليها السلام، قال يحيى بن الحسن وسمعت علي بن
طاهر بن زيد يقول لما ارادو دفنه ركبت
عائشة بغلاً واستعونت بني امية ومروان ومن
كان هناك منهم ومن حشمهم وهو قول القائل ع

فيوماً على بغلٍ ويوماً على جملٍ

(مقاتل الطالبين ص ۵۲، ۵۳)

اجازت دیدیں، انھوں نے جواب دیا کہ ہاں اب تو سوائے
ایک قبر کی جگہ کے اور جگہ باقی ہی نہیں رہ گئی ہے جب اس جواب کو
بنی امیہ نے سنا تو ہتھیار بند ہو کر بقصد جنگ نکل پڑے بنی ہاشم نے
بھی مقابلہ کرنے کا ارادہ کیا بنی امیہ یہ کہتے تھے کہ بخدا امام حسنؑ کو
کبھی بھی رسول کے قریب نہ دفن ہوتے دیکھیں گے چونکہ امام حسنؑ
احتضار میں تھے، اس لیے آپ اس سے آگاہ ہوئے اور فرمایا کہ
جب یہ صورت ہے تو مجھکو وہاں دفن ہونے کی ضرورت نہیں مجھے میری
ماں فاطمہؑ کے قریب دفن کرنا چنانچہ حضرت اپنی والدۂ ماجدہ کے
پہلو میں دفن کیے گئے یحییٰ بن حسن کہتے ہیں کہ میں نے علی بن طاہر بن زید کو
کہتے سنا کہ جب بنی ہاشم نے رسول کے قریب دفن کرنے کا ارادہ کیا تو
بی بی عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر بنی امیہ و مروان کی حمایت میں امام حسنؑ کو
حجرہ رسول میں دفن کرنے کی مخالفت کرتے ہوئے نکل پڑیں اسی کے
بارے میں شاعر کا قول ہے۔ ع

ایک دن تھیں اونٹ پر اور آج ہیں خچر پہ آپ

مورخ یعقوبی ابن واضح الکاتب العباسی اپنی تاریخ میں لکھتا ہے،

وقيل ان عائشة ركبت بغلة شهباء وقالت بيتي
لا اذن فيه لاحد فاتاها القاسم بن محمد بن ابي بكر
فقال لها يا عمة ما غسلنا رؤوسنا من يوم الجمل الاحمر
اتريدين ان يقال يوم البغلة الشهباء فرجعت،

(تاریخ یعقوبی جلد دوم ص ۲۶۷ مطبوعہ بریل لندن ۱۸۸۳ء)

بی بی عائشہ ایک خچر پر سوار ہو کر نکلیں اور کہنے لگیں کہ یہ میرا گھر ہے
میں کسی کو دفن کی اجازت نہ دوں گی قاسم بن محمد بن ابو بکر ان کے
پاس گئے اور کہنے لگے پھوپھی اماں جمل کے دن کی رسوائی کا دھبہ تو
ابھی تک دھلا نہیں کیا اب خچر والی لڑائی کا سہرا بھی اپنے سر لینا
چاہتی ہیں، یہ سنکر وہ پلٹ گئیں،

مستشرقین یورپ بھی بی بی عائشہ کی مخالفت کا تذکرہ اپنی تاریخوں میں کرتے ہیں، چنانچہ موسیو ایب ڈی مارگنی
(Abbe De Marigny) اپنی تاریخ عرب بعد خلفاء میں لکھتے ہیں۔

Aiesha at first consented to it, but finding that the whole of Ommiyah opposed it, she afterwards retracted her consent: she declared that the house where Mohammed was buried was her property and Hasan's body should not be laid there, so they laid him in the common burying place."

(The History of the Arabian Caliphs. vol II page 89).

"عائشہ پہلے تو اس پر راضی ہوگئیں تھیں کہ امام حسنؑ کو پہلوئے رسولؐ میں دفن ہوں مگر جیسے ہی اُنھوں نے یہ دیکھا کہ بنی اُمیہ اس تجویز کے مخالف ہیں وہ اپنی رائے سے پلٹ گئیں اور اُنھوں نے کہدیا کہ جس گھر میں محمدؐ دفن ہیں وہ انکی ملکیت ہے اور حسنؑ کا جنازہ اس میں نہیں دفن ہوسکتا تب بنی ہاشم نے امام حسنؑ کو اُس قبرستان میں دفن کیا جہاں عام طور پر لوگ دفن کیئے جاتے تھے"

اس تالیف میں صحیح واقعات کو اپنی جگہ پر بیان کرنے سے حادثہ کربلا کے علل واسباب کے سمجھنے میں کافی مدد ملتی مگر نہ معلوم کس مصلحت سے اس محل پر "غض بصر" سے کام لیا اور آگے چل کر آخر کتاب میں بعض بعض متفرق تعلیقات صفحہ ۱۰۰ پر یہ تحریر فرمایا کہ "ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی" تالیف کا یہ انداز بتلاتا ہے کہ مولف اپنے مصالح کو پیش نظر رکھ کے واقعات کو قلمبند کرتا ہے حالانکہ ایک مورخ و محقق کے لیے پابند مصلحت ہونا ایک بہت بڑا عیب ہے، واقعات اپنی جگہ پر ہوتے ہیں جن پر بحیثیت ایک واقعہ کے نظر کرنا چاہیئے اور خصوصیت سے ایسی کتاب میں جہاں صرف واقعات ہی کا بیان کرنا مد نظر نہ ہو بلکہ اُسکے اسباب و نتائج کا ظاہر کرنا بھی نصب العین قرار دیا گیا ہو،

(۶) شہید انسانیت کے صفحہ ۵۴ پر ہے،

"حضرت علیؑ سے اُن کے بھائی عقیلؓ تک برگشتہ ہو گئے"،

چند سطروں کے بعد پھر ارشاد ہوتا ہے'۔

"غرض یہ باتیں تھیں کہ عقیل آپ سے جُدا ہو کر امیر شام کے پاس چلے گئے وہاں ان کی بڑی آؤ بھگت ہوئی اور اپنی اک

سیاسی فتح سمجھی گئی کہ علیؑ کے بھائی اُن سے ٹوٹ کر ہمارے پاس آگئے،،

یہ امر بھی محققین کے نزدیک صحیح و مستند نہیں ہے، "شہید انسانیت" ایسی مہتم بالشان کتاب میں غیر محقق امور کا درج کرنا، کتاب مذکور کی عظمت و اعتماد کا کم کرنا ہے، صرف شہرت ہی کیوجہ سے کوئی واقعہ صحیح نہیں سمجھا جا سکتا، رُبّ مشهور لا اصل له! اور پھر اموی پروپاگنڈا نے کن کن چیزوں کی شہرت نہیں دی ہے، کیا آنکھ بند کر کے ہر ایسی چیز کو قبول کر لیا جاوے گا فکیف تحکمون یا اولی الابصار!

ناظم ادارہ تحریر نے اس تالیف میں متعدد مقامات پر یہ دعوی کیا ہے کہ ہم اس کتاب میں اُنھیں حقائق کو ظاہر کرینگے جو تاریخی اعتبار سے مستند و معتمد ہونگے ذاتی عقائد و رجحانات یا غیر معتبر واقعات سے اس کتاب کو پاک و صاف رکھنے کا اظہار کیا گیا ہے، اس بنا پر حیرت ہے کہ محترم رئیس ادارہ نے کیونکر ایک غیر معتبر واقعہ کو اپنی کتاب میں جگہ دی ہے،

اب اصل واقعہ کو ملاحظہ فرمائیے، علامہ ابن ابی الحدید تحریر فرماتے ہیں،

ومنها قولهم ان جماعة من اصحابه علیه السلام فارقوه وصاروا الی معاویة کعقیل بن ابی طالب ..... فاما عقیل فالصحیح الذی اجمع ثقات الرواة علیه انه لم یجتمع مع معاویة الا بعد وفاة امیر المومنین علیه السلام، وقد کتب عقیل الیه بعد الحکمین یستاذنه فی القدوم علیه الکوفة بولده وبقیة اهله فامره علیه السلام بالمقام وقد روی فی خبر مشهور ان معاویة وبخ سعید بن العاص علی تاخیره علیه فی صفین فقال سعید لو دعوتنی لوجدتنی قریبا ولکنی جلست مجلس عقیل وغیره من بنی هاشم ولو اوعبنا لاوعبوا،،

اور جن لوگوں نے امیر المومنین علی پر اعتراض کیا ہے منجملہ دیگر اعتراضات کے اُنکا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ آپکے اصحاب آپ کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس چلدیے تھے جیسے عقیل بن ابی طالب ..... (ابن ابی الحدید جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں) لیکن عقیل کے متعلق صحیح بات یہ ہے جس پر تمام راویان ثقات نے اجماع کیا ہے کہ عقیل معاویہ کے پاس اُس وقت تک نہیں گئے جبتک کہ امیر المومنین نے انتقال نہیں فرمایا اور وہ مدینہ ہی میں برابر مقیم رہے، جنگ جمل و صفین میں بھی نہیں موجود تھے اور یہ سب کچھ امیر المومنین کی اجازت کی بنا پر تھا بلکہ حکمین کے فیصلہ کے بعد عقیل نے امیر المومنینؑ سے اجازت چاہی کہ وہ مع عیال و اطفال کوفہ میں حاضر ہو جاویں، ایک خبر مشہور ہے یہ ہے کہ معاویہ نے ایک مرتبہ سعید بن العاص کی سرزنش اس بنا پر کی کہ وہ معرکہ صفین میں حاضر نہ ہوئے اسکا جواب سعید نے یہ دیا

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد دوم ص۵۰۵ طبع مصر)

کہ دل سے آپ کے ساتھ تھا، اگر آپ مجکو طلب فرماتے تو فوراً حاضر ہوتا، لیکن میں اُسطرح بیٹھا رہا جسطرح عقیل اور دوسرے بنی ہاشم جو علیؑ کے ساتھ دل شریک تھے لیکن مدینہ میں بمصالح ٹھہرے رہے اور شریک جنگ نہ ہو سکے) اگر اسکا الزام ہم پر ہے

تو یہی الزام ان لوگوں پر بھی ہے"، (غالباً سعید کا مطلب یہ ہے کہ اگر اموی ہونے کی حیثیت مجھ پر یہ الزام ہے کہ میں آپکی خدمت میں کیوں نہ حاضر ہوا تو ہاشمی ہونے کی حیثیت سے یہی الزام ان لوگوں پر بھی عائد ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی کیوں نہ علیؑ کے پاس گئے لیکن اصل میں یہ محل الزام بنتے نہیں کیونکہ جسطرح وہ لوگ ہاشمی حکومت کے مفاد کی نگرانی کے لیے وہاں مقیم رہے اسیطرح میں بھی اموی حکومت کے مفاد کی نگرانی کے لیے ٹھہرا رہا)

علامہ ابن ابی الحدید ایک دوسرے مقام پر بضمن حالات جناب عقیل پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"ولم یشهد مع اخیه امیر المومنین علیه السلام شیئاً من حروبه ایام خلافته وعرض نفسه وولده علیه فأعفاه ولم یکلفه حضور الحرب وکان انسب قریش واعلمهم بایامها وکان مبغضا الیهم لانه کان یعد مساویهم واختلف الناس فی عقیل هل التحق بمعاویة وامیر المومنین حیٌّ فقال قوم نعم ورووا ان معاویة قال یوماً وعقیل عنده هذا ابو یزید لولا علمه انی خیر له من اخیه لما اقام عندنا وترکه فقال عقیل اخی خیر لی فی دینی وانت خیر لی فی دنیای وقد آثرت دنیای أسأل الله خاتمة خیر وقال قوم انه لم یعد الی معاویه الا بعد وفاة امیر المومنین علیه السلام واستدلوا علی ذلک بالکتاب الذی کتبه الیه فی آخر خلافته والجواب الذی اجابه علیه السلام وقد ذکرناه فیما تقدم و سیأتی ذکره ایضاً فی باب کتبه علیه السلام وهذا القول هو الاظهر عندی"

(مجلد سوم ص۸۲ طبع مصر)

عقیل اپنے بھائی امیر المومنین کے ایام خلافت میں کسی جنگ میں انکے ساتھ نہیں شریک ہوئے حالانکہ عقیل نے خود اپنے نفس کو اور اپنی اولاد کو اس غرض کے لیے پیش کیا تھا لیکن امیر المومنین نے انکو جنگ کی شرکت سے باز رکھا تھا، قریش میں علم نسب سب سے بڑے واقفکار اور ایام عرب کے سب سے بڑے عالم عقیل ہی تھے چونکہ یہ قریش و بنی امیہ کی برائیوں کو نشر کرتے رہتے تھے اس لیے یہ لوگ عقیل کو دشمن رکھتے تھے، ہاں اسمیں اختلاف ہے کہ امیر المومنین کی زندگی میں عقیل معاویہ کے پاس گئے یا نہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت کی زندگی ہی میں گئے، اور تائید میں یہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن معاویہ نے جبکہ عقیل معاویہ کے پاس تھے کہا کہ دیکھو یہ ابو یزید (عقیل کی کنیت ہے) اگر یہ اسکو نہ جانتے کہ میں انکے اُن کے بھائی سے بہتر ہوں تو یہ میرے پاس کیوں قیام کرتے اور اُن کو چھوڑ دیتے، عقیل نے جواب دیا کہ دین کیلئے میرے بھائی میرے لیے بہتر ہیں اور تو میری دنیا کے لیے میں نے دنیا اختیار کی اب خدا سے خاتمہ بالخیر کا طالب ہوں، لیکن ایک گروہ یہ کہتا ہے کہ امیر المومنین کی زندگی میں عقیل معاویہ کے پاس نہیں گئے بلکہ بعد شہادت گئے اور اسکے ثبوت میں اُس مکتوب کو پیش کرتے ہیں جسکو آخری زمانۂ خلافت میں امیر المومنین کے پاس مدینہ سے عقیل نے بھیجا تھا اور امیر المومنین نے جسکا جواب عنایت فرمایا تھا

اور ہم اس سے پہلے اس کا ذکر کر چکے ہیں اور باب مکاتیب میں پھر اسکا ذکر اپنے محل پر آویگا، اور یہ قول میرے نزدیک بھی اظہر (صحیح و درست) ہے"۔

علامۂ معاصر احمد زکی صفوت مصری (استاذ اللغۃ العربیۃ بدار العلوم العلیا بمصر) کے نزدیک بھی یہی امر محقق ہے کہ امیر المومنین کی وفات کے بعد "عقیل" معاویہ کے دربار میں گئے، چنانچہ اپنی تائید میں ابن ابی الحدید سے استدلال کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں،

واختلف الناس فی عقیل ھل التحق بمعاویۃ وعلیٌ حیٌّ؟ فقال قوم نعم واستدلوا بما سلف من قول معاویۃ وقال قوم انہ لم یلحق بہ الا بعد وفاۃ اخیہ مستدلین بالکتاب السالف الذی کتبہ الی علیؑ فی اخر خلافتہ والجواب الذی اجابہ بہ قال ابن ابی الحدید والصحیح الذی اجتمع ثقات الرواۃ علیہ انہ لم یجتمع مع معاویۃ الا بعد وفاۃ امیر المومنین ولکنہ لازم المدینۃ ولم یحضر حرب الجمل وصفین وکان ذلک باذن امیر المومنین وقد کتب عقیل الیہ بعد الحکمین یستأذنہ ان یقدم علیہ الکوفۃ بولدہ وبقیۃ اھلہ فامرہ بالمقام وقال ایضاً وھو ھذا القول الثانی ھو الاظھر عندی"۔ (ترجمہ علی ابن ابی طالب للعلامۃ الاستاذ احمد زکی صفوت ص۴۶ طبع مصر)

عقیل کے متعلق اختلاف ہے کہ امیر المومنین کی زندگی میں معاویہ کے پاس گئے یا نہیں؟ ایک گروہ کہتا ہے کہ ہاں گئے اور استدلال میں معاویہ کے قول کو پیش کرتا ہے، اور ایک گروہ کہتا ہے کہ حضرت کی زندگی میں عقیل نہیں گئے بلکہ بعد وفات گئے اور استدلال میں عقیل کے اس خط کو پیش کرتے ہیں جسکو انھوں نے حضرت کی خدمت میں خلافت کے آخری زمانہ میں لکھا تھا اور اس جواب کو بھی پیش کرتے ہیں جو امیر المومنین نے انکو مدینہ بھیجا تھا، ابن ابی الحدید کہتے ہیں کہ اور صحیح یہ ہے جس پر تمام معتبر راویوں کا اتفاق و اجماع ہے کہ عقیل معاویہ کے پاس نہیں گئے مگر بعد شہادت امیر المومنین، اور مدینہ میں مقیم رہے جمل و صفین کے معرکوں میں شرکت نہ کر سکے یہ قیام یا جنگ میں شریک نہ ہونا امیر المومنین ہی کے حکم کی بنا پر تھا، تحکیم حکمین کے بعد عقیل نے حضرت کی خدمت میں عریضہ بھیجکر یہ اجازت چاہی کہ مع عیال و اطفال وہ کوفہ میں حاضر ہو جاویں لیکن حضرت نے حکم قیام دیا ابن ابی الحدید نے یہ بھی کہا ہے کہ یہی دوسرا قول میرے نزدیک اظہر (صحیح و درست) ہے"۔

اور ملاحظہ فرمائیے، علامہ تقی الدین المقریزی کا وسیع النظر محقق مورخ اپنی کتاب النزاع والتخاصم فیما بین بنی امیہ و بنی ہاشم میں لکھتا ہے،

وقتلوا الصلب علی بن ابی طالب تسعۃ ومن صلب عقیل بن ابیطالب تسعۃ ولذلک قالت نائحتھم ؎

یا عین جودی بعبرۃ وعویل واندبی ان ندبت آل الرسول

اور کربلا میں حضرت علی کے صلب سے نو بزرگ شہید ہوئے اسیطرح عقیل بن ابیطالب کے صلب سے بھی نو بزرگ تھے جو شہید ہوئے، اسی بنا پر تو اہلبیت کا مرثیہ کہنے والا نوحہ خوان شاعر کہتا ہے۔

تسعۃ منھم لصلب علیؑ قد اصیب او تسعۃ لعقیل هذا وهم یزعمون ان عقیلاً اعان معاویۃ علی علیؑ فان کانوا کاذبین فما اولا هم بالکذب وان کانوا صادقین فما جاوزه خیراً اذ ضربوا عنق مسلم بن عقیل صبراً" (النزاع والتخاصم صـ ۱۲، طبع مصر)

یعنی آنسو بہا، فریاد کر اور ماتم کر نا ہو تو آلِ رسول کا ماتم کر جنمیں سے نو علیؑ کی اولادیں ہیں جو شہید ہو گئیں اور نو عقیل کی اولادیں ہیں۔ یہ گمان رکھتے ہیں کہ عقیل نے اپنے بھائی علیؑ کے خلاف معاویہ کی مدد کی (یعنی حضرت کو چھوڑ کر معاویہ کے پاس پہنچ گئے) اگر یہ گمان کرنیوالے جھوٹے ہیں تو کیا دروغ بے فروغ ہے اور اگر بفرض یہ اپنے اس گمان میں سچے ہیں تو پھر اس صورت میں بنی امیہ نے عقیل کا بدلہ کیا اچھا دیا کہ انکے فرزند مسلمؑ کو بظلم و ستم قتل کر ڈالا۔"

اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ مورخ مقریزی بھی اس امر کو صحیح نہیں سمجھتے ہیں کہ عقیل امیر المومنین کی حیات میں معاویہ کے پاس گئے، علامہ مجلسی علیہ الرحمہ نے بھی بحار جلد نہم میں جو امیر المومنین کے حالات میں ہے "فی احوال اخوانہ وعشائرہ" کے ذیل میں ابن ابی الحدید کی متذکرہ بالا عبارت کو جسکو میں بھی لکھ چکا ہوں اور جسمیں ابن ابی الحدید نے "وھذا ھو القول ھو الاظھر عندی" کے ذریعہ توثیق صحت کی ہے نقل فرمایا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علامہ مجلسی کے نزدیک بھی حیات امیر المومنین میں معاویہ کے دربار میں عقیل کا جانا ثابت نہیں ہے بلکہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقیل فیصلۂ حکمین کے بعد امیر المومنین کے آخر دورِ خلافت میں مدینہ سے کوفہ تشریف لائے تھے،

وان عقیلاً رحمۃ اللہ قدم علی امیر المومنین فوجدہ جالساً فی صحن المسجد بالکوفہ فقال السلام علیک یا امیر المومنین وقال وعلیک السلام یا ابا یزید ثم التفت الی الحسن ابنہ علیہ السلام فقال لہ قم فانزل عمک فقام فانزلہ ثم عاد الیہ فقال اذھب فاشتر لعمک قمیصاً جدیداً ورداءً جدیداً وازاراً جدیداً ونعلاً جدیداً فذھب فاشتری لہ (بحار جلد ۹ صـ ۱۱)

جب عقیل رحمۃ اللہ علیہ پہونچے تو امیر المومنین صحن مسجد میں تشریف رکھتے تھے عقیل نے سلام عرض کیا حضرت نے جواب سلام دیا اور امام حسنؑ سے فرمایا اٹھو اور اپنے چچا کو ٹھہراؤ، امام حسنؑ اٹھ کھڑے ہوئے اور عقیل کو ٹھہرا کر واپس ہوئے، اب امیر المومنین نے ارشاد فرمایا، بازار جا کر اپنے چچا کے لئے نئی قمیص و پائجامہ اور چادر و جوتے خرید لاؤ، امام حسنؑ تشریف لے گئے اور ان چیزوں کو خرید کر لائے،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عقیل بہت ہی خراب و خستہ حالت میں مدینہ سے تشریف لائے تھے اور غالباً لباس بھی جسم پر صحیح و سالم نہ تھا اسی وجہ سے امیر المومنینؑ نے سب سے پہلے لباس کے جانب توجہ فرمائی، اسی زمانہ قیام میں عقیل نے اپنے فقر و فاقہ اور تنگی معیشت کی شکایت امیر المومنین سے کی اور کچھ زائد بیت المال سے طلب کیا جسکا ذکر

خود امیر المومنین نے ایک خطبہ میں فرمایا ہے جو نہج البلاغہ میں موجود ہے اور اسی واقعہ میں ایک گرم لوہے کے ذریعہ عقیل کو امیر المومنین نے متنبہ فرمایا تھا یہ لحوظ رہے کہ اس زمانہ میں عقیل آنکھوں سے معذور ہو چکے تھے جیسا کہ کتب اخبار و نیز اسی واقعہ سے ثابت ہے، جس میں عقیل نے بھی خود یہ بتلایا ہے کہ ومنجنتہ یعودنی ولدی،،

اور اس زمانہ میں عقیل کی عمر تقریباً نوّے سال کے تھی، عقیل بعد شہادت امیر المومنین خط بار معاویہ میں گئے اس کا ثبوت مندرجہ ذیل روایت سے ملتا ہے جو بحار الانوار اور دوسری معتبر کتابوں میں بھی ہے کہ

سئل معاویہ عقیلاً رحمۃ اللہ عن قصۃ الحدیدۃ المحماۃ المذکورۃ فبکی وقال انا احدثک یامعویہ عنہ ثم احدثک عما سالت،

عقیل رحمہ اللہ سے معاویہ نے پوچھا کہ علی نے گرم لوہے کو تمہارے لیے کیوں گرم کیا اسکا کیا واقعہ ہے یہ سنکر عقیل امیر المومنین کو یاد کرکے رونے لگے اور کہا کہ اے معاویہ میں تجھ سے امیر المومنین کے حالات بیان کرتا ہوں اسکے بعد اپنے اوپر اس گذرے ہوئے واقعہ کو بیان کرونگا، پھر عقیل نے مفصل واقعات بیان کئے جیسا کہ بحار وغیر ذالک میں موجود ہے، جسکو سنکر معاویہ نے کہا " ذکرت من لا ینکر فضلہ رحم اللہ ابو الحسن فلقد سبق من کان قبلہ واعجز من یاتی بعدہ" عقیل تم نے اُس شخص کا ذکر کیا ہے جسکی فضیلت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا اللہ رحمت نازل کرے ابو الحسن علی پر وہ اپنے سابقین پر سبقت لے گئے اور اپنے بعد میں آنے والوں کو عاجز بنا گئے (بحار جلد ۹ ص ۱۲ طبع ایران) اس واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ عقیل امیر المومنین کی شہادت کے بعد معاویہ کے پاس گئے، اور زیادہ امکان یہ ہے کہ امام حسن علیہ السلام کی صلح کے بعد کا زمانہ ہے جسمیں بعض بنی ہاشم و شیعیان علی دربار معاویہ میں اُس کی طرز حکومت و مظالم عمال کی شکایت لیکر گئے ہیں اور معاویہ نے مصالح وقت کی بنا پر انکے ساتھ مراعات کی ہیں، اس قسم کے واقعات کتب تاریخ و محاضرات میں موجود ہیں۔

ان تاریخی حقائق کے بعد مرتب کتاب شہید انسانیت کا یہ تحریر کرنا کہ عقیل حضرت علی سے برگشتہ ہو گئے تھے یا حضرت سے ٹوٹ کر معاویہ سے جا ملے تھے کس قدر غلط اور بے بنیاد ہے تعجب ہے ناظم اعلیٰ ادارۂ یادگار حسینی دشمنان خاندان رسالت کے فریب و سیہ کاری سے اب تک نہ مطلع ہو سکا جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اموی پروپاگنڈہ سے شہید انسانیت کی سی کتاب بھی متاثر نظر آرہی ہے،،

عقیل جس زمانہ میں بھی معاویہ کے پاس تشریف لے گئے ہوں، لیکن اصل حقیقت یہ ہے کہ وہ ابلاغ حجت و فضائل و مناقب امیر المومنین کی اشاعت کے لئے سرزمین شام میں تشریف لے گئے تھے، نہ کہ معاذ اللہ امیر المومنین سے برگشتہ ہو کر، ملاحظہ فرمایئے

جناب شہید ثالث قاضی نور اللہ شوستری مجالس المومنین کے مجلس سوم بذکر اکابر شیعہ تحریر فرماتے ہیں۔

عقیل بغایت ظریف وخوش طبع وفصیح وحاضر جواب وعالم بانساب قریش بود و در بعضے از اسلاف قریش طعنہا کردے ومذائم ایشاں را ظاہر ساختے بنابریں اجلاف قریش ازو ملال خاطر بودند وبرد سخنان مزوّر می بستند واو را بحماقت نسبت میکردند وآں را موید بساختند بخشم کردن او از حضرت امیر ورفتن او نزد معویہ ومجالست او۔ و شیخ اجل عبدالجلیل رازی در کتاب نقض گفتہ کہ عقیل را از حضرت امیر ملالے نبود بلکہ از برائے آن نزد معویہ رفت تا ابلاغ حجت نماید وفضائل ومناقب مرتضیٰ در ولایت شام منتشر گرداند،،

یہی وہ عقیل ہیں جن کی محبت کا اظہار رسالت مآب صلعم نے ان الفاظ کے ساتھ فرمایا تھا جس کو فریقین نے نقل کیا ہے،

،، انی احبک حبین حبًا لقرابتک منی وحبًّا لما کنت اعلم من حب عمی،، اے عقیل میری محبت تمہارے ساتھ دو وجہ ہیں ایک تو اس قرابت قریبہ کی وجہ سے جو میرے اور تمہارے درمیان ہے اور دوسرے اُس محبت کیوجہ سے جو چچا ابوطالب کو تم سے تھی۔ (استیعاب فی معرفۃ الاصحاب ابن عبدالبر، وبحار الانوار مجلسی)

جناب شیخ صدوق "آمالی" میں ارشاد فرماتے ہیں۔

عن سعید بن جبیر عن ابن عباس قال علی لرسول اللہ صلعم یارسول اللہ انک لتحب عقیلاً قال ای واللہ انی لاحبہ حبین حبًّا لہ وحبًّا لحب ابی طالب لہ وان ولدہ لمقتول فی محبۃ ولدک فتدمع علیہ عیون المومنین وتصلی علیہ الملائکۃ المقربون ثم بکی رسول اللہ حتی جرت دموعہ علی صدرہٖ،،

(آمالی صدوق مجلس ۲۷ ص۲۵ طبع ایران)

سعید بن جبیر ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ علیؑ نے رسول اللہ سے دریافت کیا کہ یا حضرت آپ عقیل کو محبوب رکھتے ہیں فرمایا ہاں بخدا میں اُن کو دو وجہوں سے دوست رکھتا ہوں ایک تو ان کی ذات سے جو خاص محبت مجھکو ہے وہ ہے اور دوسرے اس لیے بھی کہ ابوطالب ان کو دوست رکھتے تھے اور اے علیؑ عقیل کا بیٹا تمہارے فرزند حسینؑ کی محبت میں شہید کیا جاویگا جس پر مومنین کی آنکھیں گریہ کرینگی اور ملائکہ مقرب اسکے لیے دعائے رحمت کرینگے اسکے بعد حضرت زار وقطار رونے لگے کہ آنسوؤں سے سینہ تر ہوگیا،،

اچھا حضرت عقیل کے متعلق مزید معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے

وعن علی کرم اللہ وجہہ ان النبی صلعم قال

حضرت علی نے فرمایا کہ رسول اللہ نے ارشاد کیا کہ ہر پیغمبر

اعطی کل نبی سبعۃ رفقاء نجباء واعطیت انا اربعۃ عشر فذکر منھم عقیلاً، | کے لیے خدا نے سات رفقا نجبا عطا کیے اور مجھے چودہ رفقا نجبا عطا کئے گئے، ان چودہ میں سے حضرت نے عقیل کا بھی نام لیا۔

(منتخب تاریخ الاسلام ذھبی، طبقۂ خامسہ مخطوطہ صفحہ نمبر ۲۷۳ در کتب خانۂ ناصر الملت طاب ثراہ)

کیا ایسا شخص جو علیؑ سے کنارہ کش برگشتہ ہونے والا ہو اس کو رسول اللہ دوست رکھ سکتے تھے نہ صرف دوست ہی بلکہ اُن کا شمار پیغمبر نے اپنے رفقاء نجبا میں کیا! یاد رکھئے کہ یہ وہ منزل ہے، جہاں!

"ہر ذرہ میں اک دل ہے ہر جادہ رگ جاں ہے"

سنبھل کر قدم رکھیئے!

(۷) کتاب شہید انسانیت کے صفحہ ۲۴۴ پر ہے "اور کہا جاتا ہے کہ ایک بھائی آپ کے اور عمر بن علی تھے جو خود اپنی خوشی سے مدینہ میں رہ گئے تھے"

معلوم نہیں کہ "شہید انسانیت" ایسی کتاب میں ایسے کمزور روایات کو کیوں درج کیا جاتا ہے، جن کے لیے "کہا جاتا ہے کہ" الفاظ کو استعمال کرنا پڑے، خود اس جملہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شہادت کس قدر کمزور ہے علاوہ ازیں درایت کے اعتبار سے بھی "فرزند امیر المومنین" کا "فرزند فاطمہ" کی مدد سے روگردانی کرنا کسی حیثیت سے بھی قابل قبول نہیں ہے:

"کہا جاتا ہے" کے سند کے ساتھ کسی فرزند علیؑ کی طرف ایسے امر کا منسوب کرنا، اُسکی انتہائی اہانت ہے نہ صرف یہی بلکہ ظلم بھی ہے۔ تعجب ہے کہ مرتب کتاب شہید انسانیت کسی "مردود" شخصیت کا احترام تو اس حد تک فرماتے ہیں کہ مقام اہانت میں اُس کا نام تک نہیں لیتے، اور اہانت آمیز واقعہ کو بغیر اُس کا نام لیے ہوئے اس طرح بیان کر دیتے ہیں کہ ناظر کتاب اس دھوکہ میں مبتلا ہو جاوے کہ کتب تاریخ و احادیث میں اس کا نام مذکور نہیں ہے جیسا کہ شہید انسانیت کے صفحہ ۲۵۹ سے ظاہر ہے جس میں مرتب نے خالد کے نام کو چھپایا ہے، حالانکہ جس ماخذ (صحیح بخاری) سے یہ واقعہ لیا گیا ہے اس میں ان الفاظ کے ساتھ نام تک موجود ہے کہ رسول اللہؐ نے ان مظالم کو سماعت فرمانے کے بعد دو مرتبہ ارشاد کیا۔ "اللھم انی ابرأ الیک مما صنع خالد مرتین"، خداوندا تیری بارگاہ میں خالد کے کرتوت سے اظہار بیزاری کرتا ہوں" اسیطرح تاریخ و احادیث کی دوسری کتابوں میں بھی خالد کا نام موجود ہے لیکن شخصیت کا یہ احترام کہ اُس کا نام نہیں

ظاہر کیا جاتا اسکے برخلاف اس مقام پر ایک غیر معتبر واقعہ کی نسبت "عمر بن علی" کی طرف دکھا جاتا ہی کی بنا پر سہی اصلح دیدیتے ہیں، حالانکہ اس واقعۂ موہومہ کے خلاف بھی "وہ کہا جاتا" ہے اور آج سے نہیں بلکہ ابتدا ہی سے، کیونکہ سب سے پہلے جس شخص نے اس "وہ کہا جاتا" کو نقل کیا ہے خود اس کے پیش نظر بھی یہ روایت موجود تھی کہ عمر بن علی بھی کربلا میں موجود تھے اسکے علاوہ علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی صاحب مناقب آل ابی طالب کا ساوسیع النظر شیعی محدث و مورخ، اور جامع اخبار و احادیث اہلبیت علامہ مجلسی صاحب بحار الانوار، وصاحب مقتل مشہور ابو مخنف، اور مورخ اہلسنت علامہ الاستاد ابو اسحق اسفرائنی صاحب کتاب نور العین فی مشہد الحسین" اور مورخ مشہور محمد بن خاوند شاہ صاحب روضۃ الصفا (جلد ۳ صـ۵۷) وسپہر کاشانی صاحب ناسخ التواریخ، وعلامہ معاصر سید محسن الامین العاملی صاحب اعیان الشیعہ وغیرہم جزم ختم کے ساتھ اس امر کو تحریر کرتے ہیں کہ عمر بن علی کربلا میں موجود تھے اور سوائے سپہر کاشانی کے تمام متذکرہ بالا حضرات نے عمر بن علی کو شہدائے کربلا میں شمار بھی کیا ہے المحدث الرجالی العلامۃ المامقانی صاحب تنقیح المقال تحریر فرماتے ہیں

قد نص ابو مخنف وابن شہر آشوب و فاضل البحار وغیرھم من ارباب المقاتل من العامۃ والخاصۃ بانہ خرج مع اخیہ الحسین من المدینۃ الی العراق وکانت معہ امہ واختہ رقیۃ وولداھا عبد اللہ ومحمد ابناء مسلم بن عقیل وبرز حیث اشتد القتال بعد صلوٰۃ الظھر اخوہ ابوبکر بن علی وبرز من بعد قتلہ اخوہ عمر بن علی وھو یرتجز ویقول ؎

مورخ ابو مخنف، علامہ ابن شہر آشوب، علامہ مجلسی انکے علاوہ شیعہ اور سنی دوسرے ارباب مقاتل نے یہ نص کیا ہو کہ عمر بن علی اپنے بھائی امام حسین کے ساتھ مدینہ سے کربلا تشریف لیگئے تھے، اور عمر بن علی کے ساتھ اس موقع پر اُن کی ماں اور اُن کی بہن رقیہ مع اپنے دونوں بچوں فرزندان مسلم بن عقیل عبد اللہ و محمد کے تھیں، اور بعد ظہر جب معرکہ کارزار گرم ہوا پہلے اُنکے بھائی ابوبکر بن علی جنگ کیلئے نکلے اور اسکے بعد انکے بھائی عمر بن علی میدان کارزار میں آئے عمر بن علی یہ رجز پڑھتے جاتے تھے،

اضربکم ولا اری فیکم زجر ۔ ذاک الشقی بالنبی وقد کفر
یا زجر یا زجر تدان من عمر ۔ لعلک الیوم تبوء من سقر
شر مکان فی حریق وسقر ۔ لانک جاحد یا شر البشر

وقاتل حتی قتل من القوم جماعۃ کثیرۃ ثم رجع الی المیسرۃ وھو یرتجز ویقول ؎

اسکے بعد خوب جنگ کی اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا، پھر میسرہ پر حملہ آور ہوئے اور یہ رجز پڑھنے لگے

خلوا عداۃ اللہ خلوا من عمر ۔ خلوا عن اللیث العبوس المکفہر

يضربكم بسيفه ولا يفر وليس فيها كالجبال المنجي
ولم يزل يقاتل حتى قتل في حومة الحرب بعد ما عقر فرسه
رضوان الله عليه (تنقیح المقال ص ۳۴۵ جلد دوم طبع نجف سنہ ۱۳۵۲)

اور اسیطرح جنگ کرتے رہے یہاں تک کہ اپنے گھوڑے کے پے ہوجانے کے بعد میدان کارزار میں قتل کردیے گئے اللہ انپر اپنی رحمت نازل کرے،،

اس سلسلہ میں یہ عرض کردینا ضروری ہے کہ زیارت ناحیۂ مقدسہ یا زیارت رجبیہ میں عمر بن علی کا نام بضمن شہدا مذکور نہ ہونے سے یہ شبہہ نہیں وارد کیا جاسکتا کہ وہ شہدائے کربلا سے نہیں ہیں اسلیے کہ تمام شہدائے بنی ہاشم کا تذکرہ ان دونوں زیارات میں نہیں کیا گیا ہے کل شہدائے بنی ہاشم کی تعداد سترہ ہے اور زیارت رجبیہ میں چودہ مذکور ہیں، زیارت ناحیہ میں سترہ اسامی شہدا تو مذکور ہیں لیکن بعض ایسے اسامی شہدائے بنی ہاشم جو زیارت رجبیہ میں مذکور ہیں اس میں نہیں ہیں اور اسیطرح بعض ایسے نام بھی ہیں جنکا ذکر زیارت ناحیہ میں ہے لیکن زیارت رجبیہ میں نہیں ہے اسلئے ان زیارات میں عمر بن علی کے نام کا نہ وارد ہونا اس امر کی دلیل نہیں ہے کہ وہ کربلا میں شہید نہیں ہوئے علاوہ ازیں بحار مجلسی یا ارشاد شیخ مفید کی اُس روایت کو بھی نہیں پیش کیا جاسکتا ہے جس میں عمر بن علی کا حضرت سید سجادؑ کے ساتھ تولیتِ اوقاف کے سلسلہ میں نزاع کرنا مذکور ہے، کیونکہ ہوسکتا ہے کہ عمر بن علی کے علاوہ جنکا کربلا میں شہید ہونا بیان کیا جاتا ہے یہ کوئی دوسرے بزرگ ہوں جیسا کہ علامۂ مامقانی نے لکھا ہے،

فلعل لامير المومنين ابنا اخر اسمه عمر فعل ذلك فلاتنافي هل
(تنقیح المقال حصہ دوم ص ۳۴۶)

ہوسکتا ہے کہ امیر المومنینؑ کے کوئی دوسرے صاحبزادے بھی ہوں جنکا نام عمر ہو جنھوں نے ایسا کیا ہو،

یہ بھی ممکن ہے کہ عمر بن علی کربلا میں شریک جنگ ہوئے ہوں لیکن شہید نہ ہوسکے ہوں جیسا کہ سپہر کاشانی نے ان بزرگ کے حالات مبارزت کو سپرد قلم کرنے کے بعد یہ تحریر فرماتے ہیں کہ،

،، در مقاتل آنکس کہ مبارزت عمر بن علی را رقم کردہ اورا در شمار شہدا آوردہ، ومن بندہ آنچہ باستقرار واستیعاب در شرح احوال اولاد امیر المومنین علیہ السلام یافتہ ام در کتاب امیر المومنینؑ نگاشتہ ام کہ عمر بن علی تواند شد کہ در کربلا حاضر بود ولکن شہید نشدہ،، (ناسخ جلد ۶ ص ۲۱۷)

دوسرے مقام پر پھر لکھتے ہیں،

"عمر الاکبر در کربلا شہید نہ شد،........ چہ باتفاق اہل سیر در یوم عاشور جہاد کردہ تواند شد کہ مانند حسن مثنی در میان کشتگاں مجروح ومطروح افتادہ آں گاہ بسلامت جستہ باشد،، (ناسخ جلد ۶ ص ۲۱۸)

کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ ارباب سیر و مقاتل کے مقابلہ میں علمائے انساب کو کیونکر ترجیح دیجا سکتی ہے کیونکہ نسابین"

ی نے عمر بن علی کے متعلق مزخرفات کو نقل کیا ہے، جبکہ ان لوگوں نے کوئی حوالہ بھی نہیں دیا ہے، بغیر کسی سلسلہ روایت کے لکھ دیا کہ "تخلف عمر من اخیہ الحسین" یا یہ کہنا کہ "ولا یصح روایۃ من روی ان عمر حضر کربلا"۔ کوئی با فہم بھی قبول نہیں کر سکتا ہے انکار کیلئے ثبوت کی ضرورت تھی مجرد انکار سے کسی واقعہ کو جھٹلایا نہیں جا سکتا ہے۔

جن لوگوں نے عمر بن علی کے کربلا میں موجود ہونے کا تذکرہ کیا ہے ان میں ابو مخنف لوط بن یحییٰ ازدی عہد معصوم کا مشہور صدوق اللہجہ، واسع العلم (کما فی الوافی بالوفیات للصفدی) علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی المتوفی ۵۸۸ھ کے جلیل القدر متقدمین مورخین شامل ہیں ان کے مقابلہ میں نسابین کی کیا اہمیت ہو سکتی ہے چاہے وہ احمد بن علی داؤدی فی ۸۲۸ھ کا سا نساب صاحب عمدۃ الطالب کیوں نہ ہو، عمدۃ الطالب میں بہت سی ایسی باتیں ملتی ہیں جن کو قصص و حکایات سے زیادہ کوئی وقعت نہیں دی جا سکتی، اور نسابین کا یہ عموماً دستور بھی ہے کہ وہ سنی سنائی غلط باتوں کو نقل کرتے رہتے ہیں اور اپنے مصالح کی بنا پر فرضی مطاعن بھی اپنے مقابل و مخالف کیلئے گڑھ لیا کرتے ہیں عمر بن علی داؤدی اعقاب حسن مثنیٰ سے ہیں اور اعقاب حسن مثنیٰ و اولاد عمر بن علی کی مخالفت و عداوت کا تذکرہ خود داؤدی نے عمدۃ الطالب میں کیا ہے، ایسی صورت میں داؤدی کا بیان جو عمر بن علی کی مخالفت میں ہو کیونکر قبول کیا جا سکتا ہے۔ مرتب شہید انسانیت سے تعجب معلوم ہوتا ہے کہ اہل سیر و مقاتل کو چھوڑ کر خرافات نسابین پر کس بنا پر اعتماد کرنے لگے، حالانکہ کتاب مذکور کی تالیف کے سلسلہ میں یہ دعویٰ کیا گیا ہے کہ اس کا ماخذ معتبر تاریخ و سیر کو قرار دیا جاوے گا اور ذاتی رجحانات (چاہے داؤدی کے رجحان کیوں نہ ہوں) کو دخل نہ دیا جاوے گا،

آخر میں یہ بھی عرض کر دوں کہ عمر بن علی کے متعلق علامہ شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی العجیلی الشافعی کا بیان بھی قابل توجہ ہے، علامہ موصوف اپنی کتاب "ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل" میں بذیل شہدائے بنی ہاشم تحریر فرماتے ہیں۔

"اما عمر بن علی بن ابیطالب فانہ قتل ایام صفین"، لیکن عمر بن علی (یہ کربلا میں نہ تھے کیونکہ اس سے پہلے ہی) جنگ صفین میں شہید ہو چکے تھے۔

ذخیرۃ المآل نسخہ عتیقہ بخط مصنف پیش حقیر ص ۱۳۵ (نسخہ دیگر)

کتابخانہ ناصر الملۃ رحمہ اللہ"،

ظاہر ہے کہ ان اختلافات کے بعد آپ کے "کہا جاتا ہے" کی کیا وقعت رہ جاتی ہے، افراد ایسے موضوعوں پر ی غیرت کے علاوہ خود مورخانہ تدین و احتیاط کا کیا تقاضا ہے، ہیں نے "ہاشمی غیرت" کی طرف اسلیے متوجہ کیا ہے پہلے آپ نے رسالہ شہدائے کربلا حصہ دوم میں بھی یہی تحریر فرمایا تھا اور راقم نے آپکی خدمت میں بعیت برادری سید علی محسن صاحب ایم اے کی معرفت

ان حقائق کو تحریری پیش کیا تھا جسکے جواب میں یہ ارشاد ہوا تھا کہ "آپ میں ہاشمی غیرت زیادہ معلوم ہوتی ہے بہر حال جب کبھی اس کا دوسرا ایڈیشن شایع ہوگا یا عمر بن علی کے متعلق کچھ تحریر کرنا ہوگا تو اس کا لحاظ کیا جائیگا" مگر افسوس کیساتھ اب یہ کہنا پڑتا ہے کہ جناب نے نہ ہم ہاشمیوں کی غیرت کا خیال فرمایا اور نہ ایفائے وعدہ کیا، انا للہ وانا الیہ راجعون! یا کم از کم بتقاضائے احتیاط وہی مسلک اختیار فرماتے جو مامقانی نے اختیار کیا ہو کہ "وبالجملۃ فانی فی حال عمر بن امیر المومنین علیہ السلام متوقف" غرضکہ عمر بن علی کے حالات کے سلسلہ میں میں متوقف ہوں،

(۸) شہید انسانیت کے ص ۵۹ پر ہے،

"علی ایسے سردار عرب اور سردار قریش کا عالی دماغ شاہزادہ یہ چاہتا تھا کہ انھیں (یعنی شہر بانو) لونڈی نہ بنایا جائے بلکہ عجم کے ملک کی شاہزادی کو عرب کی شاہزادی بننے کی عزت دیدی جائے اور اُسے خاندان رسول کے گھر کی ملکہ کا تاج پہنادیا جائے"

یہ تذکرہ جناب شہر بانو بنت یزدجرد کا کیا جا رہا ہے جبکہ وہ بقولے اسیر ہو کر خلیفہ ثانی کے دربار میں لائی گئی تھیں، بنا پر فاضل مرتب سے عرض ہے کہ بنا بر اس قول کے خود امیر المومنین نے اس موقع پر یہ خیالات ظاہر فرمائے تھے نہ کہ حسین بن علی نے ایک مورخ کا فریضہ یہ ہے کہ واقعات کو واقعات کی حیثیت سے بیان کرے، کسی تصرف کا اُسے حق نہیں ہے، یہ اور بات ہے کہ حسینؑ بھی اسی طریق کار کو پسند کرتے ہونگے جسپر اُنکے پدر بزرگوار نے عمل فرمایا، اور اصل تو یہ ہے کہ عہد عمر بن خطاب میں جناب شہر بانو کا آنا ہی معتبر نہیں ہے، اکثر محققین اہلسنت وشیعہ کے نزدیک اقرب الی الصواب یہی ہے کہ امیر المومنینؑ کے عہد خلافت میں بعزت واحترام لائی گئیں، جیسا کہ اپنے مقام پر مذکور ہے، اس اعتبار سے اس واقعہ سے جو بے محل وموقع بیان ہوا ہے کسی نتیجہ کا اخذ کرنا کس حد تک درست ہو سکتا ہے،

(۹) شہید انسانیت کے ص ۶۱ پر ہے: "اس عبرت خیز مرقع (یعنی قتل عثمان) سے ایک حساس انسان اور وہ بھی حسین ایسا بلند دماغ رکھنے والا کسقدر اہم نتائج اخذ کر سکتا تھا............ "مدینہ کے لوگوں کی بے حسی، اسلامی مرکزیت کا کمزور ہو جانا اور مسلمانوں میں نفسانیت اور خود غرضی کا دور دورہ"........" اور اسلام کے شیرازہ کی ابتری یہ سب کچھ حسینؑ نے دیکھا"

صرف واقعہ قتل عثمان سے امام حسینؑ کا ان نتائج کا اخذ فرمانا، دعوی ہی دعوی ہے، تاریخ اس دعوی کی آپکی ہمنوا نہیں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ عثمان کے قتل ہونے سے مدینہ کے لوگوں کی بے حسی کا ثبوت ملا کیونکہ ان لوگوں نے خلیفہ کی مدد نہیں کی، آپ نے تو صرف اہل مدینہ کو بے حس ہی بتلایا، لیکن معاویہ نے تو اہل مدینہ کو عثمان کا

اصلی قاتل قرار دیا ہے ایک مرتبہ معاویہ نے صاف صاف یہ کہا تھا کہ

وھم قتلۃ امیر المومنین عثمان واعداؤہ،

یہی مدینے والے عثمان کے قاتل اور انکے دشمن ہیں

(تاریخ الطبری الجزء الاول من الجملۃ الثانی ص۵ طبع جرمن)

ایک دوسرے موقع پر معاویہ نے ابن عباسؓ سے یہ کہا کہ،

خذلتم عثمان بالمدینۃ وقتلتم انصارہ یوم الجمل وحاربتمونی بصفین ولعمری لبنو تیم وعدی اعظم ذنوبًا منا الیکم اذ صرفوا عنکم ھذا الامر وسنّوا فیکم ھذہ السنّۃ،

تم لوگوں (یعنی بنی ہاشم واہلبیت رسول) نے مدینہ میں عثمان کو ذلیل و رسوا کیا اور انکی مدد نہ کی، اور جمل کے دن مددگاران عثمان کو قتل کیا اور صفین میں ہم سے جنگ کی، اپنی قسم بنی تیم و عدی (ابو بکر و عمر) ہم (بنی امیہ) سے بھی زیادہ تمہارے گنہگار ہیں اسلیے کہ انھیں نے امر خلافت کو تم سے چھینا ہے اور تمہارے لیے یہ سنت انھیں کی جاری کی ہوئی ہے

(العقد الفرید ابن عبد ربہ جلد دوم ص۱۳۴ طبع مصر)

یعنے تمہارے ساتھ بدسلوکی کا طریقہ انھیں کا ایجاد کردہ ہے۔

ابن عباسؓ نے جواب دیا،

واما خذلنا عثمان فلو لزمنا نصرہ لنصرناہ واما قتلنا انصارہ یوم الجمل فعلی خروجھم مما دخلوا فیہ واما حربنا ایاک بصفین فعلی ترکک الحق وادعائک الباطل واما اغراؤک ایانا بتیم وعدی فلو اردناھا ما غلبونا علیھا،،

(عقد الفرید جلد ۲ ص۱۳۴)

لیکن ہم لوگوں کا عثمان کی مدد نہ کرنا تو سنو، اگر ہم پر ان کی مدد کرنا فرض ہوتا تو ضرور مدد کرتے رہا یہ کہ ہم نے یوم جمل انکے انصار کو قتل کیا تو صرف اسلیے کہ جس امر میں وہ داخل ہوئے تھے وہ اُس سے نکل گئے تھے یعنے اگر نکث بیعت نہ کرتے تو ہم نہ لڑتے اور ہاں صفین میں ہم تجھ سے اسلیے لڑتے کہ تو نے حق کو ترک کر دیا اور باطل کا دعویدار رہا اور یہ جو تیم و عدی (ابو بکر و عمر) کے مظالم پر ہم کو ابھار رہے ہو تو بات یہ ہے کہ اگر ہم حکومت لینا چاہتے تو وہ ہم پر کسی طرح بھی غلبہ نہیں حاصل کر سکتے تھے،،

ابن عباسؓ کے جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل مدینہ بے حس نہ تھے بلکہ انکے نزدیک عثمان اسکے مستحق ہی نہ تھے کہ مدد کیجاتی، کیوں؟ اسکا جواب مشہور محقق اہلسنت علامہ محمد فرید وجدی مصری کے الفاظ میں سنئے،

توفی الخلیفۃ الثالث وھو عثمان رضی اللہ عنہ فلم یکن من طراز ابی بکر وعمر فی علوھما عن المؤثرات الخارجیۃ فاستولی علیہ اھلہ وعشیرتہ فاتخذ والولایات

خلیفہ سوم حضرت عثمان نے انتقال فرمایا موصوف کی حکومت ابو بکر و عمر کے طرز پر نہ تھی بلکہ موصوف پر اُن کے اپنے اہل و خاندان و اقرباء نے غلبہ پا لیا تھا کہ جنھوں نے ولایات اسلامیہ کو

الاسد نميه طعمة لهم ومضغة هو لقمة لا هو أنهم فاحتذى
يغدق عليهم الاموال مالم يسمع بمثله في ايام صاحبيه
فانكر الناس عليه ذلك كان ما كان من امر التألب عليه، ان
ان الناظر في حادثة عثمان على ما احاطها به المؤرخون
من عبارات التضليل الباعث عليه ضعف التفات لبعدها
أمراً جللاً وهي في حقيقتها امر طبيعي كان كنتيجة لازمة
لمقدمات سابقة، ونحن لا نود ان نقول بان عثمان
رضي الله عنه استحق بان يقتل ولكنا نقول انه استحق ان
يعزل ولكن الشكل العنيف الذي كانت عليه الحكومة
اذ ذاك لم يسمح الانجاد وث هذه النتيجة المحزنة
المريحة عثمان استحق ان يعزل لجملة اسباب، اولاً
الضياع هيبة الخلافة في عهده فانه كان يجترئ
رجل جهجاه على كسر العصا التي كان يتوكأ عليها وهو
على المنبر فلم يقو على معاقبته بما يستحق او بما اخافته
بحيث لا يجترئ عليه مجترئ بمثلها وقد تبين من
التاريخ الذي سردناه انه كان يصعد على المنبر
فيتوب مما فعل ويستغفر الله ثم يعود سيرته الاولى
من الخضوع لرأي فتية بني امية وفي توبته اقرار بانه
اخطأ ثم في عودته دليل محسوس على خضوعه للمسيطرين
عليه وكفى بهذا اسقاطاً لهيبة الخلافة وهي وظيفة
التي كانت تعتبر تالية لمقام النبوة، ثانياً، لوقوعه
تحت تأثير قرابته من امثال عبد الله بن سعد بن
ابي سرح وعمرو بن العاص وسعيد بن العاص و

اپنا لقمہ تر بنا لیا تھا اور خود خلیفہ نے بھی انکی خواہشات کو پورا کرنے کیلئے
اپنے تئیں انکا مطیع و منقاد بنا لیا تھا ایسی بڑی بڑی رقمیں اور عطایا
ان لوگوں کو دیجاتی تھیں جو اس سے پہلے ابوبکر و عمر کے زمانہ میں سننے
میں بھی نہیں آئی تھیں پس اسوجہ سے تمام مسلمان انکے خلاف ہو کر
بغاوت پر آمادہ ہو گئے، حضرت عثمان کے حادثہ میں جن گمراہ کن عبارتوں کو
مورخین نے اپنی جانچ پرتال کی کمزوری سے لکھدیا ہے انپر نظر کرنیوالا
بظاہر اس حادثہ کو ایک امر عظیم سمجھے گا حالانکہ یہ حادثہ دراصل ایسا
امر طبیعی تھا جو مقدمات سابقہ کا ایک لازمی نتیجہ تھا، میں یہ کہنا تو پسند
نہیں کرتا کہ عثمان رضی اللہ عنہ اسی کے مستحق تھے کہ وہ قتل کر دیے جاتے لیکن
یہ ضرور کہونگا کہ وہ معزول کیے جانے کے یقیناً مستحق تھے لیکن اسوقت
حضرت عثمان کی حکومت کا رویہ ہی ایسا ہو گیا تھا جو اس المناک نتیجہ پر
ختم ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا، عثمان کئی اسباب سے معزول کئے جانیکے مستحق
تھے اول یہ کہ انکے دور حکومت میں خلافت کی ہیبت کا بالکل ہی خاتمہ
ہو گیا تھا، حد یہ ہو گئی کہ عثمان بالائے منبر جس عصا پر ٹیک دیے ہوں اس عصا کو
ایک معمولی آدمی بڑھکر توڑ دے اور یہ اسکو سزا دینے کی قدرت بھی نہ رکھیں
تاکہ دوسروں کو جسارت نہ ہو سکے تاریخ سے یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ خلیفہ سوم
منبر پر جا کر عام مجمع کے سامنے اپنے افعال سابقہ پر توبہ و استغفار کرتے تھے
لیکن اسکے بعد چند جوانان بنی امیہ کی رائے سے پھر انھیں افعال کا ارتکاب
کرنے لگتے تھے توبہ میں خطا کا اقرار ہوتا تھا اور توبہ توڑ کے پھر خطا کا مرتکب
ہونا یہ دلیل ہے کہ جن لوگوں کا انپر غلبہ تھا انکے کس بری طرح سے مطیع و منقاد
ہو گئے تھے ظاہر ہے کہ خلیفہ کا یہ عمل ہی خلافت کی ہیبت کو بالکل ختم کر دینے والا
تھا وہ خلافت جو مقام نبوت کے لگ بھگ سمجھی جاتی تھی دوسرے یہ کہ
حضرت عثمان کا اپنے عزیزوں کے بالکل قابو و اختیار میں ہونا وہ بھی عبداللہ

ومروان بن الحكم ومعاوية بن ابو سفيان وغيرهم
وهم اما من الطلقاء الذين من رسول الله صلى الله عليه
وسلم عليهم بالعفو عند فتح مكة بعد ان كان تاريخهم
في مكافحة الدعوة الاسلامية اقبح تاريخ، واما هم
من الفتيان الذين لا حريجة لهم في الدين ولا صفة
لهم بين المؤمنين، ثالثا، لحرمانه المجتمع الاسلامي
من مكونية الاولين امثال علي بن ابي طالب وطلحة
والزبير وسعد بن ابي وقاص وابي ايوب الانصاري
وعبد الله بن عمر وغيرهم من كبار الصحابة واعتماده
على فتيان فكان يرسل الى الولايات الكبرى كمصر
وسوريه والعراقين والفرس من اولئك الغلمة
من لا يحسنون قيادة ولا يعرفون سيادة ويترك
اولئك الكاملين عاطلين بلا عمل وهم مكونوا
المجتمع الاسلامي وار واحه التي اقامته من المجتمعات
البشرية هذه الامور الثلاثة وحدها كانت كافية
لاهلاك المجتمع الاسلامي وحل الوحدة الدينية
وهي وحدها كانت كافية لحمل المسلمين على خلع
ذلك الخليفة ولكن شكل تلك الحكومة لم يكن يسمح
لهم بخلعه فحدثت الحادثة التي انتهت بقتله كان
عثمان يستطيع ان يتلافى الوقوع في شر هذه الحوادث
بتولية امثال علي وطلحة والزبير الولايات الكبيرة فان
هولاء النفر كان لهم من المقام الرفيع والسوابق
الجليلة والحب في النفوس ما كان يقيم الكافة على

بن سعد بن ابی سرح، عمرو بن عاص، سعید بن عاص، مروان بن حکم، ا
معاویہ بن ابو سفیان وغیرہ کے ایسے عزیزوں کے قبضہ میں ہونا جیا تو
ان آزاد کردہ لوگوں میں سے تھے جنکی فتح مکہ کے دن رسول اللہ نے
احسان کر کے جاں بخشی کی تھی جبکہ اُن کی تاریخ زندگی دعوت اسلامی کے
مقابلہ میں قتال کرنے کیوجہ سے بدترین تاریخ ہو چکی تھی، یا وہ چند ایسے
نوجوان تھے جنکی نہ کوئی دینی خدمات تھیں ورنہ با ایمان لوگوں میں کوئی
منزلت و وقعت تھی، تیسرے یہ کہ، اسلامی جمعیت کے ابتدائی بانیوالوں
یعنی حضرت علیؑ، طلحہ، زبیر، سعد بن ابی وقاص، ابو ایوب انصاری
عبد اللہ بن عمر وغیرہم کی تدبیر سے انکا محروم ہو جانا ہے اور بجائے
ان کبار صحابہ کے بنی امیہ کے چند چھوکروں پر اعتماد کر لینا ہے، وہ
انکو مصر، سوریہ، عراقین، فارس کے سے بڑے بڑے ممالک اسلامی کا
گورنر بنا کر بھیجتے تھے حالانکہ یہ وہ لوگ تھے جنکو قیادت و سیادت
سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا مگر مسلمانوں کے قائد و سردار یہی لوگ
بنائے جاتے تھے اور مذکرہ بالا بزرگ ہستیاں بالکل بیکار و
معطل چھوڑ دی گئی تھیں حالانکہ اسلامی جمعیت کے مدبر و بانیوالے
اور پیکر اسلام کے روح رواں یہی لوگ تھے، فقط یہی امور سہ گانہ
اسلامی جمعیت کی ہلاکت، اور وحدت دینیہ کو ختم کر دینے کے لیے
اور اس امر کے لیے بھی کہ مسلمان خلیفہ کو معزول کرنے کیلئے مجبور
ہو جاویں کافی تھی، لیکن جب حکومت نے انکو اسکا موقع ہی نہیں دیا کہ
وہ عثمان کو معزول کر سکیں تب مجبوراً یہ حادثہ پیش آیا جسکی انتہا انکے قتل پر
ہوئی، عثمان کیلئے آسان تھا کہ اس شر سے بچنے کیلئے یوں تلافی مافات کرتے
کہ علیؑ و طلحہ و زبیر جیسے لوگوں کو ولایات کبیرہ کا والی مقرر کر دیتے کیونکہ
مسلمانوں کی نگاہ میں انکا بڑا مرتبہ تھا اور انکے بڑے بڑے گذشتہ کارنامے تھے

ملا يلقى السوى ويوجد للمجتمع الاسلامي روحه المدبر
ولكن عثمان كان تحت تاثير عبد الله بن سعد ابن
ابى سرح المطعون فى دينه ومروان بن الحكم المكروه
من الناس وغيرهما من الغلمان والاحداث دون
اولئك الصحابة الاكرمين الذين استعان بهم النبى
صلى الله عليه وسلم نفسه فى تكوين الامة واستعان
بهم ابوبكر وعمر فى تقويم معوج الشؤون فكيف لا
تنحرف عنه الامة، وكيف لا تسقط مهابة الخلافة و
كيف لا يجترئ الناس عليه، ان قتل عثمان رضى الله عنه
على حسن سوابقه وفضله فى اقامة الدين وبذل نفسه
وماله فى مساعدة رسول الله يعد من الامور المرعبة
ولكن الثائرين طلبوا اليه ان يخلع نفسه فأبى فحاصروه
ليحملوه على ذلك فاصر على الاباء ثم خلوا عليه و
هددوه بالقتل فلم يزد الاباء فاستشهد فى نفسه
بذلك لما حدث، هذا رأينا ولكن اخواننا المؤلفين
الاولين كانوا ايهيون فى تعظيم الاشخاص مذهبا
لايلائم نص الدين نفسه فاستنكروا احادثة عثمان
استنكارا لم يفعله معاصروه انفسهم،،
(دائرة معارف القرن الرابع عشر والعشرين المجلد السادس
حرف العين صفحات ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳ طبع مصر)

اور مسلمان عام طور سے ان کو دوست بھی رکھتے تھے، یہ لوگ
عوام کو صحیح راستہ پر لگادیتے اور امور مملکت میں انکو شریک
کر لینے سے اسلامی جمعیت اپنی روح مدبر کو پالیتی، لیکن عثمان کی تو
یہ حالت تھی کہ وہ عبد اللہ بن ابی سرح کے سے بے دین اور مروان
بن حکم کے سے مردود خلائق اور اسی قسم کے دوسرے بنی امیہ کے چھوکروں کے
اختیار و قابو میں تھے نہ کہ ایسے صحابۂ کرام کے جن سے خود رسول اللہ نے
امت کے بنانے میں مدد لی اور جن سے ابوبکر و عمر نے بھی امور
ریاست کی درستگی میں اعانت حاصل کی، ان حالات میں
امت کیونکر نہ خلیفہ عثمان سے منحرف ہو جاتی اور خلافت کی
ہیبت کا کیونکر نہ خاتمہ ہو جاتا اور عام لوگ کیونکر نہ خلیفہ پر
جری و جسور ہو جاتے، بیشک عثمان کے سابقہ اعمال و فضل کی
بنا پر ان کا حادثۂ قتل المناک ضرور ہے، لیکن ذرا غور تو
کیجیے ان کے خلاف برانگیختہ ہونے والے تو صرف یہی مطالبہ کر رہے تھے
کہ وہ معزول ہو جاویں لیکن انھوں نے اس سے انکار کیا، تب
ان لوگوں نے مکان کا محاصرہ کیا کہ خلیفہ کو عزل پر مجبور
کر سکیں مگر خلیفہ اپنے انکار پر اڑے رہے اس وجہ سے یہ
لوگ گھر میں گھس کر ان کے پاس گئے اور قتل سے دھمکایا ڈرایا
لیکن اسپر بھی یہ انکار ہی کرتے رہے اس بنا پر خود خلیفہ عثمان نے
اپنے کو موت کا نشانہ بنا لیا اور خود سے اپنے کو ہلاک کیا،
یہ تو ہماری رائے ہے لیکن ہمارے گذشتہ برادران مورخین جو
اشخاص کی تعظیم کرتے ہیں اس مسلک کے حامی ہیں جو خود دینی تصریحات کے خلاف ہے انھوں نے تو اس حادثہ
قتل عثمان کو اس قدر ناگوار حادثہ سمجھا ہے کہ خود مقتول خلیفہ کے معاصرین نے بھی ایسا کبھی نہیں
سمجھا،

آپ کا خیال ہے کہ حضرت عثمان کے قتل ہونے سے اسلامی مرکز کمزور ہوا اور مسلمانوں میں نفسانیت اور خود غرضی کا دور دورہ شروع ہوا، حالانکہ اسلامی مرکز کو اُسی دن کافی صدمہ پہونچا تھا جس روز منصب خلافت کو اپنے مرکز سے ہٹا دیا گیا، یا خود حضرت عثمان کا عہد ہے جنکی وجہ سے ہیبت خلافت کا خاتمہ ہوا اور اسلامی شیرازہ بالکل بکھر گیا، رہا نفسانیت و خود غرضی کا دور دورہ وہ قتل کے سلسلہ میں نہیں بلکہ رسول اللہ کے انتقال کے بعد ہی سے شروع ہو گیا،

مرزا محمد سعید صاحب ایم۔ اے، آئی۔ ای۔ ایس دہلوی سابق معتمد تعلیمات حکومت ہند فرماتے ہیں۔

"مناقشہ خلافت کے مذہبی پہلو سے قطع نظر کر کے اگر اسکو محض سیاسی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاوے تو وہ عربوں کی اُسی مادہ پرستی اور عرب قبائل کی اُسی باہمی رشک و حسد کا ایک مظاہرہ معلوم ہوتا ہے جن کے ازالہ کیلئے حضرت پیغمبر تمام عمر ساعی رہے اور اگر کوئی سیاسی اصول اس مناقشہ کے اولین تصفیہ میں کارفرما نظر آتا ہے تو وہ صرف یہ اصول ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کو حتی الامکان خلافت کے منصب سے دور رکھا جاوے تاکہ اس اقتدار میں جو ان خاندانوں کو رسول اللہ کی قرابت یا کسی اور وجہ سے حاصل تھا کوئی غیر موزوں اضافہ نہ ہونے پائے" (مذہب اور باطنی تعلیم صفحہ طبع اُردو مرکز لاہور)

اس سلسلہ میں عبداللہ ابن عباس اور حضرت عمر کا ایک مکالمہ یاد آتا ہے جسکو مورخ طبری نے نقل کیا ہے، ایک مرتبہ حضرت عمر نے ابن عباس سے پوچھا کہ تم کو یہ بھی معلوم ہے کہ محمدؐ کے بعد قوم نے تم کو امارت سے کیوں دور رکھا، ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے خود جواب دینا خلاف مصلحت سمجھا اور یہ کہا کہ امیر المومنین بہتر جانتے ہونگے، یہ سنکر عمر نے جواب دیا، "کرھوا ان یجمعوا لکم النبوۃ والخلافۃ"، یہ ناگوار تھا کہ نبوت و خلافت بس تمھیں لوگوں کیلئے رہے اسلیے (ہم) قریش نے خلافت پر قبضہ کر لیا اور سچ پوچھو تو قریش کا خلافت پر قبضہ کرنا بالکل صواب اور درست ہے، ابن عباس کہتے ہیں کہ یہ سنکر میں نے کہا کہ اگر آپ غصہ سے کام نہ لیں اور بولنے کی اجازت دیں تو پھر میں بھی کچھ کہوں، ورنہ خاموش رہوں، جواب دیا کہئے، ابن عباس نے کہا کہ امیر المومنین کا یہ ارشاد کہ قریش نے بالکل صواب اور درست کیا تو یہ اس وقت بیشک صحیح ہوگا کہ قریش نے جس چیز کو اپنے لئے پسند کیا ہے اُسکو خدا بھی اُنکے لیے پسند کرتا تھا، لیکن آپ کا یہ فرمانا کہ قریش کو ناگوار تھا کہ نبوت و خلافت ایک ہی گھر (بنی ہاشم) میں رہے، تو اُن کی اس ناگواری سے کیا ہوتا ہے خداوند عالم ارشاد فرماتا ہے، ذلک بانھم کرھوا ما انزل اللہ فاحبط اعمالھم۔

یہ سنکر حضرت عمر بات کاٹتے ہوئے غصہ میں فرمانے لگے، ابن عباس افسوس کی بات ہے کہ تمھارے بارے میں مجھے بہت کچھ اطلاعات ملی ہیں جو میری ناگواری کا سبب ہیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمھاری منزلت میری نگاہ سے گر جائے

یہ سنکر ابن عباس نے جواب دیا، امیر المومنین وہ باتیں کیا ہیں مجھے بھی تو معلوم ہو، اگر وہ حق ہیں تو میری منزلت میں کمی نہ ہونی چاہیئے اور اگر خدا نخواستہ وہ باطل ہیں تو مجھ ایسے شخص کو باطل سے کیا مطلب، حضرت عمر نے جواب دیا کہ ہاں مجھے یہ خبر ملی ہے کہ تم یہ کہتے ہو کہ خلافت تم لوگوں سے ظلم و حسد کیوجہ سے چھینی گئی ہے، ابن عباس نے کہا بیشک ظلم تو کھلا ہوا ہے اسکو ہر عالم و جاہل جانتا ہے، رہا حسد کا معاملہ یہ بھی شروع سے ہوتی آئی ہے، ابلیس نے آدم پر حسد کیا، "فنحن ولدہٗ المحسودون" اور ہم بھی ایسے فرزندان آدم ہیں جن پر حسد کیا گیا، یہ سنکر حضرت عمر نے کہا، اے بنی ہاشم تمھارے حال پر افسوس ہے، تمھارے دلوں میں کینہ و حسد بھرا ہوا ہے، ابن عباس نے جواب دیا، امیر المومنین یہ آپ نے کیا ارشاد فرمایا، بھلا جس قوم کے لیے اللہ کا ارشاد ہو، "انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا" کہ اللہ نے ان سے ہر قسم کی (ظاہری و باطنی) گندگی اور نجاست کو دور کیا ہے اور پاک و پاکیزہ کیا ہے جو حق ہے پاک و پاکیزہ کرنے کا، اُسکے بارے میں آپ ایسے ناسزا و ناملائم کلمات فرمائیں کہ انکے دلوں میں کینہ اور کپٹ اور بغض و حسد ہے، ذرا ملاحظہ تو فرمائیے کہ خود رسول اللہ کا قلب مبارک بھی تو قلوب بنی ہاشم میں سے ہے، یہ سنکر حضرت عمر نے فرمایا، خیر جانے دو، دیکھو ان باتوں کو کسی دوسرے سے نہ کہنا، بس تمھیں تک رہیں، (تاریخ الطبری جلد چہارم طبع جرمن صـ ۲۷۶۹)

اسیطرح سعد بن عبادہ انصاری نے یوم سقیفہ حضرت ابوبکر سے یہ کہا تھا کہ

"انکم یا معشر المہاجرین حسد تمونی علی الامارۃ"، اے گروہ مہاجرین تم نے حکومت کے معاملہ میں ہم سے حسد کیا۔

(تاریخ الطبری صـ ۱۸۴۵ طبع جرمن)

فرمائیے ان حالات کی بنا پر امام حسینؑ نے نفسانیت و خود غرضی کے دور دورہ کو کس عہد سے ملاحظہ فرمایا ہوگا اور حسینؑ کے سے حساس اور بلند دماغ رکھنے والے نے آپ کے تحریر کردہ نتائج کو کن واقعات سے اخذ کیا ہوگا۔

(۱۰) شہید انسانیت حصہ اول کے تیسرے باب میں ۱۱ھ سے لیکر ۴۰ھ تک کے واقعات درج گئے ہیں، اس باب میں اُن تاریخی حقائق کا تذکرہ ضروری تھا جس سے واقعۂ کربلا کے علل و اسباب کے سمجھنے میں آسانی ہوتی اور تاریخ کی روشنی میں یہ معلوم ہو جاتا کہ تدریجاً کون سے ناگفتہ بہ حالات رونما ہوتے رہے جنکے انجام میں فطری طور پر واقعۂ ہائلہ کربلا ظہور پذیر ہوا، کربلا کا واقعہ صرف معاویہ ہی کے مرنے اور صرف یزید کی ولیعہدی یا تخت نشینی ہی کا نتیجہ نہ تھا بلکہ کچھ ایسے مسلسل تاریخی حقائق ہیں جنکا طبعی نتیجہ واقعۂ کربلا ہے، صرف یہ لکھدینے سے کہ "حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کا زمانہ کامیابی کیساتھ ختم ہوا" (شہید انسانیت صـ ۵۹) آپ شہید انسانیت کی سی فلسفیانہ تاریخی کتاب کو کامیابی کے ساتھ نہیں مرتب فرما سکتے ہیں آخر کسکی کامیابی حضرات شیخین کے مقاصد اور اُنکے پالیسی کی، یا اہلبیت رسول و تعلیمات اسلام کی؟ آپ کو واقعۂ کربلا کے علل و اسباب کے

ملہ حکم ظاہر و حیات رسول ہی سے ہونے لگا تھا چنانچہ صحیح ترمذی جلد دوم صـ ۵۹۳ مطبوعہ لکھنؤ ملاحظہ ہو۔ ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء ذی لہجۃ اصدق ولا اوفی من ابی ذر شبہ عیسی بن مریم فقال عمر بن الخطاب کالحاسد یا رسول اللہ فتعرف ذالک لہ قال نعم فاعرفوہ ۱۲ یعنی فرمایا رسول اللہ صلعم نے کہ نہیں سایہ ڈالا آسمان نے اور نہیں اٹھایا زمین نے کوئی بولنے والا زیادہ سچا اور زیادہ وفادار ابوذر سے جو ہمشبہ عیسی بن مریم ہے عمر بن خطاب نے حسد سے کہا یا رسول اللہ آپ انکی ایسی تعریف کرتے ہیں آپنے جواب دیا ہاں تم بھی اس کی تعریف کرو ۱۲

متعلق اُس ہاشمی مفکر کی سی فکر کو اختیار کرنا چاہیئے تھا جس سے یہ دریافت کیا گیا تھا حسینؑ کب قتل ہوئے؟

وقیل لرجل من بنی هاشم متی قتل الحسین بن علی فقال یوم سقیفہ بنی ساعدہ، ولما اصاب زید بن علی السہم واحس بالموت قال لرجل سال عنهما ابن الساٸلی عن ابی بکر و عمر، هما اقامانی هذا المقام" (کتاب الالفاظ الکتابیہ علامہ عبدالرحمن بن عیسی الہمدانی ص۲۳ الطبع بیروت ۱۸۸۵ء)

"ہاشمی" نے جواب دیا کہ حسینؑ سقیفہ بنی ساعدہ کے دن قتل کئے گئے، اسی طرح جب حضرت زید شہید بن زین العابدین تیر سے زخمی ہونے کے بعد مشرف بموت ہوئے تو فرمایا کہ کہاں ہیں جو ابوبکر و عمر کے بارے میں مجھ سے دریافت کرتے تھے وہ ہیں، انھیں دونوں کی وجہ سے ہم اس حالت کو پہونچے"،

ہاشمی مفکر یا زید بن علیؑ نے مجمل جواب دیا ہے، اس اجمال کی تفصیل ملاحظہ فرمائیے،

مرزا محمد سعید صاحب حنفی ایم. اے، آئی، ای، ایس دہلوی سابق معتمد تعلیمات حکومت ہند فرماتے ہیں۔

مناقشہ خلافت کے مذہبی پہلو سے قطع نظر کر کے اگر اسکو محض سیاسی زاویہ نگاہ سے دیکھا جاوے تو نہ عربوں کی اسی دیرینہ اور عرب قبائل کی اسی باہمی رشک و حسد کا ایک مظاہرہ معلوم ہوتا ہے جن کے ازالہ کے لئے حضرت پیغمبر تمام عمر ساعی رہے تھے اور اگر کوئی سیاسی اصول اس مناقشہ کے اولین تصفیہ میں کارفرما نظر آتا ہے تو وہ صرف یہ اصول ہے کہ بنی امیہ اور بنی ہاشم کو حتی الامکان خلافت کے منصب سے دور رکھا جائے، تاکہ اس اقتدار میں جو ان خاندانوں کو رسول سے قرابت یا کسی اور وجہ سے حاصل تھا کوئی غیر موزوں اضافہ نہ ہونے پائے"،

(بظاہر یوم سقیفہ کی کاروائی سے جسکو اولین تصفیہ کہا جاسکتا ہے، بنی امیہ حضرات شیخین سے الگ رہے اور اُنکے ہمنوا نہ تھے، لیکن شیخین کے اس اعلان کی وجہ سے کہ خلیفہ قریشی ہونا چاہیئے بنی امیہ بھی خلافت کے مستحق بن گئے تھے، اور بنی ہاشم اس دوسرے نظریہ کی بنا پر کہ نبوت و خلافت ایک ہی گھر میں نہ ہونی چاہیئے بالکل غیر مستحق سمجھے گئے تھے، عملاً خود خلیفہ اول نے ابوسفیان رئیس بنی امیہ کو اپنی حکومت میں شریک بھی کر لیا تھا اور اُسکے بیٹے یزید کو سپہ سالار لشکر اور امارت شام کا عہدہ تفویض کر چکے تھے اور حضرت عمر اپنے زمانہ میں یزید کی جگہ پر اُسکے بھائی معاویہ کو مقرر کر کے مملکت شام کو بنی امیہ کے لیے موروثی جاگیر بنا چکے تھے اسکے بعد حضرت عمر بنی امیہ کے ایک مشہور فرد حضرت عثمان کو مجلس شوریٰ میں شامل کر کے اپنے بعد کے لیے خلافت کو بنی امیہ کیلئے مخصوص کر گئے تھے، اس بنا پر یہ امر تشنہ ثبوت ہے کہ بنی امیہ کیونکر منصب خلافت سے دور رکھے گئے؟)

"حضرت ابوبکر اور حضرت عمر کی خلافت ایک فاتحانہ دور تھا جنگی مسلمانوں کی توجہ زیادہ تر خارجی واقعات میں مشغول رہی ان کی روحانی اور اخلاقی اصلاح جو اسلام کا مقصد اولین تھا بہت حد تک محدود ہو گئی اور ایرانی و رومی سلطنت کے خزائن کی حرص و آز نے عربوں کے فطری مادہ پرستی کو دوبارہ زندہ کر دیا شاید ان اسباب کی بدولت یا سیاسی مصلحت کے

تحت میں بنی ہاشم اور خصوصاً خاندان نبوت کا ادب و احترام بہت کم ہوگیا، اور جو لوگ رسول کی محبت کے دعادی میں نہایت گرمجوشی کا اظہار کرتے تھے ان کے قریب ترین عزیزوں سے سرد مہری کا برتاؤ کرنے کے عادی ہوگئے اور رفتہ رفتہ خاندان نبوت سے عوام الناس کی عقیدت اسقدر کم ہوگئی کہ علانیہ عناد و عداوت کا دروازہ کھل گیا،،

،،مسلمانوں کی فتوحات اور بلاد اسلامی کی توسیع کا عمل جاری رہا لیکن شعار اسلامی کے استحکام اور اخلاق کا کام بالکل رک گیا اور افتراق کا بیج جو رسول اللہ کے انتقال کے بعد ہی بو یا گیا تھا پھوٹ کر ایک تناور درخت بن گیا جسکے مسموم سایہ نے ملت اسلامی کے نشوونما پر نہایت مضر اثرات پیدا کئے، خاندان رسول کا احترام اسقدر کم ہوگیا کہ معرکۂ کربلا میں کوئی ظلم نہ تھا جو رسول کے نواسے اور اُن کے اقربا پر روا نہ رکھا گیا۔

،،اگرچہ علل و اسباب کے اعتبار سے جو سلوک سیدنا حسینؑ اور اُنکے اعزا و اقربا کے ساتھ حکومت وقت نے روا رکھا وہ اس سیاسی حکمت عملی کا لازمی نتیجہ تھا جس کی بنا حضرت پیغمبر کے انتقال کے بعد رکھی جا چکی تھی اور جسکا مقصد بنو ہاشم اور خصوصاً حضرت علیؑ اور اُن کے خاندان کے اثر کو حتی الامکان زائل کرنا تھا،،

(ملاحظہ ہو مذہب اور باطنی تعلیم از مرزا محمد سعید صاحب دہلوی صفحات ۱۰۶، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۵۲ الطبع اردو مرکز لاہور)

شمس العلماء حافظ نذیر احمد صاحب مغفور ،،رویائے صادقہ،، میں فرماتے ہیں۔

،،سخت افسوس کی بات ہے کہ اہلبیت نبوی کو پیغمبر صاحب کی وفات کے بعد ہی ایسے نا ملائم اتفاقات پیش آئے کہ اُنکا ادب اور لحاظ جو ہونا چاہیے تھا اُس میں ضعف آگیا اور رفتہ رفتہ منجر ہوا اس ناقابل برداشت واقعہ کربلا کی طرف جسکی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے،،

پیغمبر اسلام کے بعد وہ کون سے نا ملائم اتفاقات ہیں جو رفتہ رفتہ واقعات کربلا کی طرف منجر ہوئے اس کا تذکرہ نہایت ہی اختصار کیساتھ علامہ صدر الدین احمد الحنفی القادری البوہاری اپنی کتاب ،،روائح المصطفیٰ،، میں کرتے ہیں۔

وبعد از وفات پیغمبر صلے اللہ علیہ وسلم واقعات بسیار گذشتہ مثل معاملۂ فدک و سقط شدن حمل و وتہدید نمودن عمر خطاب بنی ہاشم را کہ در خانہ حضرت زہرا اجتماع نمودہ بودند و نالہ و شیون نمودن حضرت زہرا پیش انصار طولے دارد، ذکرش ناکردن اولی تر است، وصیت نمودن حضرت زہرا کہ ہیچکس بجنازہ او حاضر نہ شود دلیل صریح است بر آنکہ

پیغمبر صلعم کی وفات کے بعد بہت سے واقعات گذرے، جیسے فدک کا معاملہ، اور حضرت سیدہ کے حمل کا ساقط ہونا، اور حضرت عمر کا ایسے بنی ہاشم کا ڈرانا دھمکانا جو حضرت زہرا کے خانہ مبارک میں مجتمع تھے اور انصار کیسامنے حضرت سیدہ کا نالہ و فریاد کرنا، یہ سب باتیں بہت طول رکھتی ہیں جنکا نہ ذکر کرنا ہی بہتر ہو، حضرت فاطمہ کا یہ وصیت فرمانا کہ میرے جنازے پر کوئی نہ آوے دلیل صریح ہے اس بات پر کہ

حضرت زہرا آزردہ وملول از دنیا رفت الکنوں تاویل ہر چہ خواہند بکنند، الغرض از مشاجرات صحابہ عنان علم منصرف نمودیم، (روائح المصطفی ص ۳۶،۳۷ مطبوعہ مطبع احمدی کانپور ۱۳۰۵ھ)

جناب سیدہ دنیا سے آزردہ وملول خاطر تشریف لے گئیں اب اس کی تاویل جو چاہے کی جاوے لیکن حقیقت یہی ہے غرضکہ مشاجرات صحابہ تحریر کرنے سے اپنے قلم کو باز رکھتا ہوں۔

ان تاریخی حقائق کو ذکر کر دینے کے بعد کسی مزید تشریح و توضیح کی ضرورت نہیں یہ وہ امور ہیں جنکو علمائے اہلسنت نے قبول کیا ہے ان سے فلسفہ تاریخ کا طالب علم خود اپنے مقام پر نتیجہ نکال سکتا ہے کہ واقعہ کربلا کے بنیادی اسباب کیا ہوئے جیسا کہ بار بار عرض کر چکا ہوں واقعات کو کتر بیونت کے بیان کرنا یا اُسکو چھپانا ایک متین مولف و مصنف کی شان سے بالکل بعید ہے، کتاب شہید انسانیت کو اس عیب سے پاک وصاف رکھنا چاہیے تھا، یہ ایک طبع، یا یہ تالیف تھی اسکو ذاتی اغراض و مصالح کے ماتحت مرتب کرنا کچھ مناسب نہ تھا،

(۱۱) شہید انسانیت کے ص ۳۳۲ پر بضمن حالات صبح عاشور ہے کہ۔

"اور امام ایک خیمہ میں غسل و آداب طہارت ادا کرنے تشریف لے گئے"

اس جملہ میں "غسل" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، کیا کربلا میں حسین اور اُنکے اہلبیت کے لیے قحط آب نہ تھا؟ عاشور کی صبح کو غسل کے لیے پانی کہاں سے آیا؟ غالباً بربنائے تسامح یہ لفظ تحریر ہو گیا ہے لیکن عوام اس سے مبتلائے فریب ہونگے، اس لفظ کو باقی رکھنے کے لیے عراق کے چشموں کو تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، کہ سخن پروری کے لیے خیام حسینی میں کھاری پانی کے وجود کا ناکافی احتمال پیش کرنے کی کوشش کیجائے، جس ماخذ سے آپ اسکو نقل فرمارہے ہیں وہ طبری کی وہ روایت ہے جس میں صبح عاشور بریر ہمدانی و عبدالرحمن بن عبدربہ انصاری کے مزاح کے ذکر کے قبل اُس چیز کا تو ضرور ذکر ہے جسکو آپ نے "آداب طہارت" کے لفظ سے واضح کیا ہے لیکن غسل کا کوئی تذکرہ نہیں ہے یہ روایت جہاں جہاں بھی موجود ہے خواہ وہ شیعہ کتب ہوں یا سنی تواریخ کسی میں بھی غسل کا کوئی ذکر نہیں ہے اور نہ کسی ایسی چیز کا جو قحط آب کے منافی ہو اور جس سے پانی کا وجود ثابت ہوتا ہو اس میں غسل کا اضافہ آپ کے قلم کی جدت ہے سہو اسلئے نہیں کہا جاسکتا کہ یہی چیز شہید انسانیت میں ص ۳۴۶ پر بھی غسل کے ذکر کے ساتھ آپ ہی کے قلم سے درج ہے۔ اب رہا اس روایت کی وقعت تو اُس کی مہملیت و عدم صحت اسی چیز سے واضح و آشکار ہے جسکو آپ نے "آداب طہارت" کے لفظ سے مراد لیا ہے اور جسکا ذکر بلکہ اُسپر غور و فکر بھی ہم خلاف شان امامت سمجھتے ہیں نہ کہ اس کا وقوع اور وہ بھی عاشور کے ایسے قیامت خیز روز میں۔

ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسی مہمل روایت کو جس سے شان امامت پر حرف آتا ہو درج کرنے کی کیا ضرورت داعی ہوئی اور اعتراض کے بعد اُسپر اتنا شدید اصرار کیوں ہے؟ کیا اس سے یہ مقصد ہے کہ امام علیہ السلام کی تین روز کی بھوک پیاس جو تاریخ کی ایک مسلمہ حقیقت ہے غلط ثابت کر دی جائے۔ اسی لیے ہم اسپر مجبور ہوئے ہیں کہ کہ آخر کتاب میں ایک مستقل بحث امام حسین علیہ السلام اور اُنکے رفقا کی تشنگی کے متعلق بھی کریں۔

(۱۲) شہید انسانیت کے صفحہ ۲۳۵ پر ناظم ادارہ تحریر فرماتے ہیں۔

"عام طور سے حضرت امام حسین کے مقابل والی فوج کو "شامی فوج" سے تعبیر کیا جاتا ہے یہ اس اعتبار سے درست ہے کہ وہ سلطنت شام کی محکوم فوج تھی مگر یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ سرزمین کربلا پر روز عاشور اہل شام میں سے کسی ایک شخص کی بھی موجودگی ثابت نہیں ہے اور اس فوج میں کسی ایک شخص کے متعلق بھی یہ نہیں کہا سکتا کہ وہ باعتبار اصل و نسل "شامی" تھا، جتنی فوج واقعہ کربلا میں حضرت امام حسین کے سامنے موجود تھی وہ تمام تر کوفی و کوفی تھی"

معلوم نہیں کہ ناظم ادارہ تحریر کا مقصد اس فضول بیان سے کیا ہے اور کس بنا پر اہل شام کی صفائی پیش کی جا رہی ہے؟ کیا "شامی" سے مراد قدیمی باشندگان شام قبطی یا سیریائی نسل کے لوگ مراد ہیں یا وہ شامی عرب مراد ہیں جو نسل کے اعتبار سے مختلف قبائل عرب سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ عموماً شامی فوج سے مراد یہی ہے کہ جو مرکزی حکومت شام کے ماتحت تھی عام اس سے کہ نسل کے اعتبار سے وہ کہیں کے بھی ہوں۔

یہ تو ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار کسی طرح کیا ہی نہیں جا سکتا کہ عہد خلافت امیر المومنینؑ میں بنی ہاشم و خاندان رسالت کو ایسا اقتدار حاصل ہو گیا تھا جسکی وجہ سے شیعی اثرات عراق میں کسی حد تک موجود تھے جنکے مٹانے کیلئے معاویہ نے بڑی کوششیں کی بُسر بن ارطاۃ، زیاد بن سمیہ ایسے ظالموں کو عراق پر مسلط کر دیا گیا ان لوگوں نے چُن چُن کر شیعیان علی کو قتل کر ڈالا، خاص شہر کوفہ کی یہ حالت ہو گئی تھی کہ وہاں سوائے دو جانوں کے تمام شیعوں کو قتل کر ڈالا تھا، جیسا کہ عبید اللہ بن زیاد نے تفاخر و احسان کے جذبہ میں "ہانی بن عروہ شیعی" سے یہ کہا تھا کہ،

یا ھانی اما تعلم ان ابی قدم ھذا البلد فلم یترک احداً من ھذه الشیعة الا قتله غیر ابیك و غیر حجر"

(تاریخ الطبری ص ۲۴۵ طبع لیڈن)

اے ہانی کیا تم نہیں جانتے کہ ہمارا باپ زیاد جب یہاں حاکم ہو کر آیا تھا تو اُس نے یہاں ایک شیعہ بھی زندہ نہیں چھوڑا تھا سوائے تمہارے باپ (عروہ) اور حجر کے"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوفہ میں بزمانہ معاویہ شیعوں پر جو تباہی آئی اُسکے بعد یہاں صرف دو شیعہ رہ گئے تھے معاویہ اور اُس کا مشیر عمرو عاص جو دُہات عرب کے مشہور افراد ہیں، ان کی نگاہیں کوفہ کی سی اہم چھاؤنی پر بھی تھیں۔

صلح امام حسنؑ کے بعد اس چھاؤنی پر پورا پورا قابو حاصل کیا گیا، دمشق کی مرکزی چھاؤنی کو مضبوط بنانے کی اب ضرورت نہیں تھی بلکہ مملکت شام کی پوری طاقت کو کوفہ میں منتقل کر دینا ہی اصل سیاست تھی، چنانچہ سرزمین شام کی فوج کا ہیڈ کوارٹر بھی اب کوفہ ہی ہو گیا تھا اسی بنا بر حدود ممالک اسلامی میں جہاں کہیں بھی بغاوت رونما ہوتی تھی اُسکو فرو کرنے کے لیے کوفہ ہی سے فوج روانہ کی جاتی تھی، چنانچہ خود عمر سعد بھی واقعہ ہائلہ کربلا سے پہلے چار ہزار کی فوج لیکر قبیلۂ دیلم کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے ملک عجم کو جانے ہی والا تھا کہ مقام "حمام اعین" سے . . . واپس بلاکر قتل حسین کے لیے اُسکو مامور کیا گیا۔ کربلا میں عمر سعد جس فوج شامی کا سردار تھا در اصل اس میں خاص باشندگان کوفہ کی تعداد بھی بہت کم تھی، اور جو تھے بھی وہ شامی فوج سے نکلکر امام حسین کی طرف آگئے تھے چنانچہ منتخب تاریخ الاسلام ذہبی میں ہے،

وقال الذهبی "ومع عمر ثلاثون رجلاً من اهل الکوفة فقالوا الیعرض علیکم ابن بنت رسول اللہ ثلاث خصال فلا تقبلون منها شیئاً وتحولوا مع الحسینؑ فقاتلوا
اقول هذا یدل علی ان الجیش الذین قاتلوا الحسین لم یکونوا من اهل الکوفة ما خلا الثلاثین الذین تحولوا الیهؑ ویؤید قولنا انفاً ان الجیش الذین قاتلوه لیسوا هم شیعة المخلص الذین کاتبوه"

(منتخب تاریخ الاسلام ذہبی قلمی نمبر ۲۷۳ در کتب خانہ ناصر الملت رح)

ذہبی کہتے ہیں "عمر سعد کی فوج میں تیس آدمی خاص کوفہ کے بھی تھے ان لوگوں نے ابن سعد سے کہا فرزند دختر رسول تین باتیں پیش فرما رہے ہیں اور تم ان میں سے کسی کو بھی قبول نہیں کرتے، یہ کہکر یہ لوگ امام حسین کی طرف چلے آئے" (حضرت کی معیت میں جنگ کی) صاحب منتخب کہتے ہیں کہ یہ اس امر پر دلیل ہے کہ امام حسین سے جس فوج نے جنگ کی وہ اہل کوفہ (خاص باشندگان کوفہ) کی فوج تھی اور اس فوج میں سوائے ان تیس آدمیوں کے جو آخر کار امام حسین کے طرفدار ہو گئے کوئی بھی خالص کوفی نہ تھا، اور اس سے ہمارے گذشتہ قول کی تائید ہوتی ہے کہ یہ لوگ شیعیان خالص میں سے نہ تھے جنھوں نے حضرت کو لکھا تھا۔

ناظم ادارہ تحریر معلوم نہیں ہے "کوفی لوگوں" سے کیا مراد لیتے ہیں، "کوفی" کوئی قوم یا نسل یا ملت نہیں ہے، جسکے لیے کوفی و شامی کی لا یعنی بحث کی جا رہی ہے، سنئے سرزمین عراق میں کوفہ ایک فوجی آبادی تھی جہاں مختلف قبائل و سرزمین کے لوگ آکر آباد ہوئے تھے، یہ سب لوگ اس عہد کی اسلامی فوج کے سپاہی تھے جنکا کام جنگ و جدال کرنا تھا حکومت سے گھر بیٹھے تنخواہ پاتے تھے اور ضرورت کے وقت حکومت کی مدد کیا کرتے تھے، ان کا مذہب حکومت کا مذہب تھا صحیح معنوں میں یہ لوگ دنیوی و دینی معاملات میں حکومت کی پیروی کرنے والے تھے، ملاحظہ ہو کوفہ کے متعلق شبلی کیا کہتے ہیں۔

"غرض ۱۷ھ میں اس کی بنیاد شروع ہوئی اور جیسا کہ حضرت عمر نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے ہیاج بن مالک کے اہتمام سے عرب کے جدا جدا قبیلے جدا جدا محلوں میں آباد ہوئے شہر کی وضع اور ساخت کے لئے خود حضرت عمر کا تحریری حکم آیا تھا کہ شارع عام ۴۰، ۴۰ ہاتھ اور اس سے گھٹ کر ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷، ۷ ہاتھ چوڑی ہوں جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چبوترہ دے کر بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسکتے تھے اسکے ہر چار طرف دور دور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی"

(الفاروق حصہ دوم صفحہ ۶۹ مطبوعہ قومی پریس)

آگے چل کر پھر لکھتے ہیں :-

"جو قبیلے آباد کئے گئے ان میں یمن کے بارہ ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کئے گئے ان کے نام حسب ذیل ہیں - سلیم، ثقیف، ہمدان، بجیلہ، تیم اللات، تغلب، بنو اسد نخع و کندہ، ازد، مزینہ، تیم و محارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط، جهنیہ، مذحج ہوازن وغیرہ وغیرہ -" (الفاروق حصۂ دوم صفحہ ۷۰)

یہی نہیں بلکہ اس کی آبادی بڑھتی رہی، لکھتے ہیں -

"زمانہ مابعد میں اسکی آبادی برابر ترقی کرتی گئی - لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے -" (الفاروق حصہ دوم صفحہ ۷۰)

فوجی حالات کے ضمن میں آگے چل کر پھر لکھتے ہیں،

"فوجوں کے رہنے کیلئے بارکیں تھیں کوفہ، بصرہ، فسطاط، یہ تینوں شہر تو دراصل فوج کے قیام اور بود و باش کے لئے آباد ہی کئے گئے تھے"۔

"ہر جگہ بڑے بڑے اصطبل خانے تھے جنمیں چار چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز و سامان کیساتھ تیار رہتے تھے یہ صرف اس غرض سے طیار رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو ۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فوراً تیار ہو جاوے، ۲۱ھ میں جزیرہ والوں نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی تدبیر کلید ظفر ٹھیری"۔ (الفاروق حصۂ دوم صفحہ ۸۰) اس عبارت کے حوالے میں شبلی نے یہ لکھا ہے: تاریخ طبری صفحہ ۲۵۰۱ میں ہے - کان لعمر اربعة آلاف فرس عدة لکون ان کان یشتیها فی قبلة قصر الکوفة وبالبصرة نحو منھا۔ طبری کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ بصرہ کی بھی یہی حالت تھی کہ وہاں بھی ہر وقت ایسی فوج تیار رہتی تھی

پھر لکھتے ہیں:-

"چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے (الفاروق جلد دوم صـ۸۳)

یہاں بھی طبری کا حوالہ ہے، طبری صفحہ ۱۸۰۵ "وکان بالکوفة اذذاک اربعون الف مقاتل"

پھر فرماتے ہیں:-

"کوفہ، بصرہ، موصل، فسطاط، جیزہ وغیرہ میں جسقدر عرب آباد ہوگئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے، اس نیار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تاریخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ دس لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے، ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج فتوحات پر بھیجی جاتی تھی، کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی لڑنے کے قابل لسائے گئے جن میں سے چالیس ہزار باقاعدہ فوج تھی،،

حاشیہ پر شبلی لکھتے ہیں، کنز العمال جلد ۶ صـ۳۳۱، امام مالک نے مؤطا میں ۳۰ ہزار کے بجائے چالیس ہزار کی فوج بیان کی ہے۔ (الفاروق جلد ۲ صـ۸۴)

آخر میں شبلی فرماتے ہیں:-

"یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا رعب وداب قائم رہا اور فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا جسقدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف آتا گیا سب سے پہلے امیر معاویہ نے اس میں تبدیلی کی یعنی شیرخوار بچوں کی تنخواہ بند کردی، عبد الملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا۔ (الفاروق جلد ۲ صـ۸۵)

شبلی کے مذکرہ بالا تاریخی بیانات سے معلوم کیا جاسکتا ہے کہ کوفہ کی کیا حیثیت تھی اور وہاں کون لوگ آباد تھے، اور اس عظیم الشان فوجی چھاؤنی میں کس قسم کی فوج رہا کرتی تھی، اسلئے قاتلان حسین کی فوج میں یہ تلاش کرنا کہ کتنے شامی یا عراقی، یا حجازی تھے وہ بے سود ہے، دراصل یہ فوج عہد عمر کی تربیت یافتہ تھی جس سے امیر المومنین علی نالاں رہے اور یہ فرماتے رہے کہ تم نے میرے دل میں ناسور ڈالدیا (نہج البلاغہ) جس نے امام حسن کے ساتھ دغا کی اور امیر معاویہ کی معین ہوئی۔ فوجی اعتبار سے جب سب سے بڑا مرکز یہی کوفہ تھا تو سرزمین شام کی فوج بھی یہیں موجود رہی ہوگی، جس سے حسین مظلوم کو مقابلہ کرنا پڑا، اس صورت میں دمشق کی متعینہ فوج کو نقل وحرکت کرنیکی کوئی ضرورت ہی نہ تھی اسلئے دمشق میں فوجی بھرتی نہیں ہوئی اور نہ وہاں سے کوئی تازہ دم فوج ہی آئی۔ لیکن یہ کہنا کہ کوفہ کی اتنی بڑی فوجی چھاؤنی میں شامی سپاہی نہ تھے، بچوں کی سی باتیں ہیں جسکو کوئی ہوشمند تسلیم نہیں کرسکتا، تاریخیں موجود ہیں اسمیں ملاحظہ

فرمائیے کہ جب دار الخلافہ دمشق میں فوج کی ضرورت ہوئی ہے تو کوفہ ہی سے نامی فوج گئی ہے۔

(۱۳) شہید انسانیت کے صفحہ ۳۲ پر ناظم ادارہ تحریر فرماتے ہیں:۔

"مگر شیعیان کوفہ کے دامن پر اس سیاست سے یہ ایک بڑا دھبا ہوگیا کہ انھوں نے خود ہی حضرت امام حسین کو بلایا اور خود ہی آپ کے قتل پر آمادہ ہوئے"

ناظم ادارہ تحریر کا یہ ایک کھلا ہوا فریب ہے کہ کوفہ کی فوجی آبادی کو جو حکومت وقت کی مطیع و فرمانبردار تھی شیعیان علی میں شمار کر رہے ہیں، محمد حنفیہ اور عبد اللہ ابن عباس سے بہتر کوئی وہ سر نہیں سمجھ سکتا کہ کوفہ میں شیعہ تھے یا نہیں ان حضرات نے اپنے مشورے میں امام حسین سے یہ صاف صاف بتلایا تھا کہ شیعیان علی کی تعداد کوفہ میں نہیں بلکہ یمن میں ہے، چنانچہ مورخ طبری نے لکھا ہے کہ عبد اللہ ابن عباس نے بجائے کوفہ جانے کے یمن جانے کے لئے مشورہ دیا اور یہ کہا کہ "وکابیك بھا شیعة" (الطبری جز اول من جلة الثانی صـ۲۷۵ طبع جرمن) "اور یمن میں شیعۂ علی بھی ہیں"۔ اس امر سے صرف بنی ہاشم ہی نہیں واقف تھے بلکہ عام لوگ بھی جانتے تھے کہ کوفہ میں شیعیان علی نہیں ہیں، عبد اللہ بن سلیم اسدی اور مذری بن شمعل اسدی نے یہی تو کہا تھا کہ لیس لك بالکوفة ناصر ولا شیعة بل تخوف ان تکون علیك (الطبری صـ۲۹۲)، کوفہ میں نہ کوئی آپ کا شیعہ ہے اور نہ کوئی مددگار بلکہ مجھ کو خوف ہے کہ وہ لوگ تو بر سر پیکار ہو کر آپ کے کھلم کھلا مخالف ہونگے، بے شک کوفہ کے سے بڑے شہر میں گنتی کے چند شیعہ بھی تھے لیکن ان شیعیان کوفہ نے تو سرفروشی کا جو مظاہرہ کیا ہے اسکی مثال دنیا میں نہیں مل سکتی، خاص کوفہ میں ہانی بن عروہ، محمد بن کثیر، قیس بن مصہر، عبد الاعلی الکلبی، عمارۃ بن صلخب ازدی، نے جان دی، اسی طرح رشید ہجری و میثم تمار کو بھی قتل کیا گیا (یہ دونوں حضرات امام حسین کے داخلۂ عراق سے دس دن پہلے کوفہ میں شہید کیے گئے)، مختار و عبد اللہ بن حارث کو پابند سلاسل کر کے مقید کر دیا گیا، مگر باوجود اس ظلم و تشدد اور دار و گیر کے چند نفوس قدسیہ راستوں کی ناکہ بندی کو توڑ کر نہ معلوم کس طرح ایک ایک کر کے امام حسینؑ سے ملحق ہو گئے اور حسب وعدہ اپنی جانیں فرزند رسولؐ پر فدا کر دیں، ان گنتی کے شیعیان کوفہ میں سے جو حضرت کے ہمراہ رکاب روز عاشور شہید ہوئے یہ حضرات تھے حبیب ابن مظاہر اسدی، عابس بن ابی شبیب، سعید بن عبد اللہ، عبد الرحمن بن عبد اللہ، ابو ثمامہ صیداوی، مسلم بن عوسجہ، بریر ہمدانی، نافع بن ہلال، عبد اللہ بن عمیر کلبی، طرماح بن عدی رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ یہی وہ کوفہ کے شیعہ تھے جن کی وفاداری پر امام حسین نے فخر فرمایا ہے۔ ہاں سلیمان بن صرد صحابی رسول، مسیب بن نجبہ، اور رفاعہ بن شداد اپنے کو کسی طرح بھی امام کی خدمت میں نہ پہنچا سکے اور نہ معلوم کیونکر پوشیدہ رہکر ابن زیاد کے

شر سے محفوظ رہے، مگر تاریخی حیثیت سے ان دوستداران اہلبیت کا پیچ جانا بہت زیادہ مفید ہوا۔ مختار کے کارنامے اور مقام "عین الوردہ" کی جنگ ان کے خلوص اور نیتوں کا پتہ دے رہی ہے۔

دراصل شیعیان کوفہ یہ تھے جنکا تذکرہ کیا گیا اور جنکی وفاداریاں تاریخ کے صفحات میں جلی حرفوں میں درج ہیں وہ کوفی اور ہیں جو اپنی بے وفائی میں ضرب المثل ہیں۔ زید شہید یحیٰی بن زید کے حالات کو ملاحظہ فرمایئے۔ آپ کو معلوم ہوگا کہ بڑے فقہاء و مجتہد وقت تھے جنھوں نے زید و یحییٰ کی حمایت میں فتویٰ دیا لیکن وقت پڑنے پر کسی نے بھی وفاداری نہ کی۔ (تفصیل کے لئے مقاتل الطالبین ابو الفرج اموی ملاحظہ ہو)

کیا کہنا فقہاء کا حق کے مقابلے میں ہمیشہ یہ باطل ہی کی حمایت کرتے ہیں اور دنیائے دنی کی محبت میں کیسے کیسے فتاوی صادر کرتے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانے میں

تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانے میں

(۱۴)۔ کتاب شہید انسانیت حصہ سوم میں واقعہ کربلا کے نتائج کا تذکرہ ہے اس حصہ کے نویں باب "تبدیل ذہنیت" کے ضمن میں بصفحہ ۶۱۶ و ۶۱۷ ناظم ادارہ تحریر ارشاد فرماتے ہیں۔

"سب سے پہلے یہ دیکھئے کہ حضرت امام حسین کا مقابلہ جس جماعت سے تھا اسکا مذہبی مسلک کیا تھا؟ پیغمبر اسلام کی وفات کے بعد تین خلافتیں اس طرح گزریں کہ ان کے بارے میں اصولی اختلاف کتنے بھی ہوں مگر ان میں خانہ جنگی کی صورت پیدا نہیں ہوئی، حضرت عثمان کی وفات کے بعد جمہور مسلمین نے حضرت علی ابن ابی طالب کو خلیفہ چہارم تسلیم کیا لیکن شام کی حکومت نے آپ کی بیعت نہیں کی بلکہ امیر شام خود مدعی خلافت تھے اور شام کے مسلمانوں نے ان سے بیعت کی، حضرت علی کے طرفداروں میں اور شام والوں میں معرکہ آرائیاں ہوئیں جن میں ایکطرف "شیعہ علی" تھے اور دوسری طرف اتباع بنی امیہ، پہلی جماعت "علویین" اور دوسری جماعت "عثمانیین" بھی کہلاتی تھی کچھ تھوڑے وہ تھے جو اصولی طور پر پہلی خلافتوں سے بھی اختلاف رکھتے تھے اور اس لئے اصطلاحی طور پر "شیعہ مذہب" رکھتے تھے لیکن زیادہ تر وہی تھے جو پہلی خلافتوں کو تسلیم کرتے ہوئے حضرت علی کو خلیفہ رابع کی حیثیت سے تسلیم کر رہے تھے، یہ سب بنی امیہ کے مقابلہ میں اپنے کو "شیعہ علی" کہنا فخر سمجھتے تھے۔ ان کے بالمقابل شام کی سلطنت اور اس کے ہواخواہ تین خلفاء کے بعد معاویہ کو خلیفہ جانتے تھے اور حضرت علی کو کسی درجہ پر بھی ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔ صفین کا معرکہ ان ہی لوگوں سے تھا امام حسن کی جنگ ان ہی سے تھی۔ کربلا کا جہاد ان ہی کے مقابلہ میں تھا۔

لیکن اب ! اب مسلمانوں میں جو بھی فرقے ہیں وہ شیعہ اور سنی یہ دونوں اسی گروہ کی شاخیں ہیں جو بنی امیہ کے مقابل میں اپنے کو "شیعہ علی" کے نام سے موسوم کرتا تھا اور اسی لیے یہ تمام حضرت علی کی خلافت پر کسی نہ کسی منزل میں جا کر متفق ہیں، خوارج کا بھی وجود ہے، یہ بھی شیعہ علی کے اندر کا وہ گروہ ہے جو تحکیم کے معاملہ پر حضرت علی سے منحرف ہوگیا تھا ان کا وجود اب تک باقی ہے۔ لیکن شیعہ بنی امیہ یا عثمانی یعنی وہ گروہ جو حضرت عثمان کے بعد براہ راست معاویہ کو خلیفہ مانتا ہو اور پھر یزید کو، اس لئے اہلبیت رسول کے ساتھ کوئی تعلق ہی نہ رکھتا ہو۔ یہ مذہب آج روئے زمین پر موجود نہیں ہے یعنی وہ مذہب جو حضرت امام حسین کے مقابل میں برسر جنگ تھا دنیا سے نابید ہوگیا۔ اس طرح کہ اس کا نام و نشان بھی باقی نہیں رہا۔"

اس مضطرب و پر فریب عبارت سے حسب ذیل امور کا اثبات ہوتا ہے جو سراسر لغو و غلط ہیں:-

(۱) خلفائے ثلاثہ کے دور میں خانہ جنگی نہیں ہوئی

(۲) کربلا کا جہاد صرف ایسے لوگوں سے ہوا تھا جو "حضرت علی کو کسی درجہ پر ماننے کے لئے تیار نہ تھے۔

(۳) خوارج شیعوں کی ایک شاخ ہے۔

(۴) عصر حاضر کے شیعہ اور سنی یہ دونوں مختلف فرقے دراصل اس گروہ کی شاخیں ہیں جو بنی امیہ کے مقابل میں اپنے کو شیعہ علی کہتا تھا۔

پہلے امر کے متعلق صرف اسی قدر کہنا کافی ہے کہ دور اول میں قبائل عرب جنکا مسلمان ہونا ثابت ہے اور جن کو تاریخ میں مانعین زکوٰۃ کے نام سے یاد کیا گیا ہے کیا ان سے خانہ جنگیاں نہیں ہوئیں کیا مالک بن نویرہ کے سے صحابی رسول جنکو پیغمبر نے عامل زکوٰۃ مقرر کیا تھا اس خانہ جنگی میں بظلم و ستم "سیف اللہ" کی تلوار سے نہیں قتل کئے گئے، آخر دور اول کے وہ مسلمان جو خلیفہ کی حکومت کو نہ تسلیم کرنے کیوجہ سے زکوٰۃ نہیں دیتے تھے ان سے خلیفہ کی فوج برسر پیکار نہیں ہوئی، کیا وہ لوگ صرف اس آواز کے بلند کرنے سے کہ "لا نبایع ابا الفصیل" ہم ابوبکر کی بیعت نہ کریں گے، بری طرح نہیں قتل کیے گئے، آخر تاریخوں میں جو یہ مذکور ہے کہ کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا گیا کچھ لوگوں کو پہاڑ پر سے ڈھکیل دیا، کچھ لوگوں کو پتھر سے کچل کر مار ڈالا، یہ خانہ جنگی کا نتیجہ نہ تھا، اس خانہ جنگی کا مختصر تذکرہ بحوالہ تاریخ کسی دوسرے مقام پر عرض کر چکا ہوں، دہراتے کی ضرورت نہیں ہے۔ اور کیا حضرت عثمان کا حادثہ قتل خانہ جنگی کا نتیجہ نہ تھا، آخر یہ "خانہ جنگی" کا مفہوم آپ کے نزدیک کیا ہے، کیا خانہ جنگی صرف وہی ہے جس میں اہلبیت رسول اور بنی ہاشم برسر پیکار ہوں جبھی تو خلفائے ثلاثہ کے دور کو مستثنی کر کے عہد خلافت علی میں خانہ جنگی کا اثبات کیا جارہا ہے۔

امراول کی طرح بقیہ امور ثلثہ بھی تاریخی حیثیت سے بالکل غلط ہیں تفصیل اس مطلب کی یہ ہے کہ ہم کو سب سے پہلے یہ سمجھنا چاہئے کہ "تشیع" کیا ہے اور رسول اللہ کے بعد مختلف فرقے کیونکر وجود میں آئے۔

العلامۃ الامام الشیخ شمس الدین محمد بن ابراہیم بن ساعد الانصاری السنجاری المتوفی ۷۴۹ھ لکھتے ہیں۔

الشیعۃ، وھم الذین شایعوا علیاً وقالوا بامامتہ نصاً ووصیۃ ویرون ان الامامۃ لیست قضیۃ مصلحیۃ تناط باختیار العامۃ ویقولون بعصمۃ الائمۃ والتولی والتبری الا فی حال التقیۃ منھم (ارشاد القاصد الی اسنی المقاصد صـ ۵۶ طبع بیروت)

شیعہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے حضرت علی کی پیروی کی اور باعتبار نص اور وصیت کے آپ کی امامت وخلافت کے قائل ہیں، ان کا عقیدہ یہ ہے کہ امامت کوئی مصلحتی قضیہ نہیں ہے جو عام لوگوں کے اختیار میں ہو۔ یہ لوگ ائمہ کی عصمت کے قائل ہیں اور سوائے تقیہ کے تولا وتبرا کے علانیہ معتقد ہیں۔

اسی طرح شرح مواقف صـ ۷۵۲ طبع نولکشور میں ہے۔

الشیعۃ ای الذین شایعوا علیاً وقالوا انہ الامام بعد رسول اللہ بالنص اما جلیاً واما خفیاً واعتقدوا ان الامامۃ لا تخرج عنہ وعن اولادہ۔

شیعہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے بعد رسول علی کی پیروی کی اور جو یہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے بعد باعتبار نص کے وہ امام ہیں چاہے نص جلی ہو یا نص خفی اور امامت کو حضرت علی اور ان کی اولاد میں منحصر سمجھتے ہیں۔

علامہ شیخ عبدالکریم شہرستانی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں۔

الشیعۃ ھم الذین شایعوا علیاً علی الخصوص وقالوا بامامتہ وخلافتہ نصاً ووصایۃً اما جلیاً واما خفیاً واعتقدوا ان الامامۃ لا تخرج من اولادہ وان خرجت فبظلم من غیرہ او بتقیۃ من عندہ قالوا ولیست الامامۃ قضیۃ مصلحیۃ تناط باختیار العامۃ وینتصب الامام بنصبھم بل ھی قضیۃ اصولیۃ ھو رکن الدین لا یجوز للرسول علیہ السلام اغفالہ واھمالہ ولا تفویضہ الی

شیعہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے علی علیہ السلام کی پیروی کی اور آپ کی امامت وخلافت کے قائل ہیں باعتبار نص بھی اور باعتبار وصیت بھی خواہ نص جلی ہو یا خفی، ان کا اعتقاد یہ ہے کہ امامت کبھی اولاد علی سے خارج نہ ہوگی اور اگر کبھی خارج ہو تو یا ظلم کی وجہ سے خارج ہوگی یا تقیہ کی وجہ سے ہوگی (اس سے مراد حکومت ظاہری ہے نہ کہ اصل امامت جو کہ ولایت مطلقہ الٰہیہ ہے) ان کے نزدیک امامت کوئی مصلحتی قضیہ نہیں ہے جو عام لوگوں کے اختیار میں

العامة وارسالہ دبجمعهم القول بوجوب التعيين والتنصيص وثبوت العصمة للائمة وجوبا عن الكبائر والصغائر والقول بالتولي والتبري قولاً وفعلاً وعقداً الا في حال التقية

ہو اور امام ان کے نصب کرنے سے منصوب ہو جائے بلکہ امامت ایک اصولی قضیہ ہے جو رکن دین ہے، پیغمبر کیلئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ فریضۂ نصب امام سے غافل ہو یا اسے ترک کرے یا اسے عام لوگوں کے ہاتھوں میں دیدے، بہرحال وہ امام کے تعیین کے قائل ہیں اور اس بات کے بھی قائل ہیں کہ وہ تمام گناہان کبیرہ وصغیرہ سے معصوم ہوتا ہے وہ تولا وتبرا کے قائل ہیں باعتبار قول وفعل وعقد کے سوائے تقیہ کی حالت کے ،،

یہ معلوم کرنے کے بعد کہ شیعہ کس کو کہتے ہیں اور در اصل تشیع کیا ہے، اب تاریخ وسیر پر نظر ڈالیئے،

حیات رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں مسلمانوں میں بظاہر کوئی انتشار نہیں پیدا ہوا تھا جس سے کوئی فرقہ پیدا ہوتا، تاریخی شہادتوں کی بنا پر یہ ضرور ثابت ہے کہ رسول اللہ نے اپنے بعد کیلئے علی ابن ابی طالب کو مختلف موقعوں پر خلافت کیلئے نامزد کیا تھا، اسکی وجہ سے حیات رسول ہی میں ایسے لوگ موجود تھے جنکا رجحان تھا کہ پیغمبر کے بعد علی اونکی جانشینی کیلئے احق ہیں، جو لوگ علی کو نہیں پسند کرتے تھے انکو بھی اس کا کافی شبہ ہو گیا تھا کہ کہیں رسول کسی خاص تحریر کے ذریعہ منصب خلافت کو علی کیلئے مخصوص نہ کر جائیں، اسی لئے جب پیغمبر نے اپنی علالت کے آخری زمانہ میں ایک ایسی تحریر لکھنے کے لئے جس کے بعد مسلمان گمراہ نہ ہوسکیں قلم ودوات طلب کیا تھا تو بقول علامہ شہرستانی صاحب ملل ونحل "مسلمانوں میں اول اختلاف پیدا ہو گیا،، کیونکہ مانعین کتابت کے اس گمان کیلئے کافی اسباب تھے کہ ایسا نہ ہو کہ علی کیلئے تحریری وصیت نہ لکھدی جاوے، صرف نامزدگی یا وصیت ہی نہیں۔ بلکہ خود علی بھی کمالات وصفات کے ایک ایسے مظہر تھے جسکی وجہ سے عہد رسول ہی میں ایک ایسا گروہ بھی پایا جاتا تھا جو علی کی محبت کا دم بھرتا تھا یہی محبت کرنے والا گروہ خود رسول اللہ کے زمانہ ہی میں شیعۂ علی کے نام سے موسوم ہو گیا تھا، چنانچہ امام ابوحاتم رازی کتاب الزینہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

ان اول اسم ظهر في الاسلام على عهد رسول الله هو الشيعة، وكان هذا لقب اربعة من الصحابة وهم ابوذر، وسلمان الفارسي، والمقداد بن الاسود وعمار بن ياسر الى ان آن اوان صفين فاشتهر بين موالي علي، واشتهر من كان من اتباع معاوية بالسنية

پہلا نام جو اسلام میں زمانہ رسالتمآب میں ظاہر ہوا وہ شیعہ ہے اور یہ صحابہ میں سے چار اشخاص ابوذر، سلمان، مقداد اور عمار کا لقب تھا یہاں تک کہ جنگ صفین کا وقت آیا اسوقت یہ نام دوستداران علی کیلئے اچھی طرح مشہور ہو گیا اور پیروان معاویہ سنی کے نام سے مشہور ہوئے۔

اسی بنا پر علامہ شہاب الدین احمد بن عبد القادر الحفظی الشافعی فرماتے ہیں،۔

والصحابۃ رضی اللہ عنہم کانوا فی اعلیٰ مراتب التشیع — صحابہ تشیع کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔

پھر علامہ موصوف علامہ الشیخ محمد شارح دلائل الخیرات کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں۔

وھو صلی اللہ علیہ والہ وسلم رأس اھل البیت واصحابہ رؤس الشیعہ — خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم رأس اہلبیت تھے اور اصحاب رسول رؤس شیعہ تھے۔

اسکے بعد مزید تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں،۔

فکان عمار بن یاسر وخزیمۃ بن ثابت ذو الشہادتین وسعد بن عبادہ وولدہ قیس واویس القرنی وغیرھم من اکابر الصحابۃ اول من شید ارکان التشیع (ذخیرۃ المآل فی شرح عقد جواہر اللآل للحفظی) — عمار بن یاسر، خزیمہ بن ثابت ذو الشہادتین، سعد بن عبادہ انصاری و قیس بن سعد وغیرہ اور اویس قرنی انکے بعد دوسرے اکابر صحابہ یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے سب سے پہلے ارکان شیعیت کو مضبوط کیا۔

لیکن عہد رسول میں جانشینیٔ علیؑ کے متعلق یہ خیال صرف رجحان کی حیثیت رکھتا تھا گو کہ اس رجحان کے رکھنے والے متعارف ہو چکے تھے، ہاں وفات رسول کے بعد منصب خلافت کے معاملہ میں تین گروہ پیدا ہو گئے۔

(۱) پہلا گروہ وہی تھا جو منصب خلافت کیلئے امیر المومنین علیؑ کو مخصوص واحق سمجھتا تھا، یہ نظریہ شیعہ جماعت کا تھا، جس کے سرگروہ بنی ہاشم اور مؤید صحابہ کی ایک جماعت تھی جسکے راس رئیس مقداد، ابوذر غفاری، عمار اور سلمان تھے ان کا خیال یہ تھا کہ امیر المومنین امام مفترض الطاعہ اور رسول کے خلیفہ بلا فصل ہیں جنکی بیعت واجب اور اس سے تخلف ناجائز ہے، علامہ احمد امین المصری اپنی کتاب فجر الاسلام میں لکھتے ہیں۔

"شیعوں کا پہلا تخم وہ جماعت تھی جو نبی صلعم کے وفات کے بعد یہ خیال کرتی تھی کہ اہلبیت سب سے زیادہ خلافت کے حقدار ہیں اور اہلبیت میں سب سے زیادہ اولیٰ عباس عم نبیؐ اور علی ابن عم رسولؐ ہیں اور علی عباس سے اولیٰ ہیں جیسا کہ سابق میں ہم بیان کر چکے ہیں عباس نے خود علیؑ سے خلافت کے بارے میں نزاع نہیں کی بلکہ اولیٰ بالمیراث ہونے میں فدک کے بارے میں نزاع کی تھی،، (فجر الاسلام ص ۳۱۷ طبع مصر)

اسی طرح علامہ محمد عبد اللہ عنان ،، تاریخ الجمعیات السریہ والحرکات الفکریہ،، میں فرماتے ہیں۔

"شیعہ عرف کلام میں علیؑ اور انکی اولاد کے اتباع ہیں اور انکو شیعہ اہلبیت بھی کہا جاتا ہے، یہ کتنا غلطی ہے کہ شیعہ پہلی مرتبہ خوارج کے اختلاف کے وقت ظاہر ہوئے اور انکو شیعہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت

علیؑ کے طرفدار رہے، بلکہ شیعۂ علیؑ وفات رسول ہی کے زمانہ سے ظاہر ہوگئے تھے جیسا کہ ہم ذکر کر چکے ہیں اور وہ موقعہ اور فرصت کے منتظر و تلاش میں تھے۔ یہانتک خلافت علیؑ کو مل گئی ،، (تاریخ الجمعیات السریہ ص ۲۶ طبع مصر)

غرضکہ عہد رسالتمآب صلعم کے شیعی رجحانات پیغمبر کی وفات کے بعد کھل کر سامنے آگئے اور صفحات تاریخ پر یہ گروہ مستقل حیثیت سے باقاعدہ نظر آنے لگا۔

(۲) دوسرا گروہ ابوبکر و عمر کا تھا یہ خلافت کو اہلبیت اور علیؑ کے لئے مخصوص نہیں سمجھتا تھا بلکہ اس کو عموماً تمام قریش کے ساتھ مخصوص سمجھتا تھا، اپنے اسی نظریہ کی تائید میں سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کے مقابلہ پر قریش کے فضائل بیان کرتے ہوئے ،، الائمۃ من قریش ،، کو حجت میں پیش بھی کیا گیا تھا اور اسی حجت سے شیخین نے اولین تصفیہ خلافت میں کامیابی بھی حاصل کی،۔

(۳) تیسرا گروہ ایسے انصار کا تھا جو یہ کہتے تھے کہ جب خلافت کو اہلبیت سے ہٹایا جارہا ہے تو پھر کسی گھر یا خاندان سے مخصوص نکرنا چاہیئے ہر کلمہ گو اس کا استحقاق رکھتا ہے۔ اور چونکہ ہم مؤید اسلام اور انصار رسول ہیں اسلئے ہم سے زیادہ سزاوار خلافت اور کوئی نہیں ہے، دراصل خلیفہ ہمیں سے ہونا چاہیئے، لیکن یہ گروہ ہنگامی تھا جو ابوبکر کی خلافت قائم ہوجانے کے بعد تقریباً ختم ہوگیا تھا، اس لئے صرف دو ہی گروہ رہ گئے تھے۔

(الف) علیؑ اور بنی ہاشم مع اپنے شیعوں کے،

(ب) خلفائے ثلثہ اور اونکے متبعین جنھوں نے پہلے گروہ کے خلاف اجماع کے نام سے خلافت کو حاصل کیا تھا، اور اسی وجہ سے یہ گروہ اہل اجماع کہلایا۔

عثمان کے آخری دور خلافت میں متذکرۂ بالا دوسرے گروہ یعنی خواہل اجماع و متبعین خلفا ہی ہیں سے ایک ایسا گروہ پیدا ہوا جس نے خلیفہ ثالث پر خروج کیا اور انکو خاطی قرار دیکر یہ مطالبہ کرنے لگا کہ خلیفہ اپنے اعمال سابقہ سے توبہ کرکے ان افعال سے باز آویں، اگر ایسا نہ کریں تو معزول ہونا پسند کریں، لیکن خلیفہ نے ان دونوں باتوں کو نہ مانا، توبہ کرکے پھر انھیں افعال کے مرتکب ہوتے تھے اور معزول ہونے کو آمادہ نہ تھے اسکا نتیجہ یہ ہوا کہ اس گروہ خارجی نے خلیفہ کو خود انکے مکان کے اندر ہی قتل کرڈالا۔ یہ ضرور ہے کہ حق کو قائم کرنے کیلئے محمد بن ابوبکر، و مالک اشتر کے سے شیعیان علیؑ بھی مخالفین عثمان کی مدد کرنے میں پیش پیش رہے۔ لیکن یہ وہ لوگ تھے جنھوں نے خلفائے ثلثہ کو کبھی تسلیم نہیں کیا تھا جس بنا پر انکو خارجی کہا جاسکے۔ ابن ساعد الانصاری السنجاری خارجی کی تعریف کرتے

وغیرہ وھم طوائف یجتمعون علی التبری من علیؑ وعثمان ویکفرون اصحاب الکبائر"

اور ان کے کئی گروہ ہیں لیکن سب کے سب علیؑ اور عثمان سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں اور صاحبان کبائر کو کافر سمجھتے ہیں

(ارشاد القاصد، للعلامہ شمس الدین محمد بن ابراہیم بن ساعد الانصاری ص۵۹ طبع بیروت)

خوارج شیخین کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں اور ان کے اسوہ کو قابل عمل قرار دیتے ہیں مگر عثمان اور حضرت علیؑ سے بیزاری ظاہر کرتے ہیں، یہ گروہ خلیفہ سوم عثمان ہی کے عہد میں پیدا ہوا اور در اصل "اہل اجماع و شوریٰ" ہی کی ایک شاخ ہے، اس گروہ نے شیخین کی خلافت کو قبول کرنے کے بعد، انصار "کے اس نظریہ کو بھی تسلیم کر لیا کہ خلافت کو کسی گھر یا خاندان سے نہ مخصوص رہنا چاہیئے بلکہ امامت تمام بنی آدم میں عام ہے اور انسانوں میں ہر وہ شخص امام ہونیکا مستحق ہے جو قائم بالکتاب والسنّہ ہو، اس تعمیم پر "ان اکرمکم عند اللہ اتقکم" کو پیش کرتے ہیں (بلکہ خوارج کی ایک شاخ فرقہ نجدیہ نے اور زیادہ فراخدلی سے کام لے کر یہ کہدیا کہ امت کو امام کی ضرورت ہی نہیں بلکہ ہمکو اور تمام مسلمانوں کو لازم ہے کہ کتاب خدا کو اپنے مابین قائم کر لیں، فرقہ نجدیہ کے یہ مہمل خیالات بدقسمتی سے اب ہندوستان میں بھی وہابیوں اور مسلمانوں کے بعض تجدد پسند افراد کی ہم آہنگی کے ذریعہ رواج پا رہے ہیں جنکو موجودہ زمانہ کی فکر بتایا جا رہا ہے، خدا اس شر سے محفوظ رکھے) لیکن اس عدم تخصیص کے نظریہ کو زیادہ رواج نہ ہوا، اسلئے کہ قریب قریب تمام امت اسلامی اس پر متفق تھی کہ خلافت قریش ہی میں رہے اگرچہ خود قریش میں تعمیم و تخصیص کا اختلاف تھا کہ تمام قریش میں رہے یا صرف بنی ہاشم میں۔

عثمان کے قتل کے بعد عام "اہل اجماع و شوریٰ" نے جس میں خوارج کا وہ گروہ بھی شامل تھا جس نے خود عثمان کو قتل کیا تھا ان تمام لوگوں نے ملکر حضرت علیؑ کی خلافت پر اجماع کیا اب عموم مسلمین نے حضرت علیؑ کو چوتھا خلیفہ تسلیم کیا، اسی طرح جس حیثیت سے خلفاء ثلثہ کی خلافت کو تسلیم کر چکے تھے نہ کہ شیعوں کے عقیدہ نص و وصیت کی بنا پر لہذا اب بظاہر حضرت علیؑ کی خلافت پر ہر پارٹی نے اجماع کیا یعنی شیعہ تو پہلے ہی سے خلیفہ بلافصل تسلیم کرتے ہی تھے۔ اب خلفائے ثلثہ اور شیخین کے ماننے والوں نے بھی جس میں عموم مسلمین اور خوارج سبھی شامل تھے۔ اجماعی طور سے حضرت علیؑ کو خلیفہ مان لیا، البتہ معدودے چند ایسے لوگ بھی تھے جنھوں نے حضرت علیؑ کی بیعت نہیں کی۔ غرضکہ قتل عثمان کے بعد اب مندرجہ ذیل فرقے ہو گئے۔

(۱) وہ فرقہ جس نے حضرت علیؑ کی اطاعت و حکومت کو تسلیم کیا، جس میں:۔

(الف) شیعیان علی، اور

(ب) اہل اجماع وشوریٰ مع ان خوارج کے جنھوں نے عثمان کو قتل کیا تھا شامل تھے۔

(۲) وہ مختصر جماعت جس نے حضرت علیؑ کی بیعت سے روگردانی کرکے کنارہ کشی اختیار کی، یہ گروہ بظاہر نہ حضرت علیؑ کا طرفدار تھا اور نہ حضرت کے مخالفین کا (معاویہ وغیرہم) بلکہ بقول اپنے اس گروہ نے فتنہ سے اعتزال (کنارہ کشی) کیا تھا۔ اسی وجہ سے تاریخ میں اس گروہ کو معتزلہ کے نام سے یاد کیا گیا ہے (ایک عرصہ کے بعد اس نام کا پھر ایک فرقہ مستقل طور پر پیدا ہوا جس کا ذکر آگے آویگا) کنارہ کش گروہ معتزلہ میں یہ لوگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر خطاب، محمد بن مسلمہ انصاری، اسامہ بن زید بن حارث کلبی، احنف بن قیس، ...... وغیرہم۔ یہ لوگ بھی "اہل اجماع وشوریٰ" کے مخصوص سرآوردہ حضرات ہیں جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے۔

(۳) تیسرا گروہ وہ ہے جس نے خونخواہی عثمان کے بہانہ سے امیرالمومنین کی مخالفت کی اور "عثمانی" گروہ کہلایا، اس میں دو جماعتیں تھیں:

(الف) اصحاب جمل جنکے رؤساء بی بی عائشہ اور طلحہ وزبیر تھے، طلحہ وزبیر ان لوگوں میں تھے جو حضرت علیؑ کی خلافت کو تسلیم کرکے سب سے پہلے بیعت کر چکے تھے، لیکن بعد بیعت کرنے کے عائشہ کیساتھ مخالفت میں شریک ہوگئے، مروان جس کے افعال ناشائستہ کی وجہ سے عثمان قتل کئے گئے تھے وہ بھی انھیں لوگوں کے ساتھ تھا، اصحاب جمل کو امیرالمومنین کے مقابلہ میں شکست ہوئی، طلحہ وزبیر بھی مارے گئے، اور بقیہ شکست خوردہ گروہ معاویہ کے پاس شام چلا گیا۔

(ب) معاویہ واہل شام، معاویہ نے بھی قصاص خون عثمان کو بہانہ قرار دیکر حکومت اسلامی کو غصب کرنا چاہا اور شامیوں واصحاب جمل کے بقیۃ السیف کو اپنا ہمنوا بنایا، اس عثمانی گروہ سے امیرالمومنین نے مقام صفین پر جنگ کی، لیکن اس جنگ کا اختتام "تحکیم" کی صورت میں ہوا، ابتداءً میں علیؑ اور ان کے شیعیان مخلصین تحکیم پر نہیں راضی تھے، لیکن حضرت کی فوج میں معاویہ کا پانچواں کالم کام کر رہا تھا جس نے ابوبکر کے بہنوئی اشعث بن قیس کو اپنا ہم خیال بنا لیا، اسلئے اشعث بن قیس اور اسکی پارٹی کے لوگ جو اہل اجماع وشوریٰ میں سے تھے، انھوں نے "حکم" مقرر کرنے کیلئے نہ صرف مجبور کیا بلکہ مخلصین شیعیان علیؑ کی رائے کے برخلاف اپنی ہی جماعت یعنی اہل اجماع کے ایک مشہور فرد "ابوموسیٰ اشعری" کو "حکم" بھی بنا دیا۔

(۴) واقعہ تحکیم کے بعد امیرالمومنین کی بیعت میں جو جماعت اہل اجماع وشوریٰ کی تھی اسمیں اختلاف پیدا ہو گیا چونکہ اس

جماعت میں خوارج کے رجحانات موجود تھے اسلئے ایسی رجحان رکھنے والی پارٹی نے حضرت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، یہی وہ جماعت تھی جسکو مقام نہروان میں حضرت نے شکست بھی دی تھی اور جس میں سے سوائے چند افراد کے کوئی بچا نہیں۔

امیر المومنین کی شہادت کے بعد "اہل اجماع و شوریٰ" اور "شیعیان علیؑ" نے امام حسنؑ کی بیعت کی، لیکن اندرونی فتنوں و تطہیر جماعت شیعہ کی وجہ سے ۴۱ھ میں امام حسنؑ نے معاویہ سے صلح فرمالی۔ اس صلح کے بعد خالص شیعیان علیؑ امام حسنؑ کو اب بھی امام مفترض الطاعہ سمجھتے رہے، لیکن عموم اہل اسلام یعنی "اہل اجماع و شوریٰ" نے معاویہ کو خلیفہ جائز تسلیم کرلیا۔ اور یہ سب لوگ عثمانی گروہ میں شامل ہوگئے، ابن حجر ہیتمی مکی لکھتے ہیں۔

وبعد نزول الحسن لمعاویۃ اجتمع الناس علیہ و سمی ذالک العام عام الجماعۃ ثم لم ینازعہ احد من انہ الخلیفۃ الحق من یومئذٍ،

(تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق صہ ۳۴ طبع مصر)

امام حسن کے حکومت ظاہری سے دست بردار ہونے کے بعد تمام مسلمانوں نے معاویہ کی خلافت پر اجماع کرلیا، اسی وجہ سے یہ سال "جماعت کا سال" کہلایا، اسکے بعد کسی ایک نے بھی معاویہ کے خلیفہ برحق ہونے پر نزاع نہیں کی۔

علامہ دمیری تحریر کرتے ہیں:۔

وفی سنۃ احدیٰ واربعین فسمی عام الجماعۃ لان الامۃ اجتمعت فیہا بعد الفرقۃ علی امام واحد

(حیوٰۃ الحیوان جلد اول صہ ۴۲)

۴۱ھ کو جماعت کا سال کہتے ہیں اسلئے کہ اسی سال افتراق کے بعد تمام امت اسلامی ایک امام پر متحد ہوئی۔

مورخ طبری "تاریخ الرسل والملوک" میں بذکر وقائع سنہ ۳۷ھ لکھتے ہیں کہ،

وحدثنی عمر قال حدثنا علی بایع اھل الشام معٰویۃ بالخلافۃ فی سنۃ ۳۷ فی ذی القعدہ حین تفرق الحکمان وکانوا قبل بایعوہ علی الطلب بدم عثمان ثم صالحہ الحسن بن علی وسلم لہ الامر سنۃ ۴۱ لخمس بقین من شہر ربیع الاول فبایع الناس جمیعاً معٰویۃ فقیل عام الجماعۃ،، (تاریخ الرسل والملوک جزو اول من جلۃ الثانیہ صہ ۱۹۹ طبع جرمن)

اہل شام نے ذی القعدہ ۳۷ھ میں دونوں طرف کے حکموں کے جدا ہونے کے بعد معاویہ سے بیعت خلافت کی اور اس سے پہلے عثمان کی خون طلبی پر معاویہ سے بیعت کی تھی پھر جب ۴۱ھ میں امام حسن نے معاویہ سے مصالحت کی تو تمام لوگوں نے معاویہ سے بیعت کرلی اور اس سال کا نام جماعت کا سال رکھا گیا۔

یہی امر تاریخ الکامل ابن اثیر، تاریخ الخمیس علامہ دیار بکری، تاریخ الخلفاء سیوطی، عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری، عقد الفرید ابن عبد ربہ، استیعاب فی معرفۃ الاصحاب وغیرہ دوسری کتابوں میں بھی باختلاف اللفظ و اتفاق المعنی موجود ہے کہ۔

"اخذ لمعاویۃ البیعۃ لنفسہ، فکانت تلک السنۃ سنۃ الجماعۃ"

معاویہ نے ۴۱ھ میں لوگوں سے اپنی خلافت پر بیعت لی اور اس سال کا نام "سنۃ الجماعت" رکھا گیا۔ [عل]

معاویہ پر دباستثنا شیعیان علیؑ) تمام امت نے اسقدر جلد کیوں اجماع کرلیا، اس کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ "اہل الاجماع والشوریٰ" سے حضرت عمر نے یہ تاکید کی تھی کہ اختلاف و افتراق کے موقع پر تم سب معاویہ ہی کی پیروی کرنا چنانچہ علامہ ابن حجر الہیتمی المکی لکھتے ہیں۔

www.kitabmart.in

"ان عمر حث الناس علی اتباع معاویۃ والہجرۃ الیہ الی الشام اذا وقعت فرقۃ، اخرج ابن ابی الدنیا بسندہ ان عمر قال ایاکم والفرقۃ بعدی فان فعلتم فاعلموا ان معاویۃ بالشام وکلتم الی رائکم کیف یستنبزھا منکم"

حضرت عمر لوگوں کو معاویہ کی پیروی کرنے کیلئے اور افتراق واختلاف کے موقع پر معاویہ کے پاس شام چلے جانے کیلئے برانگیختہ کرتے تھے، ابن ابی الدنیا نے اپنی سند سے بیان کیا ہے کہ عمر نے کہا کہ میرے بعد افتراق سے بچو اور اگر تم ایسا کرو تو جان لو کہ معاویہ شام میں ہے اور تم خود سوچ سمجھ سکتے ہو کہ وہ کسطرح اختلاف و افتراق کو تم سے برطرف کر سکتا ہے۔

ابن حجر اس جملہ کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

"فالمعنی انہ حضھم اذا وقعت فتنۃ او جب افتراق الصحابۃ لموت الخلفاء الراشدین ان یخرجوا الی الی معاویۃ ویفوضوا الیہ امر تلک الفتنۃ لعظیم رأیہ وحسن تدبیرہ"

(تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق ص۳۷)

کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عمر اس پر برانگیختہ کر رہے ہیں کہ خلفاء راشدین کے بعد جب صحابہ مبتلائے فتنہ ہو کر فرقہ بندی میں پڑ جائیں تو تم لوگ معاویہ کے پاس چلے جانا اور معاویہ کے حسن رائے و تدبیر کی بنا پر اپنے معاملات اختلافی کو اسکے سپرد کر دینا۔

غرضکہ "عام الجماعۃ" میں سوائے شیعیان علیؑ اور چند افراد خوارج کے باقی تمام جماعتوں نے معاویہ کی خلافت پر اجماع کیا تھا اسلئے یہ لوگ "اہل الجماعۃ" کہلائے، اب گویا مندرجہ ذیل جماعتیں تھیں۔

(۱) "شیعیان علیؑ" جو حضرت علیؑ کو خلیفہ بلافصل "بالنص والوصیۃ" تسلیم کرتے تھے اور انکے بعد حضرت کی ایسی اولاد امجاد کو جنکے لئے نص و وصیت ثابت ہو امام مانتے تھے یہ لوگ امام کے لئے عصمت ضروری سمجھتے تھے۔

[عل] معاویہ نے جس سال حضرت علیؑ پر سب و شتم کو جاری کیا ہو وہ سنت کا سال کہا گیا چنانچہ علامہ یحیٰی بن الحسن القرشی اپنی کتاب منہاج التحقیق میں لکھتے ہیں "ان معاویۃ ... سنۃ ... سمی ذالک العام عام السنۃ ..."

(۲) "اہل الجماعت یا اصحاب اجماع و شوریٰ" جو خلفاء ماسبق کو اپنے اجماع کی وجہ سے (جنکا قرشی ہونا ضروری تھا) خلیفہ تسلیم کرتے تھے اور جنھوں نے حضرت علیؑ کو باجماع رابع الخلفاء کی حیثیت سے تسلیم کیا۔ اور اسی اصول کی بناء پر حضرت امام حسنؑ کو چھ ماہ تک خلیفہ مانتے رہے لیکن بعد صلح معاویہ کی خلافت کو برحق سمجھنے لگے۔ اس گروہ میں جماعت عثمانی بھی شامل تھی جنھوں نے حضرت علیؑ کو خلیفہ نہیں تسلیم کیا تھا اور جو نباہوا عوبدار خون عثمان تھے اسی میں متوقفین معتزلہ بھی شامل ہو گئے تھے، یہ سب گروہ سنہ ھ میں متحد ہو جانے سے "اہل الجماعت" کہلائے جنکے نزدیک خلیفہ خاطی اور گنہگار ہو سکتا ہے بلکہ اس خطا کو خطائے اجتہادی کا درجہ دیکر خاطی کو مستحق اجر و ثواب بھی سمجھتے ہیں، جنکا یہ خیال ہے کہ،

ما رآہ المسلمون حسناً فهو عند الله حسنٌ وما رآہ المسلمون سيئاً فهو عند الله سيئٌ (صواعق محرقہ ص)

اگر امت کسی امر کو اچھا سمجھ لے تو وہ امر پھر خدا کے نزدیک بھی اچھا ہے، اسی طرح اگر کسی امر کی برائی پر اجماع کرے تو خدا کے نزدیک وہ برا ہے"

اور اصحاب نص (یعنی شیعہ) کے مقابلہ میں ان کا یہ دعویٰ ہے کہ:-

"الاجماع اقوی من النصوص" نص سے زیادہ اجماع (خلیفہ بنانے میں) قوی چیز ہے (صواعق محرقہ ابن حجر ص)

(۳) خوارج، جو اجماع و شوریٰ کے قائل ہیں اور شیخین کی خلافت کو تسلیم کرتے ہیں یہ گروہ خلیفہ سوم سے انکی آخری دور خلافت سے منحرف ہو گیا تھا بلکہ انکو اصحاب کبائر میں شمار کرکے خارج از ایمان سمجھتا تھا اسی وجہ سے یہ لوگ عثمان پر تبرا کرتے ہیں شروع میں اس گروہ نے اپنے اجماع کے بنا پر حضرت علی کی خلافت کو بمرتبہ چہارم تسلیم کرلیا تھا مگر واقعہ تحکیم کے بعد یہ لوگ حضرت علی کے متعلق بھی یہی رائے رکھنے لگے جو رائے حضرت عثمان کے متعلق تھی۔ علامہ عبدالکریم شہرستانی خوارج کے متعلق لکھتے ہیں۔

"كل من خرج على الامام الحق الذى اتفقت الجماعة عليه يسمى خارجياً، سواء كان الخروج فى ايام الصحابة على الائمة الراشدين او كان بعدهم على التابعين باحسان والائمة من كل زمان"

ہر وہ شخص جو ایسے امام پر خروج کرے جس پر جماعت نے اتفاق کیا ہو وہ خارجی ہے، خواہ خروج زمانہ صحابہ میں ہو ائمہ راشدین پر یا اسکے بعد تابعین پر یا ہر زمانہ کے دوسرے ائمہ پر

"الخوارج، اعلموا ان اول من خرج على امير المومنين على بن ابى طالب جماعة ممن كان

یہ جاننا چاہیے کہ سب سے پہلے جس نے امیر المومنین پر خروج کیا وہ جماعت ہے جو جنگ صفین میں حضرت کے ساتھ تھی اور خارج

ومعه فی حرب صفین واشدهم خروجاً علیه و مروقاً من الدین الاشعث بن قیس، ومسعود التمیمی، وزید بن حصین الطائی۔

کرنے میں سب سے زیادہ تیز اور سخت دین سے نکلنے میں اشعث بن قیس (حضرت ابوبکر کے بہنوئی وصحاح ستہ کے راوی) مسعود تیمی، زید بن حصین طائی ہیں۔

(کتاب الملل والنحل ص۸۵)

اس سے پہلے بتلا چکا ہوں کہ اشعث بن قیس ایسے اہل اجماع میں سے تھا جو جنگ صفین میں بظاہر حضرت علی کے ساتھ تھا لیکن معاویہ کی سازشی جماعت کا ایک رکن تھا جس نے خارجی رجحانات رکھنے والوں پر قابو پالیا تھا جیسا کہ تاریخ کے مطالعہ سے ثابت ہوتا ہے، چنانچہ امیرالمومنین پر خروج کرنے والی جماعت میں ایسے لوگ تھے جنھوں نے صرف اس بنا پر حضرت علیؑ پر خروج کیا تھا کہ حضرت علیؑ معاویہ کے متعلق اچھی رائے نہیں رکھتے ہیں، چنانچہ قیس بن ابی حازم خارجی (جو بخاری، مسلم، ابوداؤد، نسائی، مالک، ترمذی، ابن ماجہ کا راوی ہے "تدریب الراوی وتقریب") بیان کرتا ہے کہ میں ہر حال اور ہر جنگ میں حضرت علیؑ کے ساتھ تھا یہاں تک کہ بروز صفین علیؑ نے ہم سے یہ کہا کہ کوچ کرو بقیۂ احزاب (یعنی بقیہ گروہ کفار) کی طرف کوچ کرو اس قوم کی طرف جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ و رسول نے جھوٹ کہا اور تم یہ کہتے ہو کہ خدا و رسول نے سچ کہا، پس اس وقت ہم نے یہ جانا کہ علی کا عقیدہ معاویہ اور اونکے طرفداروں کے متعلق کیا ہے، یہ معلوم کرنیکے بعد پھر علیؑ سے ہم نے کنارہ کشی کرلی (ملل والنحل شہرستانی ص۱۰۳)

بہر طور حضرت علیؑ پر خروج کرنے والی جماعت دراصل "اہل الاجماع والشوریٰ" ہی کی ایک شاخ تھی امیرالمومنین علیؑ اور اہلبیت کی مخالفت میں یہ لوگ اور جماعت عثمانی جو ناصبی بھی کہلاتی ہے، متحد و متفق تھے، اس گروہ کو ناصبی اس لئے کہتے ہیں کہ یہ حضرت علیؑ کو دشمن رکھتے ہیں اور دوسروں کو حضرت پر فضیلت دیتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی مقدمۂ فتح الباری میں بتذکرۂ اسباب طعن بر رواۃ حدیث لکھتے ہیں۔

والتشیع محبة علی وتقدیمه علی الصحابه والنصب بغض علی وتقدیم غیره علیه

شیعیت محبت علیؑ اور حضرت کو صحابہ پر مقدم کرنے کا نام ہے اور ناصبیت، بغض علیؑ اور دوسروں کو حضرت پر مقدم کرنیکا نام ہے

مجدالدین فیروزآبادی قاموس میں لکھتے ہیں،

"النواصب والناصبیة واهل النصب المتدینون ببغض علی کرم الله وجهه لانهم نصبوا له ای عادوه"

نواصب اور ناصبیہ اور اہل نصب وہ ہیں جو بغض وعداوت علیؑ کو اپنا دین سمجھتے ہیں کیونکہ انہوں نے حضرت سے عداوت کی،

اسی لئے شیخ عبد القادر جیلانی "غنیۃ الطالبین" میں فرماتے ہیں کہ شیعہ "اہلسنت والجماعت" کو ناصبی اس بنا پر کہتے ہیں کہ اہلسنت اس کے قائل ہیں کہ امام کا مقرر کرنا لوگوں کے اختیار میں ہے اور امام کا نصب کرنا بذریعہ عقد بیعت ہوتا ہے۔

"وتسمیہا الرافضۃ ناصبیۃ لقولہا باختیار الامام ونصبہ بالعقد" (غنیۃ الطالبین ص۲۱)

غرضکہ اہل الجماعت کی ترکیب نوصب (دشمنان علیؑ) اور ایسے گروہ سے ہوئی جو عقیدۂ اجماع کی بنا پر علیؑ کو رابع الخلفاء کہتے ہیں اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ امام کا تقرر باعتبار نصب وعقد بیعت ہوتا ہے، اہل الجماعت یعنی متبعین طلحہ وزبیر وبی بی عائشہ واصحاب معاویہ اور متخلفین بیعت علیؑ یہی سب مل جل کے مسلمانوں کا وہ سواد اعظم تھا جسکے لئے نجات کو ضروری ویقینی بتلایا جاتا ہے اور اس تائید میں "کلہا فی النار الا السواد الاعظم" کو پیش کیا جاتا ہے، چنانچہ ابن حجر ہیتمی مکی یہ دعوی کرتے ہیں کہ اس سے مراد اہل سنت والجماعت ہیں جو ابو الحسن اشعری وابو منصور ماتریدی کے پیرو ہیں اور یہی لوگ رسول وصحابہ وتابعین کی سنت پر عمل کرنے والے ہیں، یہ ایسا سواد اعظم ہے جس کا مقابلہ شہرت وکثرت کیوجہ سے کوئی دوسرا فرقہ نہیں کرسکتا ہے، (تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق محرقہ ابن حجر مکی ص۱۰۹ طبع مصر) یہی سواد اعظم تاریخ میں "مرجئہ" کے نام سے بھی مشہور ہوا ہے، انھیں کا یہ اعتقاد ہے کہ:-

"المرجئۃ القائلون انہ لایضر مع الایمان معصیۃ کما لاینفع مع الکفر طاعۃ، وقیل الارجاء تاخیر صاحب الکبیرۃ فلا یقضی علیہ بجنۃ او نار"

(اسنی المقاصد ص۶۳ طبع بیروت)

ایمان کے ہوتے ہوئے معصیت مضر نہیں ہے جس طرح کفر کے ساتھ کوئی طاعت مفید نہیں، بعض کے نزدیک ارجاء سے مراد یہ ہے کہ صاحب کبیرہ کے متعلق جہنمی یا جنتی ہونے کا فیصلہ نہیں کیا جاسکتا بلکہ انکا معاملہ قیامت کے دن کیلئے اٹھا رکھنا چاہیئے وہیں کچھ نہ کہنا چاہیئے"۔

اس گروہ کا عقیدہ ہے کہ مسلمان یقیناً جنت میں داخل کیا جاوے گا چاہے وہ کتنے ہی معصیت کیوں نہ کرے اور ایمان میں اقرار باللسان کی شرط نہیں ہے بلکہ صرف اعتقاد قلبی کافی ہے ان کے نزدیک جو شخص کفر کا اعلان کرے، بت پرستی کرے، یہودیت اختیار کرے، نصرانی ہوکر صلیب کی پرستش کرے، دار الاسلام میں تثلیت کے عقیدۂ فاسد کی تبلیغ کرے اور اسی حالت میں مرجھی جائے، جب بھی وہ مسلمان، مومن، کامل الایمان، ولی اللہ اور اہل جنت سے ہے (الفصل فی الملل والاھواء والنحل علامہ ابن حزم ظاہری جلد ۴ ص۲۰۴)

مسئلہ امامت وخلافت میں ان لوگوں کا خیال یہی ہے کہ خلیفہ اجماع امت سے مقرر ہونا چاہیئے اور ایسا خلیفہ جو اجماع امت سے منتخب ہو اس کے ہر حکم کی اطاعت مسلمانوں پر واجب ولازم ہے اور خلیفہ کا غیر خاطی

ہونا ضروری نہیں ہے"، مرجئہ اور خوارج میں امامت و خلافت کے متعلق کسی حد تک اتحاد و اتفاق ہے، اس حیثیت سے بھی یہ دونوں جماعتیں شیعوں کے مقابلہ میں ایک جماعت ہیں۔ علامہ شہرستانی کتاب الملل والنحل میں لکھتے ہیں:

والمرجئة صنف آخر تکلموا فی الایمان والعدل الا انهم وافقوا الخوارج فی بعض المسائل التی یتعلق بالامامة (الملل والنحل ص۸۵)

دوسری قسم مرجئہ کی ہے جس نے ایمان و عدل کے بارے میں کلام کیا ہے لیکن انھوں نے بعض مسائل میں خوارج سے موافقت کی ہے جو امامت و خلافت سے متعلق ہیں۔

مرجئہ (یعنی سواد اعظم یا جماعت معاویہ) اور خوارج دشمن امیر المومنین ہونے کی حیثیت سے ایک ہی منزل پر ہیں؛ علامہ ابن ابی الحدید معتزلی کہتے ہیں:۔

وقد کان معاویه یلعنه علی رؤس الاشهاد علی المنابر فی الجمع والاعیاد فی مدینه ومکة وفی سائر مدن الاسلام فقد شارك الخوارج فی الامر المکروه منهم وامتاز واعلیه باظهار الدین و التلزم بقوانین الشریعة والاجتهاد فی العبادة وانکار المنکرات"،

معاویہ اور اُسکے اصحاب جمعہ اور عیدکے موقع پر بر سر منبر علانیہ حضرت پر لعنت کیا کرتے تھے، مدینہ و مکہ اور تمام اسلامی شہروں میں ہر جگہ یہ رسم جاری تھی اور خوارج بھی اس امر مکروہ میں ان کے ساتھ شریک تھے صرف ظاہری دینداری، قوانین شرع کی پابندی، عبادات میں کوشش، اور گناہوں کا انکار کرنے میں یہ لوگ اصحاب معاویہ سے امتیاز رکھتے تھے۔

(شرح ابن ابی الحدید جلد اول ص۴۶۲ طبع مصر)

یہ بدعت تمام ممالک اسلامیہ میں سواد اعظم میں جاری رہی یہانتک کہ عمر ابن عبدالعزیز نے اسکو بند کیا جیسا کہ تمام اسلامی تاریخوں میں مذکور ہے، چنانچہ خطبۂ جمعہ میں بجائے لعنت کے جب اس آیت "ان اللہ یامر بالعدل والاحسان وایتاء ذی القربی" الی آخر الایہ کو شامل کیا گیا تو عمرو بن شعیب نے ان الفاظ کے ساتھ احتجاج کیا تھا

"ویل للامة رفعت الجمعه، وترکت اللعنة، وذهبت السنّة۔ (مناقب علامہ ابن شہر آشوب جلد سوم ص۱۲۴)

ذلیل ہو امت کے لئے (علیؑ پر) رسم لعنت کو ترک کر کے سنت کو مٹا دیا اور جمعہ کو ختم کر دیا۔

مختصر یہ کہ اہل الجماعت یا مرجئہ معاویہ اور بنی امیہ کی حکومت و خلافت کی ہر طرح سے تائید کرتا تھا۔ اسی فرقہ کے لئے امام ابو حاتم رازی نے اپنی کتاب الزینہ میں لکھا ہے کہ:۔

"واشتهر من کان من اتباع معاویه بالسنی"

متبعین معاویہ سنّی کے نام سے مشہور ہو گئے۔

دراصل اہل اجماع کو معاویہ کے اتباع کا حکم خلیفۂ ثانی حضرت عمر نے دیا تھا جیسا کہ ابن حجر مکی کے حوالہ سے لکھ چکا ہوں

ان عمر حض الناس علی اتباع معاویۃ والھجرۃ الیہ الی الشام۔ (تطہیر الجنان برحاشیہ صواعق ص ۶۳ طبع مصر)

عمر ہی نے لوگوں کو معاویہ کے اتباع اور اسکی طرف رجوع کرنے پر برانگیختہ کیا۔

علامہ عبدالکریم شہرستانی نے کتاب الملل والنحل میں چند ائمہ حدیث کے نام لکھے ہیں جو مرجئہ فرقے سے تعلق رکھتے تھے، منجملہ اونکے یہ ہیں:۔

طلق بن حبیب، عمرو بن مرہ، محارب بن دثار، مقاتل بن ابی سلیمان، جنکے شاگرد امام شافعی ہیں، ذر بن عبداللہ، عمرو بن ذر، امام ابوحنیفہ کے استاد حماد بن سلیمان، اور امام اعظم کے شاگردان امام ابو یوسف محمد بن حسن وغیرہم (ملل والنحل ص ۱۰۸)

اسی طرح علامہ ابن قتیبہ الدینوری نے بھی اپنی کتاب المعارف میں، استاد امام اعظم حماد بن ابی سلیمان اور خود امام اعظم ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور امام ابو یوسف کو مرجئہ فرقہ کے اعیان میں سے شمار کیا ہے (کتاب المعارف ابن قتیبہ ص ۲۰۸ طبع مصر) بلکہ مختصر تاریخ بغداد علامہ ابو علی یحیی اور خود خطیب بغداد نے بھی اپنی تاریخ میں اس کی تشریح کی ہے کہ امام ابوحنیفہ "مرجئہ" جماعت کے فرقہ جہمیہ سے تعلق رکھتے تھے جو جبر کا قائل ہے، اسی بنا پر شیخ عبدالقادر جیلانی نے غنیۃ الطالبین میں حنفی مذہب کو مرجئہ جماعت کی شاخ بتلایا ہے وہ لکھتے ہیں۔

"واما المرجئۃ، نفرقھا اثنا عشر فرقہ، الجھمیہ، والصالحیۃ والشمریۃ والیونسیۃ والیونانیۃ والبخاریۃ والغیلانیۃ، والمشبھیۃ والحنفیۃ"۔

یونہی صحاح اہلسنت کا مشہور راوی ابوالمقسم خالد بن سلمہ المعروف بالفاء فالکوفی بھی ہے جسکے متعلق ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:۔

کان راسًا فی المرجئۃ وکان یبغض علیًا۔

یہ مرجئہ فرقہ کا سردار تھا اور علیؑ کو دشمن رکھتا تھا

(تہذیب التہذیب جلد ۳ باب الخاء ص ۹۶ ابن حجر عسقلانی طبع حیدر آباد)

مندرجۂ بالا تشریح سے یہ بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ خوارج "اہل الجماع والشوری" ہی کی ایک شاخ ہے نہ کہ جماعت شیعہ کی، اسی طرح یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ جمل وصفین میں امیرالمؤمنین نے جس گروہ سے جنگ کی وہ عثمانی و ناصبی تھے جو خلافت اجماعی کو تسلیم کرتے ہوئے خلفائے ثلثہ کے قائل تھے لیکن حضرت کے مخالف تھے اور یہی وہ جماعت ہے جس سے امام حسن کو مقابلہ کرنا پڑا، مگر وہ جماعت جس سے

امام حسینؑ نے کربلا میں جہاد فرمایا وہ جماعت مرکب تھی ایسے اہل اجماع سے جو حضرت علیؑ کو بھی چوتھا خلیفہ مانتے تھے، اور ایسے لوگوں سے جو عثمانی مسلک کے تھے اور ایسے لوگوں سے جو خارجی العقیدہ تھے، جیسے عمرو بن سعد، شمر بن ذی الجوشن، (میزان الاعتدال) شیث بن ربعی یربوعی حصین بن تمیم، (یا حصین بن نمیر؟) قیس ابن اشعث، محمد بن اشعث، سمرہ بن جندب صحابی و خارجی حروری (اسماء الرجال شیخ عبدالحق و تقریب، سمرہ بن جندب کے متعلق ہے:-

"قال فی سمرۃ بن جندب بحق شہد مقتل الحسین (روی احمد بن بشیر عن مسعر بن کدام قال کان سمرۃ بن جندب ایام مسیر الحسین علیہ السلام الی الکوفۃ علی شرطۃ عبید اللہ ابن زیاد وکان یحرض الناس علی الخروج الی الحسین وقتالہ"

سمرہ بن جندب زندہ رہا اور مقتل حسینؑ میں حاضر ہوا احمد بن بشیر سے روایت کہ جس زمانہ میں امام حسینؑ نے سفر کوفہ اختیار کیا ہے سمرہ بن جندب عبید اللہ ابن زیاد کی طرف سے کوفہ کا پولیس آفسر تھا اور امام حسینؑ سے جنگ کرنے کیلئے لوگوں کو ابھارتا تھا،

(شرح ابن ابی الحدید جلد اول ص۳۶۳ طبع مصر)

یہی مختلف گروہ تھا جو مجتمع ہو کر امام حسینؑ کو قتل کرنے کیلئے کربلا میں اکٹھا ہوا تھا، دراصل سال جماعت کے بعد ۴۱ھ میں سواد اعظم متحد ہو کر "اہل الجماعت" کے لباس میں ظاہر ہوا تھا، اسمیں کوئی شک نہیں کہ اہل الجماعت نے اپنی جماعتی نظام و اتحاد کا مظاہرہ کربلا میں پوری طرح سے دکھلایا، یہ لوگ امام حسینؑ سے صاف صاف کہہ رہے تھے کہ آپ اہل جماعت سے الگ ہو کر افتراق و انشقاق کے باعث ہو رہے ہیں، طبری کا بیان ہے کہ یزیدی فوج کا ایک سردار اصحاب حسینؑ اور اپنی فوج کے درمیان نکلا اور بلند آواز سے سواد اعظم کو مخاطب کرتے ہوئے کہنے لگا،

"الزموا طاعتکم وجماعتکم ولا ترتابوا فی قتل من مرق من الدین وخالف الامام"

(الطبری جزء الثانی من الجلد الثانیہ ص۳۴۶ طبع جرمن)

(اپنے امام کی) فرمانبرداری اور جماعت (کے اتحاد) پر قائم رہو دیکھو ایسے شخص کے قتل کرنے میں کچھ پس و پیش مت کرو جو امام کی مخالفت کرکے جماعت و دین سے نکل گیا۔

اسی طرح واقعہ کربلا کے بعد جب لوگوں نے یزید کی مخالفت شروع کی ہے تو یزید نے نعمان بن بشیر انصاری کو اسکی روک تھام کیلئے مقرر کیا، جس نے اطاعت امام کی بنا پر فریضہ ہدایت کو شروع کردیا تاکہ لوگ امام وقت کے مطیع رہکر جماعت میں شامل رہیں طبری کے الفاظ ہیں "امرھم بالطاعۃ ولزوم الجماعۃ" (ص[illegible])

حدیث ہے کہ ابو سعید خدری یہ کہتے ہیں کہ جب مجھے معلوم ہوا کہ یزید پر حسینؑ خروج کرنے والے ہیں تو میں نے

ان سے ملکر یہ کہا "اتق اللہ والزم بیتک ولا تخرج علی امامک" "خدا کا خوف کیجئے ، گھر میں بیٹھے رہیئے اور اپنے امام پر خروج نہ کیجئے" (منتخب تاریخ الاسلام ذہبی قلمی ص۲۳ کتب خانہ ناصر الملۃ)

اہل الجماعت میں اصول وعقائد کے اعتبار سے مختلف نظریئے ورجحانات پیدا ہوگئے تھے ، خصوصاً مرتکب کبائر کے متعلق خیالات ظاہر ہونے لگے حسن بصری (۲۱ھ - ۱۱۰ھ) جو امیر المومنین علی کے متعلق یہ رائے رکھتے تھے کہ :

"لو کان علی یاکل الحشف بالمدینۃ لکان خیرا لہ مما دخل فیہ" اگر علی مدینہ میں رہکر گٹھلیاں کھاتے تو یہ بہتر تھا اس سے کہ جن معاملات میں وہ در آئے ، جن کا خیال یہ تھا کہ "علی نے مسلمانوں کی بڑی خونریزی کی" (شرح ابن ابی الحدید جلد اول صفحہ ۳۶۸ طبع مصر) اور بصرہ میں مقیم رہنے کے بعد علی کی مدد کیلئے حاضر نہ ہوئے ، وہ مرتکب کبیرہ کے متعلق اپنا یہ خیال ظاہر کرتے تھے کہ "اسکو مومن سمجھنا چاہیئے" لیکن واصل بن عطاء (۸۰ھ - ۱۳۱ھ) نے اس امر میں اپنے استاد حسن بصری سے اختلاف کیا اور یہ کہا کہ "مرتکب کبائر مومن وکافر دونوں سے جداگانہ ہے" اس نظریہ کو ظاہر کرنے کیوجہ سے حسن بصری نے واصل بن عطا کو اپنے مجلس درس سے نکالدیا ، کنارہ کشی کیوجہ سے واصل بن عطا اور اسکی جماعت معتزلہ کے لقب سے مشہور ہوئی ، معتزلہ نے اصول دین میں نظر وفکر سے زیادہ کام لیا جسکی وجہ سے سوائے مسئلۂ امامت وخلافت کے بعض اصولی مسائل میں مثل نفی صفات زائدہ ، مسئلہ عدل ، اور حسن وقبح کے عقلی ہونے میں شیعوں کے ہمنوا ہوگئے ، خلافت کے مسئلہ میں یہ لوگ ویسی ہی اجماعی خلافت کے قائل رہے جیسے دوسرے اہل الجماعت تھے ، ابن حجر مکی ابوبکر کی خلافت پر اجماع امت کو ثابت کرتے ہوئے لکھتے ہیں ، "کذلک عند جمیع المعتزلۃ" (صواعق محرقہ ص۸ طبع مصر) قطع نظر عقائد کے چونکہ تمامی اہل الجماعت اپنے اعمال کو بظاہر سنت وحدیث پر محمول کرتے ہیں اسواسطے انکو اصحاب سنت بھی کہا گیا ، سنت کا مفہوم ان کے نزدیک بہت وسیع ہے کیونکہ علاوہ سنت پیغمبر کے خلفاء واصحاب کی سنت کو بھی اسمیں داخل کرتے ہیں اور اسکے ثبوت میں یہ روایت کرتے ہیں۔

"الصحابۃ کلھم عدول بایھم اقتدیتم اھتدیتم" ، تمام صحابی عادل ہیں جسکی بھی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے

فروع کے اعتبار سے افراد جماعت مجتہدین اربعہ (مالک ، شافعی ، ابوحنیفہ ، احمد بن حنبل) میں سے کسی ایک کی تقلید ضروری سمجھتے ہیں ، کچھ لوگ ایسے بھی ہوئے جو خود اجتہادی مسلک رکھتے تھے اور ائمہ اربعہ میں سے کسی ایک کے بھی مقلد نہ تھے . جیسے صاحب التاریخ المشہور والتفسیر الکبیر ابوجعفر محمد بن جریر الطبری ہیں ، لیکن پہلے ایسے لوگ کم تھے مگر عرصے کے بعد یہ ہوا کہ عام طور سے تقلید کی ضرورت نہیں سمجھی گئی اور غیر مقلد ہونا ہی بہتر سمجھا گیا چنانچہ ایسے لوگوں کی اچھی خاصی تعداد ہوگئی جیسے اہل حدیث ، مجتہدین اربعہ میں سے امام مالک (مالک بن انس الاصبحی الفقیہ الحجازی

خارجی عقیدہ کے تھے (شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید جلد اول ص ۴۴۶ طبع مصر) اسی طرح مقاتل بن سلیمان جو مرجئہ میں سے تھے ان کے شاگرد امام شافعی ہیں، امام ابو حنیفہ جہمی و مرجیہ تھے احمد کا رجحان بھی خارجیت کی طرف تھا اور فرقہ مجسمہ سے تعلق رکھتے تھے، اسی خارجی ذہنیت کی بنا پر ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی جامع مسانید ابو حنیفہ نے احمد بن حنبل پر طعن کیا ہے۔

ممکن تھا کہ اگر حلقہ بگوشان مذہب اعتزال آئندہ زمانہ میں بھی اپنے فکر و نظر میں آزاد رہکر اصول دین میں بحث و استدلال کا موقع پاتے تو وہ مسئلۂ امامت میں بھی شیعوں کی موافقت کرتے اور اسطرح شیعی رجحان عام مسلمانوں میں پیدا ہو جاتا، مگر چوتھی صدی کے شروع ہی میں سواد اعظم کو اپنے مذہب کی تہذیب و تنقیح کا احساس ہوا اور ابو علی محمد بن عبد الوہاب جبائی معتزلی (۲۳۵ھ-۳۰۳ھ) کے شاگرد ابو الحسن علی اشعری (۲۶۰-۳۲۴ھ) نے اپنے استاد کے بعض اصولی آراء و خیالات پر اعتراض کیا اور اعتزال سے الگ ہو گیا، ابو الحسن اشعری فروع میں امام شافعی کا مقلد تھا لیکن اعتزال سے بغاوت کرنیکے بعد اصول میں اس نے خود ایک ایسا مسلک اختیار کیا جس سے مذہب اہل الجماعت و مرجیہ کی تائید و تشید ہوتی تھی، ابو الحسن اشعری کا یہ اقدام ایسا تھا جس سے اہلسنت والجماعت کو قیام حاصل ہوا، شرح عقائد نسفی میں ہے کہ:-

قال الشیخ ابو الحسن الاشعری لاستادہ ابی علی الجبائی ما تقول فی ثلثۃ اخوۃ مات احدھم مطیعاً والآخر عاصیاً والثالث صغیراً قال ان الاول یثاب فی الجنۃ والثانی یعاقب بالنار والثالث لا یثاب ولا یعاقب فقال الاشعری فان قال الثالث یا رب لم امتنی صغیراً وابقیتنی الی ان اکبر فاومن لک واطیعک فادخل الجنۃ فماذا یقول الرب فقال یقول الرب انی کنت اعلم منک انک لو کبرت لعصیت فادخلت النار فکان الاصلح لک ان تموت صغیراً فقال الاشعری فان قال الثانی یا رب لم لم تمتنی صغیراً لئلا اعصی لک فلا ادخل النار فماذا یقول الرب فبھت و

شیخ ابو الحسن اشعری نے اپنے استاد جبائی سے کہا کہ آپ کا کیا خیال ہے ایسے تین بھائیوں کے متعلق کہ پہلا خدا کا مطیع رہکر مرا اور دوسرا عاصی مرا اور تیسرا صغر سنی میں مرا جبائی نے کہا پہلا جنت میں جاویگا اور دوسرا جہنم میں اور تیسرا نہ مثاب ہوگا نہ معذب، اشعری نے کہا کیوں استاد محترم اگر یہ تیسرا خدا سے کہے کہ اے خدا تو نے مجھے لڑکپن میں موت دی اگر میں زندہ رہتا اور بڑا ہوتا تو تیری اطاعت کرتا اور جنت میں داخل ہوتا تو اس سوال پر خدا کیا جواب دیگا، جبائی نے کہا وہ جواب دیگا کہ میں جانتا تھا کہ تو بڑا ہو کر گنہگار ہوتا اور جہنم میں جاتا لہذا تیرے لئے اصلح یہی تھا کہ تو بچپنے میں مر جائے، اشعری نے کہا کہ پھر اگر دوسرا کہے کہ اے

وترک الاشعری مذہبہ، فاشتغل ہو ومن تبعہ بابطال رای المعتزلہ واثبات ما ورد السنۃ و مضی علیہ الجماعۃ، فسموا اہل السنۃ والجماعۃ

(شرح عقاید نسفی صفحہ ۵)

خدا تو نے مجھے بچپنے میں کیوں نہ موت دی تاکہ میں بڑا ہو کر گنہگار نہ ہوتا اور جہنم میں نہ جاتا تو اس کا خدا کیا جواب دے گا، اس سوال سے جبائی مبہوت ہو گیا اور اشعری نے اس کا مذہب ترک کر دیا اسکے بعد اشعری اور اسکے ساتھیوں نے معتزلہ کے رجحانات کو مٹانے اور جو کچھ سنت میں آیا ہے اور جس پر اہل جماعت گذ چکے ہیں اسکے ثابت کرنیکی کوشش کی اور اسی طریقہ کا نام لوگوں نے اہل السنت والجماعت رکھا۔

علامہ ابن خلکان نے ابو الحسن اشعری کے عقائد معتزلہ سے توبہ کرنیکا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے،

وکان ابو الحسن الاشعری اولاً معتزلیاً ثم تاب من القول بالعدل وخلق القرآن فی المسجد الجامع بالبصرۃ فی یوم الجمعۃ رقی کرسیاً ونادی باعلی صوتہ من عرفنی فقد عرفنی ومن لم یعرفنی فانا اعرفہ بنفسی انا فلان بن فلان کنت اقول بخلق القرآن وان اللہ لا تراہ الابصار وان افعال الشر انا افعلہا وانا تائب مقلع معتقد للرد علی المعتزلۃ مخرج لفضائحہم ومعایبہم

(وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۳۲۷ طبع مصر)

ابو الحسن اشعری پہلے معتزلی تھا پھر اسکے عقیدہ عدل وعقیدہ خلق قرآن سے بصرہ کی جامع مسجد میں جمعہ کے روز توبہ کی اس نے ایک کرسی پر کھڑے ہو کر با آواز بلند اعلان کیا کہ جو مجھے جانتا ہے وہ تو جانتا ہی ہے اور جو نہیں جانتا میں اسے پہچنواتا ہوں میں فلان بن فلان ہوں میں پہلے یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ قرآن حادث ہے اور خدا کا دیدار نہیں ہو سکتا اور برے کاموں کا فاعل بندہ ہوتا ہے مگر اب میں ان عقائد سے توبہ کرتا ہوں اور معتزلہ کی رد میں ان کے عیوب اور رسوائیوں کو ظاہر کرتا ہوں۔

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اشعری سے پہلے اہل السنت والجماعت کا لقب اس فرقہ کیلئے مستعمل نہیں ہوا تھا۔ اہل الجماعت پر پہلے سے اس لفظ کا اطلاق ہوتا تھا۔ لیکن ابو الحسن اشعری جو "شیخ السنۃ" (وفیات جلد اول صفحہ ۴۸۱) اور امام اہل السنۃ (صواعق محرقہ صفحہ ۴۳) تھا اس نے سب سے پہلے معتزلین اہل جماعت کی حریت نظر وفکر سے سواد اعظم کو بچایا اور صحابہ وتابعین کی سنت سے اہل جماعت کے عقائد کو مدون ومنقح کیا اس لئے یہ مذہب اسکے جانب منسوب ہو گیا۔ ورنہ "اشعری" "القائم بنصرۃ مذہب السنۃ" (وفیات جلد ا صفحہ ۳۲۶) کی حیثیت رکھتا ہے، امام فخر الدین رازی اپنی کتاب تحصیل الحق میں (کما نقلہ عنہا ابن خلکان فی کتابہ)

شیخ السنۃ ابو الحسن علی بن اسمٰعیل الاشعری

شیخ السنۃ ابو الحسن اشعری پہلے اپنے استاد ابو علی جبائی

وھو علی ابی علی الجبائی اولاً ثم رجع عن مذھبہ ونصر مذھب اھل السنۃ والجماعۃ"

معتزلی کے مذہب پر تھے لیکن انھوں نے اسکو ترک کر کے مذہب اہل سُنّت وجماعت کی مدد کی ۔،

(وفیات جلد اول صفحہ ۴۷۵)

ابوالحسن اشعری نے مذہب اہل سنت وجماعت کے جو اصول اساسی قرار دیئے اس کی تائید باقلانی متوفی ۴۰۳ھ نے کی جس کے لئے ابن خلکان لکھتا ہے۔

والقاضی ابوبکر الباقلانی ناصر مذھبہ ومؤید اعتقادہ

باقلانی مذہب اشعری کے ناصر اور اسکے عقائد کے تائید کرنے والے ہیں :۔

(وفیات جلد اول صفحہ ۳۲۶)

ایک دوسرے مقام پر باقلانی کے حالات میں لکھتے ہیں :۔

"کان علی مذھب الشیخ ابی الحسن الاشعری ومؤید اعتقادہ وناصر طریقتہ، وانتھت الیہ الریاستہ فی مذھبہ، وکان کثیر التطویل فی المناظرہ مشھوراً بذالک عند الجماعۃ"

ابوبکر باقلانی، ابوالحسن اشعری کے مذہب پر تھے اور اشعری عقائد وطریقہ کے مددگار و تائید کرنے والے تھے اور اس مذہب کی ریاست ان کی ذات سے وابستہ ہوئی، مناظرہ میں بہت طول دیا کرتے تھے اور اہل جماعت میں مناظرہ بازی میں بہت مشہور تھے۔

(وفیات جلد اول صفحہ ۴۸۱)

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے کہ معتزلہ باوجود اہل الجماعت ہونے کے حُریّت فکر و نظر سے زیادہ کام لیتے تھے اور اسی بنا پر بعض بنیادی عقائد واصول دینیہ میں اپنی مخالف جماعت شیعہ کی ہمنوائی کرنے لگے تھے جو دراصل اہل جماعت کے بنیادی رجحان کے بالکل خلاف تھا، اگرچہ مسئلہ امامت وخلافت اور فروع میں یہ شیعوں کے مخالف تھے، مگر معتزلیوں کی اس آزادی فکر کیوجہ سے اس کا امکان تھا کہ اہل الجماعت کا خود ساختہ نظام جو "اہلبیتؑ" کے مخالف ہے ایک نہ ایک دن خود اُسی کے ماننے والوں کے ہاتھوں درہم وبرہم ہو جائے گا، اس لئے ابوالحسن اشعری نے اس خطرہ کو محسوس کر کے اہل الجماعت کے اساس کو پھر سے مضبوط کیا اور شیعی رجحانات جو اپنی معقولیت کی وجہ سے اس فرقہ میں غیر محسوس طریقہ سے ساری ہو رہے تھے ان سے بچا کر اہل السنت والجماعت کی تاسیس از سر نو کی، اب موجودہ مذہب اہلسنت اصول میں اشعری ہے اور علی الاکثر فقہ میں، ابوحنیفہ، مالک، شافعی، اور احمد کا مقلد ہے، گو کہ ابن تیمیہ حنبلی کیوجہ سے مقلدین کی تعداد اب کم ہوتی جا رہی ہے اور توہّب بڑھتا جا رہا ہے ابن تیمیہ وہ شخص ہے جو بانگ دہل یہ کہہ رہا ہے "فلیشھد الثقلان انی ناصبی" دونوں جہان گواہ رہیں کہ

ہیں ناصبی ہوں (کتاب سعی مشکور مولانا عبدالحی فرنگی محلی صفحہ ۲۰۵) اسی طرح تمام فرق اہلسنت مقلد ہوں یا غیر مقلد، قبول روایت کے سلسلے میں بھی نواصب و خوارج پر اعتماد کرتے ہیں۔ اگر آج مذہب اہلسنت سے، انس بن مالک، زید بن ارقم، اشعث بن قیس خارجی و شریک قتل امیر المومنینؑ، جریر بن عبداللہ البجلی، ابو مسعود الانصاری، نعمان بن بشیر، ابوہریرہ، عمران بن حصین، مرہ بن جندب، کعب الاحبار، عبداللہ بن زبیر، عروہ بن زبیر، ابو موسیٰ اشعری، ابوبردہ بن ابوموسیٰ، ابو عبدالرحمن السلمی، سعید بن مسیب، اسمٰعیل بن سمیع، اسحٰق بن سوید، مسور بن مخرمہ، احمد بن عبدہ، ابراہیم بن یعقوب، ازہر بن عبداللہ، بسر بن ارطاۃ، بہیر بن اسد، جابر بن یزید ابوالشعثاء، حریز بن عثمان، حصین بن بن نمیر قاتل حسینؑ، حبیب بن حذرہ، خالد بن سلمہ، داؤد بن حصین، زیاد بن علاقہ، سلیمان بن عبدالجارود، شبث بن ربعی قاتل حسینؑ، شمر بن ذی الجوشن قاتل حسینؑ، صلت، طلحہ، زبیر، عائشہ، عمرو بن عاص، عمران بن حطان خارجی و مادح ابن ملجم قاتل علیؑ، عمر بن سعد قاتل حسینؑ، عمر بن عبدالرحمن، عمران بن داؤد، علی بن حصین، عبدالملک، مروان بن حکم، عبداللہ بن سالم، عمارہ بن جوین، عبداللہ بن یزید، معاویہ بن ابوسفیان، عبداللہ بن وہب، عکرمہ خارجی غلام ابن عباس، عاصم، قیس بن ابی حازم قاتل حسینؑ، محمد بن اشعث قاتل حسینؑ، قیس بن اشعث قاتل حسینؑ، فضل بن عیسیٰ رقاشی، معاویہ بن خدیج، مغیرہ بن شعبہ، محمد بن زیاد، نصر بن عاصم لیثی، نعیم بن ابی ہند، ولید بن کثیر مخزومی، ابوحسان اعرج، مسلم بن عبداللہ، زہری، زید بن ثابت، مکحول شامی، اسود بن یزید نقیبہ، مسروق، قاضی شریح، شعبی، عمرو بن دینار، مجاہد، معمر بن مثنی تیمی، حسن بصری، وغیرہم کے سے مشہور نواصب و خوارج کے روایات کو نکال دیا جائے تو یہ مذہب بالکل ”نسیاً منسیا“ ہو جائے، یہی وہ لوگ ہیں جن سے مذہب اہلسنت اخذ کیا جاتا ہے، بھلا ایسے فرقہ کو شیعیت سے اگرچہ اس سے قرن اول ہی کے تشیع کو ”کما زعم“ کیوں نہ مراد لیا جائے کیا واسطہ ہو سکتا ہے، ابن حجر مکی کا یہ کہنا کہ ”الشیعۃ ھم اھل السنۃ والجماعۃ“ یا عبدالعزیز دہلوی کا یہ دعویٰ کرنا کہ ”ما ئیم شیعۂ اولی“ تاریخی حقائق کو نہیں بدل سکتا ہے۔

نص و وصیت کی بنا پر ”علیؑ“ کو خلیفہ بلافصل تسلیم کرنا یہ اصل اساس شیعیت ہے اور اجماع امت کی بنا پر حضرت کو ”رابع الخلفاء علی الترتیب“ کہنا دلیل عثمانیت ہے جو بنیاد سنیت ہے، اس صورت میں شیعیت کو سنیت سے کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ”این الثریا من الثریٰ“!

یہ وہ تاریخی حقائق ہیں جن کا اعتراف ہر ناقد بصیر کو ہے، چنانچہ مرزا محمد سعید صاحب حنفی ایم۔اے، آئی ای ایس دہلوی سابق ممتحن محکمہ تعلیمات حکومت ہند اپنی کتاب ”مذہب اور باطنی تعلیم“ میں فرماتے ہیں۔

صفحہ ۱۰۶۔ حضرت پیغمبرؐ کی جانشینی کے مسئلہ نے اسلامی جماعت کو تین فرقوں میں تقسیم کر دیا، انصار کا گروہ سعد بن عبادہ خزرجی کو خلیفہ بنانے کیلئے کوشاں تھا، مہاجرین بیشتر حضرت ابوبکر کی طرف مائل تھے، لیکن مسلمانوں کی ایک جماعت سیدنا علی کو منصب خلافت کا ان دونوں بزرگوں سے زیادہ اہل تصور کرتی تھی، اس آخر الذکر جماعت میں زیادہ تر ایسے اشخاص شامل تھے جنھوں نے اگرچہ تاریخ اسلام میں وہ شہرت حاصل نہیں کی جو بعض اور معاصرین پیغمبر کو حاصل ہوئی ہے۔ لیکن جن کے اتقاء و دینداری اور رسولؐ خدا سے بے لوث محبت میں شک کی مطلق گنجائش نہیں ہو سکتی مثلاً حضرت سلمان فارسی اور حضرت ابوذر غفاری لیکن یہ جماعت اپنی دینداری کی وجہ سے سیاسی جوڑ توڑ سے بالکل ناآشنا تھی اور اگرچہ عوام الناس کی نگاہوں میں ان کا کتنا ہی ادب و احترام ہو لیکن اس نازک موقع پر ان سے کوئی ایسی سعی ظہور میں نہیں آئی جو انکو مدعا و مقصد میں کامیاب بنا سکتی۔

صفحہ ۱۱۳، ۱۱۴۔ رسول خدا کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ اور جانشین کے انتخاب کے بارے میں شروع ہی سے مسلمانوں میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا تھا اور ایک جماعت یہ خیال رکھتی تھی کہ سیدنا علیؑ خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں اس جماعت کے عقیدے کو ان عقائد کی بنیاد اور نقطۂ آغاز تصور کرنا چاہیئے جنکو آج ہم اصطلاحی طور پر تشیع یا شیعیت کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور یہ جماعت اگرچہ تعداد کے لحاظ سے قلیل تھی لیکن اثر کے اعتبار سے ایک نہایت وقیع جماعت تھی اول تو خود سیدنا علیؑ کی شخصیت اور جو قرابت قریبہ ان کو رسول اللہ سے حاصل تھی اس بات کی مستلزم تھی کہ باوجود اس نفاق و کدورت کے جو بعض لوگوں کے دلوں میں اس جدوجہد کی وجہ سے پیدا ہو گیا تھا جو انھوں نے تمام غزوات میں کفر کے انہدام اور اسلام کی حفاظت کیلئے کی تھی، مسلمان عموماً ان کو ایک ممتاز و یگانہ ہستی خیال کرتے تھے، دوسرے جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں اس جماعت میں بعض ایسے صحابۂ رسول شامل تھے جو اپنے زہد و تقویٰ کی وجہ سے اپنے معاصرین کی نگاہ میں خاص وقعت و احترام رکھتے تھے مثلاً حضرت سلمان فارسی جنکا صوفیوں کی روایات میں ایک خاص مرتبہ اور پایہ ہے، حضرت ابوذر غفاری جنکا تورع ضرب المثل ہو گیا ہے، حضرت مقداد بن اسود اور حضرت عمار بن یاسر جو مجاہدین اسلام کی صف اول میں شمار ہوتے ہیں، ناممکن ہے کہ وہ جماعت جس میں ایسے برگزیدہ اشخاص شامل ہوں مسلمانوں میں کوئی رسوخ و اعتبار نہ رکھتی ہو، لیکن ان اوائل شیعہ کے عقائد کی تلخیص نہایت دشوار ہے تاہم یہ پتہ چلتا ہے کہ ان میں دو تین قسم کے خیالات کے لوگ شامل تھے بعض مورخین کے خیال کے مطابق ایک

گروہ کا تو یہ قول تھا کہ سیدنا علیؑ کے حق میں رسول اللہؐ نے وصیت فرمائی تھی اور متعدد مواقع پر ان کو اپنا جانشین نامزد فرمایا تھا ان کی اطاعت ہر مسلمان پر فرض ہے اور ان کے بعد امامت و خلافت انکی اور حضرت فاطمہ کی اولاد کا حق ہے ان کا دوست ناجی اور ان کا دشمن ناری ہے، سیدنا علیؑ مثل انبیاء کے گناہ و خطاء سے محفوظ ہیں اور ان کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ جس کو منصب امامت کے لئے انتخاب کرے وہ بھی ان کی مانند گناہ و خطا سے محفوظ و معصوم ہے امام کا تقرر نص و وحی سے متعلق ہے انسانی آراء کا اس میں کچھ دخل نہیں ۔

صفحہ ۱۰۸ حضرت عثمان بنی امیہ کے دشمنوں کے جذبۂ انتقام کا شکار ہوئے اور سیدنا علیؑ کو جمہور نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لینے پر مجبور کیا شروع میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب مسلمانوں نے انکو متفق طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا ہے، لیکن یہ اتفاق بہت جلد نفاق میں تبدیل ہو گیا اور نفاق نے بالآخر جنگ و مخاصمت کی صورت اختیار کر لی، ملت اسلامی کے پھر تین ٹکڑے ہو گئے، ایک جماعت تو سیدنا علیؑ کی تقلید و حمایت پر قائم رہی اور یہی وہ جماعت ہے جو بعد میں شیعہ کے نام سے موسوم ہوئی دوسرے گروہ میں ایسے لوگ شامل تھے جنھوں نے کنارہ کشی کا مسلک اختیار کیا اور امیر المومنین کی مخالفت اور موافقت دونوں چیزوں سے گریز کیا اس گروہ میں زیادہ تر وہ لوگ شامل تھے جو پہلی تین خلافتوں میں پیش پیش رہے تھے لیکن اس فرقہ کے اسلاف کو بھی جو بعد میں معتزلہ کے نام سے مشہور ہوا اسی گروہ میں شامل کرنا چاہیئے (کیونکہ واصل بن عطا جس نے سب سے پہلے مذہب اعتزال کو ظاہر کیا وہ در اصل حسن بصری کا شاگرد تھا اور حسن بصری نے حضرت علیؑ سے کنارہ کشی اختیار کی تھی باوجود بصرہ میں مقیم رہنے کے حضرت علیؑ کا جمل و صفین میں ساتھ نہیں دیا)۔ تیسرا گروہ سیدنا علیؑ کے مخالفین کا تھا جنھوں نے حضرت عثمان کے قتل کا انتقام اپنی مخالفت کے لئے آڑ بنایا اور امیر المومنین سے بغاوت و جنگ کی یہ مخالف جماعت رفتہ رفتہ معاویہ کے علم کے نیچے جمع ہو گئی اور جب امیر المومنینؑ قتل ہو گئے۔ تو مسلمانوں کی غالب اکثریت اس جماعت میں شامل ہو گئی اس جماعت کو زمانہ مابعد میں "مرجئہ" کے نام سے موسوم کیا گیا۔ ان کا یہ قول تھا کہ وہ سب لوگ جو سیدنا علیؑ کے خلاف یا ان کے موافقت میں جنگ کرتے رہے اہل قبلہ اور اپنے اقرار ظاہری کی وجہ سے مومن تھے اور اس لئے ان سب کی مغفرت کی امید رکھنی چاہیئے، ان کے حسن و قبح کے متعلق کوئی گفتگو نہونی چاہیئے

اور اس قضیہ کو روز قیامت کیلئے ملتوی کر دینا چاہیئے، اس گروہ کو اسلام کا سواد اعظم تصور کرنا چاہیئے اس کا مسلک ہمیشہ حاکم وقت کا اتباع اور غالب فریق کی اعانت وتائید رہا اور مرور زمانہ کے بعد یہی گروہ اہلسنت وجماعت کی بنیاد بن گیا۔ ان تین جماعتوں کے علاوہ ایک چوتھی جماعت بھی تھی جنکو خوارج کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے، بنو امیہ کی خلافت عمومی حیثیت سے دینی معاملات میں چنداں سرگرم نہ تھی اور اس خاندان کے اکثر خلفاء اسلام کی تخریب وتخفیف کا میلان رکھتے تھے لیکن ان کی رعیت کے مذہبی جذبات کا تقاضا تھا کہ وہ خلافت کی دینی وجاہت کو قائم رکھیں اور اپنی بداعمالی کیلئے اسلامی عقائد میں سند جواز کے حیلے (جسکو اجماع وسنت کے نام سے ظاہر کیا گیا ہے) تلاش کریں۔ رعیت بھی فطری طور پر مجبور تھی کہ اپنے مذہبی عقیدہ کو اپنی سیاسی عقیدت کے ساتھ موافق ومطابق بنانے کی سعی کرے، یہ اسباب تھے جنکی بنا پر جمہور (سواد اعظم) میں مرجئہ اور جبریہ عقائد کو زیادہ نفوذ واقتدار حاصل ہو گیا۔ مقصد اصلی یہ تھا کہ ان عقائد کے پردے میں اپنے حکمرانوں کے افعال قبیحہ کو چھپا دیا جائے اور ان افعال کی ذمہ داری کا بار اپنی گردن سے دور کر کے نجات وبخشش کی خوشگوار امیدوں کو دلوں میں جگہ پانے کا موقع دیا جائے"۔

مندرجہ بالا تشریح کے بعد اب کسی انتباہ کی ضرورت نہیں رہجاتی لیکن ناظم ادارۂ تالیف کے مزید اطمینان قلب کیلئے ایک شیعی حوالہ بھی دیتا ہوں جسکے بعد موصوف کیلئے کوئی محل کلام نہ ہونا چاہیئے، حضرت علی بن موسی الرضا علیہ السلام کے مشہور صحابی "ابو محمد فضل بن شاذان بن خلیل نیشاپوری" متوفی ۲۶۰ھ جنکے متعلق کتاب الرجال ابو العباس النجاشی میں ہے کہ:۔

وکان ثقة احد اصحابنا الفقهاء والمتکلمین وله جلالة فی الطائفة وهو فی قدره اشهر من ان یصفه وذکر الکجی انه صنف مائة وثمانین کتاباً

(رجال النجاشی صفحہ ۲۱۰)

یہ ثقات اصحاب ائمہ اور فقہاء ومتکلمین شیعہ امامیہ سے ہیں گروہ امامیہ میں انکی بڑی جلالت ہے یہ اپنی قدر ومنزلت کے اعتبار سے اتنی شہرت رکھتے ہیں کہ زیادہ توصیف کی ضرورت نہیں ہے، انھوں نے ایک سو اسی کتابیں تصنیف کیں۔

اتنا جلیل القدر معصوم کا ثقہ صحابی، فقیہہ ومتکلم، جس نے حمایت مذہب امامیہ میں ایکسو اسی کتابیں تصنیف وتالیف کیں، وہ اپنی کتاب الایضاح میں جو اسلامی فرق باطلہ کی رد میں لکھی ہے، بعد "حمد وصلوٰۃ" شروع کتاب میں تحریر کرتا ہے:

اما بعد فانا نظرنا فیما اختلف فیہ اھل الملۃ من اھل القبلۃ من امر دینھم حتی کفر بعضھم بعضاً وبری بعضھم من بعض وکلھم ینتحل الحق و یدعیہ فوجدناھم فی ذالک صنفین لاغیر فاحدھما المتسمون بالجماعۃ المنتسبون الی السنۃ وھم فی ذالک مختلفون فی اھوائھم ..... قد اجمعوا علی خلاف الصنف الآخر وھم الشیعۃ ،، (منقول از کتاب الذریعہ الی تصانیف الشیعہ جلد دوم صفحہ ۴۹۱ طبع عراق)

اہل قبلہ کے اس اختلاف میں ہم نے غور کیا جو وہ اپنے امور دینیہ میں رکھتے ہیں جس سے بعض بعض کو کافر بناتے ہیں اور ایک دوسرے سے بیزاری کا اظہار کرتے ہیں حالانکہ سب کے سب اہل حق ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں، تو ہم نے ان سب کو فقط دو صنفوں میں منقسم پایا ایک وہ گروہ جو اپنے تئیں اہل جماعت کہتا ہے اور اپنے تئیں سنت کے جانب منسوب کرتا ہے (یعنی اہلسنت و الجماعت)، اور خواہشات نفس کی بنا پر ان میں مختلف گروہ ہیں لیکن سب کے سب مجتمعاً دوسری صنف کے مخالف ہیں اور یہ دوسری صنف گروہ شیعہ ہے۔

اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ فرقہ اہلسنت چاہے وہ قرن اوّل کے ہوں یا اس زمانہ کے شیعی فرقہ نہیں ہے بلکہ یہ فرقہ شیعوں کے مخالف فرقہ ہے۔

یہ خیال رہے کہ کتاب الایضاح فی الرد علی سائر الفرق" کے نسخے ممتنع الوجود نہیں ہیں بلکہ اسکے مخطوطات دنیا کے مشہور خزائن کتب میں پائے جاتے ہیں، عراق و نجف کے کتابخانوں میں اسکے متعدد نسخے موجود ہیں ایا صوفیہ، خدیو مصر، اور اسکوریال (اسپین) کے کتابخانوں میں بھی اسکے مخطوطات موجود ہیں زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں ایک قلمی نسخہ خدا بخش کے کتابخانہ مشرقیہ بانکی پور میں بھی موجود ہے (تذکرۃ النوادر من المخطوطات العربیہ از سید ہاشم ندوی)۔

"ناظم اعلیٰ ادارۂ تحریر" کا یہ تحریر کرنا کہ "وہ مذہب جو حضرت امام حسینؑ کے مقابل میں بر سر حساب تھا دنیا سے ناپید ہوگیا"، عجیب حیرت میں مبتلا کرتا ہے، کیونکر کہوں کہ یہ دعوائے بھی بے خبری پر مبنی ہے۔ جبکہ آج بھی سواد اعظم کا وہی عقیدہ ہے جو قاتلان حسینؑ کا عقیدہ تھا"

یہی وجہ ہے کہ علمائے اہلسنت نے امام حسینؑ کو خلیفہ رسول کا باغی سمجھکر قابل گردن زدنی قرار دیا ہے چنانچہ محی الدین ابن عربی اپنے اس مسلک کو ان الفاظ میں ظاہر کرتا ہے:

ماقتل الحسین الا بسیف جدہ، نقل حسینؑ نہیں قتل کئے گئے مگر اپنے جد کی تلوار سے

عنہ ابن خلدون فی العبر — علامہ ابن خلدون نے اس قول کو کتاب العبر میں نقل کیا ہے۔

(الحسین لجلال الحنفی جلد دوم صفحہ ۱۷۱)

مورخ معاصر علی جلال الحنفی لکھتے ہیں۔

"وقال القاضی ابوبکر ابن العربی المالکی فی کتابہ المسماہ بالعواصم والقواصم ما معناہ ان الحسین قتل بشرع جدہ"

قاضی ابوبکر ابن العربی نے اپنی کتاب العواصم والقواصم میں لکھا ہے کہ حسین اپنے جد کی شریعت "اسلام" کے حکم کے موافق قتل کئے گئے۔

(الحسین جلد دوم صفحہ ۱۷۱ طبع قاہرہ)

اسی طرح تفسیر روح المعانی میں ہے۔

قال ابن جوزی فی کتابہ سر المصئون من الاعتقادات العامۃ التی غلبت علی جماعۃ منتسبین الی السنۃ ان یقولون ان یزید کان علی الصواب وان الحسین اخطاء بالخروج علیہ"

علامہ ابن جوزی اپنی کتاب سر المصئون میں تحریر فرماتے ہیں کہ جماعت منسوب بہ سنت (یعنی اہلسنت) کا ایک عام خیال واعتقاد ہے جو اس فرقہ پر غالب آگیا ہے کہ یزید برسر حق تھا، اور امام حسین نے اس پر خروج کرنے میں غلطی اور خطا کی،،

(تفسیر روح المعانی علامہ سید آلوسی بغدادی جلد ۹ صفحہ ۲۱۸)

"ابن تیمیہ" یزید کے متعلق کہتا ہے۔

"انہ کان امامًا عادلًا ھادیًا مھدیًا وانہ کان من الصحابہ او اکابر الصحابہ او انہ کان من اولیاء اللہ تعالیٰ"

یزید امام عادل، ہادی ومہدی تھا، وہ صحابہ یا بنابر بعض، اکابر صحابہ میں سے تھا یا (بقول بعض) اولیاء اللہ میں سے تھا

(وصیت کبریٰ علامہ ابن تیمیہ صفحہ ۳۰۰)

صواعق محرقہ ابن حجر میں ہے کہ "فانہ من جملۃ المؤمنین" (صواعق محرقہ ابن حجر صفحہ ۱۳۳ طبع مصر)

علامہ غزالی فرماتے ہیں، الترحم علیہ فجائز بل ھو مستحب بل ھو داخل فی قولنا فی کل صلوٰۃ اللھم اغفر للمومنین والمومنات، فانہ کان مومنًا۔ یزید پر دعائے رحمت کرنا جائز ہے بلکہ مستحب ہے بلکہ ہم نماز میں جو یہ دعا کرتے ہیں کہ خداوندا مومنین ومومنات کو بخش دے اس میں یزید بھی داخل ہے کیونکہ وہ مومن ہے

(وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۳۲۸ طبع مصر)۔ ابوشکور سلمی حاشیہ شرح عقاید نسفی کے صفحہ ۱۰۲ پر فرماتے ہیں

کہ امام حسینؑ پر یزید کی بیعت اور اطاعت واجب تھی کیونکہ اسکی خلافت اسکی صحیح تھی۔ تفسیر بیضاوی جلد اول صفحہ ۳۳ کے مطالعہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نصرت یزید کو آیت قرآن کی بشارت کے مطابق نصیب ہوئی۔

اسی طرح علمائے اہلسنت نے یزید کو خلفائے اثنا عشر میں داخل کیا ہے،

شرح فقہ اکبر میں مندرج ہے کہ میرا رسول نے فرمایا تھا بارہ خلیفہ ہونگے چار ان میں سے خلفائے راشدین اور بقیہ معاویہ و یزید اور عبد الملک بن مروان اور انکی چار اولادیں یکے بعد دیگرے ارشاد رسول کے مطابق خلیفہ ہوئے، علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی تاریخ الخلفاء میں خلفاء کی فہرست میں یزید کو درج فرمایا ہے ملل والنحل شہرستانی صفحہ سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اہلسنت معاویہ یزید اور بنی مروان کی خلافت کے قائل ہیں۔ عصر حاضر کا مشہور سنی مورخ الاستاذ الشیخ محمد الخضری (پروفیسر تاریخ مصر یونیورسٹی) اپنی کتاب "محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ یعنی تاریخ خضری میں تحریر فرماتے ہیں " وعلی الجملة فان الحسین اخطأ خطأً عظیماً فی خروجه" الیٰ آخرہ۔ مختصر یہ کہ حسینؑ نے یزید پر خروج کر کے بہت بڑی غلطی کی، یہ فعل حسینؑ کا ایسا ہے جسکی وجہ سے امت میں اختلاف و تفرقہ پیدا ہوا اور اسی سبب سے ستون اسلام آج تک مستحکم نہ ہو سکا غرضکہ اسلام کی بربادی و تباہی کے ذمہ دار تنہا حسینؑ ہیں، کیوں؟

اما الحسین فانہ خالف علی یزید وقد بایعہ الناس ولم یظہر منہ ذالک الجور ولا العسف عند اظہارہ ھذا الخلاف،

اس لئے کہ حسینؑ نے یزید کی مخالفت اس حالت میں کی جبکہ تمام مسلمان بیعت کر کے اس کی خلافت پر اجماع کر چکے تھے اور اس وقت تک یزید سے کسی قسم کی ظلم و زیادتی بھی نہیں ظاہر ہوئی تھی۔

(محاضرات تاریخ الامم الاسلامیہ جلد دوم صفحہ ۳۵ مطبوعہ مصر ۱۳۳۳ھ)

ان خیالات کو ظاہر کرنے کی بنا پر ایک مشہور مسیحی مصنف اور جرنلسٹ عبد المسیح انطاکی مدیر جریدۃ العمران کو یہ کہنا پڑا کہ "ایسی باتیں نہ کہے گا سوائے بنی امیہ اور ان کے یاور و انصار کے شیخ خضری کیلئے کیا اچھا ہوتا کہ وہ عہد معاویہ یا دوسرے خلفائے بنی امیہ کے زمانہ میں ہوتے اور انکے سامنے لوگوں میں ایسی تقریر کرتے تو خلفائے بنی امیہ کی خوشنودی بھی حاصل ہوتی"۔ (القصیدۃ العلویہ او التاریخ الشعری لصدر الاسلام صفحہ ۱۰۵ طبع مصر) شمس العلماء مولانا نواب سید امداد امام صاحب مغفور کی تصانیف مناظر المصائب و مصباح الظلم ملاحظہ فرمایئے اسمیں مرحوم نے اپنے عہد کے ایسے علمائے اہلسنت کا تذکرہ فرمایا ہے جو یزید کو خلیفہ برحق سمجھتے تھے ان علماء میں سے بعض جناب مغفور کے اتالیق و استاد بھی تھے۔ مرحوم نے یہ بھی تحریر فرمایا ہے کہ قلع

کابل وپشاور میں ایسے علماء کافی تعداد میں موجود ہیں جو اپنے اس عقیدہ کو چھپاتے نہیں ہیں اور اصول مذہب اہلسنت کی بنا پر یزید کی حقیت خلافت کے علانیہ قائل ہیں، موجودہ امام اہلسنت عبد الشکور لکھنوی کی تحریروں اور روداد مقدمہ جونپور سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے کہ آجتک یہ مذہب نہ صرف موجود ہی ہے بلکہ وہ اپنی تبلیغ واشاعت میں سرگرمی کے ساتھ جد وجہد بھی کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ مقدمہ جونپور ۱۹۳۷ء کے عرضی دعوی مدعیان کے دفعہ (۲،۱، ۳) ملاحظہ ہوں (جنکو بطور نقل کفر کفر نباشد کی بنا پر تحریر کرتا ہوں)۔

" نمبر ۴ ۱۹۳۷ء

بعدالت سول جج جونپور ضلع جونپور!

عبدالعزیز وغیرہ مدعیان ، بنام خانصاحب سید منصور حسن وغیرہ مدعا علیہم

بنام (۵۰ مدعا علیہم)

مدعیان مذکوران حسب ذیل عرض پرداز ہیں۔

دفعہ ۱، مدعیان پابند مذہب اسلام اور اس فرقے سے تعلق رکھتے ہیں جو شیعہ بنو امیہ کہلاتا ہے۔

دفعہ ۲، مدعیان خلفائے بنو امیہ خصوصاً امیر المومنین امام المتقین سیدنا حضرت امیر معاویہ وامام المومنین وسید المسلمین سیدنا حضرت یزید بن امیر معاویہ علیہم السلام کو مسلمانوں کا امام واجب الاطاعت اور محفوظ عن الخطا جانتے ہیں اور انکے مخالفین اور معاندین کو جادۂ حق سے منحرف اور خطا کار جانتے ہیں

دفعہ ۳، مدعیان یعسوب المومنین وامیر الاشجعین حضرت عبد الرحمن بن ملجم وسیدہ جعدہ بنت الاشعث وحضرت فردوس مکان جنت نشان فاتح جنگ کربلا سید المومنین حضرت عبید اللہ ابن زیاد وخلد آرام جنت مقام امیر العسکر تیغ النقی سید المومنین حضرت عمرو بن سعد واسد اللہ فی عصرہ امیر الجیوش القاہرہ حضرت شمر بن ذی الجوشن ومرد صالح خیر البریہ فی عہدہ حضرت سنان بن انس وخلد آشیان قدر انداز بے نظیر ابو ایوب غنوی علیہم السلام کو اپنا پیشوا وحسن اسلام والمسلمین سمجھتے ہیں اور انکے مناقب بیان کرنیکو عبادت جانتے ہیں" (روداد مقدمہ جونپور مطبوعہ) - اے بغی طنبورۂ تو چہ سرا ید -

(۴۳) ناظم ادارۂ تحریر نے کتاب شہید انسانیت میں بعض "متفرق تعلیمات" کے ذیل میں بصفحہ ۷۰۱، چند امور ایسے تحریر فرمائے ہیں جنکو تاریخی حقائق سے دور کا بھی تعلق نہیں ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

اپنے مرحوم بھائی امام حسن کی وصیت کے احترام ہی سے تھا کربلا میں اپنے عزیز بھتیجے قاسم ابن حسن کو

اجازت جہاد دینا جبکہ آپ خود اس لئے اجازت دینے انکار کرتے تھے کہ ابھی قاسم حد بلوغ کو نہ پہنچے تھے اور جہاد کی تکلیف عائد نہ تھی،

غالباً اس وصیت سے مراد وہ تعویذی وصیت ہے جسکو صاحب انوار سہیلی ملا حسین واعظ کاشفی نے سب سے پہلے اپنی کتاب روضۃ الشہداء میں تحریر کیا ہے، اور جس کا نشان محققین علمائے اعلام و اعاظم مورخین فرق اسلام کے تصانیف میں کہیں نہیں ہے (سوائے اُنکے جنھوں نے روضۃ الشہداء سے نقل کیا ہے) اور یہ امر ایسا ہے جس سے ہمارے وسیع النظر ناظم ادارہ کا تحریر ناواقف نہیں ہیں،

(۱۴) مندرجہ بالا تحریر کے بعد پھر فرماتے ہیں "اپنی نامزد لڑکی کا یتیم امام حسن کے ساتھ عقد کر دینا بھی اپنے بھائی کی وصیت کی تعمیل ہی میں تھا" اس واقعہ مفروضہ پر بھی اب تک کوئی تاریخی شہادت نہیں پیش کی جاسکی ہے، بعض ایسے علماء جو تحقیق سے کنارہ کش ہو کر "تسامح فی ادلۃ السُّنن" کی آڑ لیتے ہیں (حالانکہ ایک تاریخی واقعہ کے وقوع یا عدم وقوع سے ادلہ سنن یا فتوئی مفتی کو کوئی مناسبت ہی نہیں ہے)، وہ صرف "اعانۃً علی البکاء" اپنی کتب مصائب میں اس افسانہ کو بیان کر دیتے ہیں لیکن اس تسامح سے تاریخی حقائق بنائے یا مٹائے نہیں جا سکتے ہیں، شہید انسانیت ایسی کتاب میں کسی عنوان سے سہی کاشفی کے مجعولہ مجہولہ کا ذکر کرنا اصل تالیف کی وقعت کو گھٹا دینا ہے، قصۂ دامادی اور افسانۂ وصیّت کو ملا حسین کاشفی نے بغیر سند و دلیل کے نقل کیا ہے، جسکا بطلان "تقریر جاسم" کے حصہ دوم (صفحہ ۱۰۳ تا ۱۰۵) میں مذکور ہے۔ اس فرضی قصہ کے کتب معتبرہ میں موجود نہونے کا ادنیٰ ثبوت یہ ہے کہ حضرت علامہ مجلسی علیہ الرحمہ "جلاء العیون" میں ارشاد فرماتے ہیں، "قصۂ دامادی در کتب معتبرہ بنظر فقیر نرسیدہ" اسی طرح مرتضی العصر ثقۃ الاسلام علامہ حسین النوری[۱] الطبرسی تحریر فرماتے ہیں "قبل ازمن در ہیچ کتاب دیدہ نشد از عصر شیخ مفید تا آن عصر کہ بحمد اللہ مؤلفات اخبار ایشان در ہر طبقہ فعلاً موجود اند ابداً اسمی ازان در آن کتب بردہ نشدہ" اسی طرح صاحب کتاب المآثر والآثار مرزا محمد حسن اعتماد السلطنۃ جو وسیع النظر و صاحب بصیرت مورخ ہیں (جنکی مصنفات تاریخی مثل مطلع الشمس، تاریخ ایران وغیرذالک انکی عظمت پر گواہ ہیں)، تحریر فرماتے ہیں "این قصہ در از ہیچ اصل ندارد و از مورخین و محققین و محدثین احدے آن را نقل ننمودہ حتی غواص بحار اخبار علامۂ مجلسی ثانی علیہ الرحمۃ کہ متاخرین متتبعی در اخبار چو نہ دارد این شہرت را ذبہ را اسا بلا اصل دانستہ است"،

[۱] لؤلؤ و مرجان صفحہ ۱۴۳ طبع لکھنؤ

اس بنا پر قصہ دامادی و افسانۂ وصیت کا جب تک تاریخی ثبوت نہ ہو غیر ذمہ دارانہ حیثیت سے ایک ایسی بین الاقوامی تالیف میں جس کو تاریخی حقائق پر مرتب کئے جانے کا دعویٰ کیا گیا ہو، نقل کرنا کسی حیثیت سے بھی سزاوار نہ تھا، ثبت العرش ثم النقش!

خود واعظ کاشفی نے بھی اس واقعہ مجعولہ کو غیر ذمہ دارانہ حیثیت سے لکھا ہے۔ کیونکہ اس وصیت کے سلسلہ میں موصوف نے کوئی سند و حوالہ نہیں پیش کیا ہے وہ لکھتے ہیں،

"نقلے ہست کہ امام حسن، ام کلثوم را گفت اے خواہر نامدار من بیادگار برادر من فرزندم قاسم را حاضر گردان ام کلثوم بفرمود تا قاسم را آوردند امام حسن او را در بر گرفت و روبروئے وے نہادہ بہائے ہائے بگریست بعد ازاں دست قاسم بگرفت و بدست امام حسین داد و گفت اے برادر فلانہ دختر ترا نامزد پسر خود قاسم کردم چون وقت آید بوے سپاری داز وے نظر پدری و شفقت باز نداری"، (روضۃ الشہدا احوال امام حسن صفحہ ۱۷۰ طبع نولکشور)

فرمائیے! "نقل را چہ اصل"؟ بفرض محال اگر اسکو تسلیم بھی کرلیں تو اس وصیت کی تعمیل روز عاشور کیونکر ہوسکتی ہے، کیونکہ امام حسن نے اپنی وصیت کو "چون وقت آید" کے الفاظ کے ساتھ شرط فرمایا ہے ظاہر ہے کہ اس سے مراد یہی ہے کہ جب قاسم شادی کے قابل ہو جائیں اسوقت امام حسین اس وصیت پر عمل فرماویں، بالفاظ دیگر جب تک حضرت قاسم بالغ نہوں امام حسین اس وصیت کی تعمیل نہیں کر سکتے تھے، بلکہ قبل بلوغ تعمیل وصیت کرنے سے خلاف وصیت ہو جاتا ہے، رہا جناب قاسم کا بلوغ، تو اس کا اقرار آپ کو بھی ہے کہ "ابھی قاسم حد بلوغ کو نہ پہنچے تھے اور جہاد کی تکلیف عائد نہ تھی"، فاذا فات الشرط فات المشروط!

اب رہا یہ کہ "یتیم حسن" سے حضرت قاسم کو نہ مراد لیا جاوے بلکہ اس سے امام حسن علیہ السلام کے کسی دوسرے صاحبزادے کو مراد لیجئے جو حسب وصیت امام حسین کی کسی صاحبزادی سے نامزد تھے تو یہ بھی باطل ہے، کیونکہ اصل وصیت ہی محققین کے نزدیک ثابت نہیں ہے عام اس سے کہ کسی صاحبزادے کے لئے ہو، حسن مثنی کا عقد فاطمہ بنت الحسین کے ساتھ جیسا کہ جمہور کو تسلیم ہے، یا جناب سکینہ کا عقد عبداللہ بن حسن کے ساتھ ہونا جیسا کہ علامہ طبرسی و ابو الفرج اصفہانی و صاحب شارق الانوار نے تصریح کی ہے، بنا بر وصیت کے کوئی بھی نہیں قبول کرتا ہے :-

رہا یہ امر کہ واقعہ عقد قاسم کے بیان کرنے میں کاشفی ہی تنہا منفرد ہیں بلکہ ان سے پہلے ابن عربی نے اپنے مقتل میں اسکو وارد کیا ہے (جیسا کہ اس کا دعویٰ ناظم اعلیٰ ادارۂ تحریر کے برادر معظم مولوی آغا مہدی صاحب نے کیا ہے جو کتاب عبائر میں مذکور ہے۔ عبائر الانوار کے تمام طومار کی بنیاد اسی مقتل ابن عربی و کاشفی کے حوالہ پر ہے جس کا قلع قمع اس مقام پر کر دیا گیا ہے اسکے بعد عبائر میں کوئی بات رہ نہیں جاتی ہے جو قابل جواب ہو معلوم ہوا ہے کہ عبائر کا مفصل جواب خویش جناب ظہور الملۃ اعلی اللہ مقامہ مولوی سید رضا حیدر صاحب معلم فارسی شیعہ انٹر کالج تحریر فرما کر شائع کرنے والے ہیں۔ مولوی آغا مہدی صاحب نے مقتل ابن عربی کو خود نہیں ملاحظہ کیا ہے بلکہ صاحب انوار الشہادت ملا حسن یزدی معاصر فتح علی شاہ قاجار کے حوالے سے "مقتل ابن عربی" اور کتاب حزن الایمان کا تذکرہ فرمایا ہے، ملا حسن یزدی اپنی کتاب مصائب انوار الشہادت کی تالیف سے ۱۲۸۷ھ میں فارغ ہوئے ہیں یعنی تیرھویں صدی کے آخری دور میں ملائے یزدی نے اس کتاب کو لکھا ہے، یہ بزرگ ایران کے مشہور روضہ خوانوں میں سے تھے موصوف نے عقد قاسم کے سلسلہ میں "مقتل ابن عربی" اور حزن الایمان کا حوالہ دیا ہے، حزن الایمان ایک غیر معروف و مجہول کتاب ہے جسکے مؤلف کا ذکر نہیں کیا ہے جس سے کتاب مذکور کے اعتماد و اعتبار کا اندازہ ہوتا، اس لئے جبتک اس کتاب اور اسکے مولف کی توثیق نہ ہو جائے یہ حوالہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا دراصل مقام تحقیق میں حوالہ کا یہ انداز قابل سند ہی نہیں ہے، ہاں ابن عربی کے متعلق کلام کرنا ضروری ہے،

علمائے اہل سنت میں "ابن عربی" کنیت کے دو شخص گذرے ہیں:-

(۱) ابوبکر محمد بن عبداللہ المعروف بابن العربی المعافری الاندلسی الاشبیلی الحافظ المشہور المتوفی ۵۴۳ھ

(وفیات الاعیان جلد اول صفحہ ۴۸۹)

(۲) شیخ محی الدین ابوبکر محمد بن علی بن محمد المعروف بابن العربی الطائی الاندلسی الصوفی المشہور المتوفی ۶۳۸ھ

ملا حسن یزدی نے ان ہر دو ابن عربی میں سے کسی خاص ابن عربی کی تخصیص نہیں کی ہے بلکہ مجملاً لکھتے ہیں "در مقتل ابن عربی و حزن الایمان نیز نسبت بحدیث دادہ است" (انوار الشہادت صفحہ ۸۰ طبع بمبئی)

سوال یہ ہے کہ مزعومہ مقتل "محدث ابن عربی" یا "متصوف ابن عربی" کس کی تالیف سے ہے اول الذکر یقیناً مشہور محدث و صاحب تصانیف ہیں۔ انکی مشہور کتاب "عارضۃ الاحوذی فی شرح الترمذی"

ہے (وفیات جلد اول صفحہ ۴۸۹) لیکن محدث مذکور کی تالیف میں سے کوئی مقتل نہیں ہے، جو انکی طرف منسوب ہو کر مقتل ابن عربی کہلائے اور نہ مولوی آغا مہدی صاحب مؤلف عباؔ نے مزعومہ مقتل ابن عربی کو انکی طرف منسوب کیا ہے، اب صرف سوال یہی رہ جاتا ہے کہ کیا محی الدین ابن عربی نے کوئی مقتل تالیف کیا ہے؟ عندالتحقیق اس کا جواب بھی نفی میں ملتا ہے دراصل صاحب فتوحات مکیہ و فصوص الحکم محی الدین ابن عربی ایک مشہور صوفی ہیں جنہوں نے تصوف، جفر اور اسرار حروف میں بکثرت کتابیں لکھی ہیں مشہور جرمنی مستشرق "بروکلمن" نے انکے تصانیف کا تفصیل سے تذکرہ کیا ہے، اور بتلایا ہے کہ یہ تصانیف کن کن مقامات میں پائے جاتے ہیں اسی طرح فاضل حاجی خلیفہ چلپی نے بھی کشف الظنون میں ان کے تصانیف کا تذکرہ کیا ہے، مگر فہرست تصانیف میں "مقتل" کا کہیں نام و نشان بھی نہیں ہے۔ مشہور و معروف مؤرخین و محدثین اہلسنت مثل ابن النجار بغدادی، ابن نقطہ ابن العدیم، زکی الدین المنذری، ابن الابار، ابن الزبیر، ابن الدبیثی، ابو العلاء فرضی، قطب الدین حلبی، سبط ابن الجوزی، قطب الدین یونینی، ابن فضل اللہ، احمد بن عطاء اللہ الاسکندری، یافعی، صلاح الدین صفدی ابن خلکان، محمد بن شاکر الکتبی، جلال الدین السیوطی، عبدالوہاب شعرانی، عبدالرحمان جامی، محمود بن سلیمان الکفوی فاضل ازنیقی، برزنجی، نظام الدین سہالی، عبدالعزیز دہلوی، سلامت اللہ بدایونی، وغیرہم نے محی الدین بن عربی اور اُن کے تصانیف کا تذکرہ کیا ہے لیکن کسی نے بھی "مقتل" کا ذکر نہیں کیا، یہی نہیں بلکہ مفتاح السعادہ طاش کبریٰ زادہ، ابجد العلوم نواب صدیق حسن خان، قاموس الاعلام الزرکشی، دائرۃ المعارف القرن العشرین فرید وجدی مصری، دائرۃ المعارف الاسلامیہ، اکتفاء القنوع بما ہو مطبوع ایڈورڈ فانڈک یورپی، معجم المطبوعات العربیہ یوسف الیاس سرکیس، میں بھی محی الدین ابن عربی کا تذکرہ مع تصانیف کے موجود ہے مگر کسی "انسائیکلو پیڈیا" یا معجم میں مقتل ابن عربی کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے۔ دنیا کے مشہور مکاتب و خزائن کتب کی فہرستیں شائع ہو چکی ہیں جس میں مخطوطات و مطبوعات اور نوادر کتب عتیقہ کا تذکرہ موجود ہے ان فہرستوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطنطنیہ، مصر، بیروت، شام، ایران، ہندوستان اور ممالک یورپ کے کسی مشہور کتابخانہ میں مقتل محی الدین ابن عربی کا نشان نہیں ہے، صرف یہی نہیں ہے بلکہ ساتویں صدی سے لیکر اب تک کسی نے بھی اپنی تصنیف و تالیف میں اس مقتل کا حوالہ نہیں دیا ہے، ہاں تیرھویں صدی کے ایرانی روضہ خواں ملا حسن یزدی نے اپنی کتاب انوار الشہادت میں بغیر کسی تخصیص مصنف کے "مقتل ابن عربی" کے نام سے اجمالاً ذکر کیا [illegible] کافی تھا بس

اسی بنیاد پر بڑے طمطراق کے ساتھ یہ لکھدیا کہ "بہرحال پہلی تحریر جسے ہم اس مقام پر پیش کرینگے وہ محی الدین ابن عربی کی ہے جنکا نام ہم نے اس واقعہ کے لکھنے والوں میں ابتداءً درج کیا انھوں نے اپنے مقتل میں اس واقعہ کو ایسے پرزور لفظوں میں نقل کیا ہے جو آج اس کے وقوع اور عدم وقوع کے طے کر دینے کیلئے علماء کے نزدیک کافی سمجھی جاتی ہے (عبائر صفحہ ۴۲) اب بقول مولف عبائر پرزور الفاظ ملاحظہ ہوں" "در مقتل ابن عربی نوشتہ کہ بعد از وداع مادر و عروس قاسم ناکام باچشم اشکبار از حجلۂ جلال بیرون آمد و سوار شد ہمینکہ چند قدم راہ رفت دید صدائے نالہ می آید نگاہ بعقب انداخت و ملاحظہ کرد مادرش را پائے برہنہ یافت کہ می آید و اشک حسرت را از دیدہ می بارد و میگوید "یا بنی اصبر الیک حاجۃ" اے نور دیدہ صبر کن کہ بتو حاجتی دارم و می ترسم در دلم بماند گفت اے مادر کدام است حاجت تو گفت اے نور دیدہ من از عروس تجالت دارم و ہدیہ بجہتہ نثار قدومش نیاوردم ولبہائے او را خشکیدہ یافتم بر بنی امیہ بگو کہ من تازہ داماد م توقع قطرۂ آبے از شما دارم و شاید بر تو رحم کنند و آن را بکام عروس برسانم پس دفعۂ دیگر مادر قاسم وداع نمودند باگریہ و نالہ از ہم جدا شدند" (انوار الشہادت صفحہ ۱۷):-

کیا فارسی کی عبارت "محی الدین ابن عربی" کی ہے جس کے پرزور الفاظ سے وقوع اور عدم وقوع کو طے کرلینا آج علماء کے نزدیک کافی سمجھا گیا ہے، ظاہر ہے کہ یہ عبارت ابن عربی کی نہیں ہے کیونکہ انکی تمام تصانیف عربی میں ہیں۔ دراصل جس طرح یہ عبارت فارسی کی ہے ویسے ہی اسکے خیالات و مفہوم میں بھی خالص عجمیت ہے، اسکو تو صرف ایک غیر محتاط روضہ خوان ایرانی ہی اپنے افسانوی مذاق میں "رونے رلانے" کے لیے لکھ سکتا ہے، ورنہ حقیقت سے کوئی لگاؤ نہیں ہے، مادر جناب قاسم کا پابرہنہ خیمہ سے باہر نکل کر حضرت قاسم کے پیچھے دوڑنا اور دلہن کے پچھاور کیلئے قطرات آب کا سوال کرنا، کسی المیہ تمثیل کیلئے بہترین پلاٹ ہو سکتا ہے لیکن کربلا کے تاریخی حقائق کیلئے ناقابل تسلیم ہے جسکو کوئی متدین اور تاریخ پر صحیح نظر رکھنے والا کسی طرح بھی نہیں قبول کر سکتا،

غرضکہ روایت عقد قاسم عجمیوں کے افسانہ پسند طبیعت کا نتیجہ ہے، یہ وہ قوم ہے جس نے قصص گوئی اور افسانہ نگاری میں کمال حاصل کیا تھا، یہی وجہ ہے کہ انکی قدیمی تاریخ نے بھی "داستان" کی حیثیت اختیار کرلی ہے، خود عربوں نے بھی اس فن کو انھیں عجمیوں سے سیکھا ہے، واقعہ کربلا میں بھی جذبۂ عقیدت ہی کی بنا پر یہی کچھ افسانوں کا اضافہ عجمیوں نے کیا "عقد قاسم" "جناب شہربانو" کے واقعات یہ وہ چیزیں ہیں

جو عجموں کی طبعزاد روایات ہیں اور جنکو کسی طرح تاریخی حقیقت نہیں کہا جاسکتا اس بنا پر اس قصہ کا بیان کرنے والا مؤلف انوار سہیلی ملا حسین واعظ کاشفی سے پہلے اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔

(۱۵) ناظم ادارہ تحریر مندرجہ بالا عبارتوں کے بعد مزید استفادہ کے خیال سے پھر تحریر فرماتے ہیں۔

"جیسا ہی تو حضرت امام حسین کی زیارت میں اس صفت خاص کا تذکرہ ہے "والی وصیتہ اخیک مسارعًا" (یعنی، اپنے بھائی کی وصیت کے پورا کرنے میں آپ نے بڑی تعجیل کی کہ کہیں وقت نہ نکل جائے اور وصیت کی تعمیل رہ جائے۔" (شہید انسانیت صفحہ ۱۰۷)

سب سے پہلے زیارت ناحیہ کے اس فقرہ کے متعلق یہ عرض کرنا ہے کہ بفرض محال اگر اس وصیت کو تسلیم بھی کرلیں تو وہ وصیت مفروضہ "چون وقت آید" کے ساتھ مشروط ہے اس بنا پر جبتک حضرت قاسم کے بلوغ کو ثابت نہ کیا جاوے، امام وصیت امام سے متعلق ہی نہیں ہوتا اور اس صورت میں سارعت کا سوال ہی نہیں رہتا، کیونکہ اگر قبل از وقت اس وصیت پر عمل کیا جائے، تو اس عمل کو وصیت کی بنا پر نہیں سمجھا جاوے گا۔ بلکہ خلاف وصیت ہوگا، یہ ملحوظ رہے "کہ چون وقت آید" سے علاوہ بلوغ کے کچھ اور نہیں مراد ہو سکتا۔ کہیں یہ نہ ارشاد ہونے لگے کہ اس سے امام کی مراد روز عاشور جناب قاسم کا موت کیلئے آمادہ ہو جانا ہے، کیونکہ اسکو مراد لینے سے اصل منشاء نکاح جاتا رہتا ہے۔ اور معصوم کی ذات اس سے بلند ہے کہ ایسی وصیت کرے۔

مجھے ناظم ادارہ تحریر سے تعجب ہے کہ موصوف نے زیارت ناحیہ کے اس فقرہ سے بغیر سیاق وسباق کا لحاظ کئے ہوئے کیونکر استدلال فرمایا، اس سے تو جناب بخوبی واقف ہی ہونگے کہ آج تک کسی عالم نے فقرۂ مذکور سے اس امر خاص پر استدلال نہیں کیا ہے سامنے کی چیز تھی آخر کوئی عالم اسطرف کیوں نہیں متوجہ ہوا صدیاں گذر گئیں اور زیارت ناحیہ ہر ایک کے پیش نظر، علمائے اعلام نے اس زیارت کی شرحیں لکھیں، مگر کوئی بھی نہ متنبہ ہوا محدث جلیل صاحب کشف الداہیہ فی شرح زیارت الناحیہ" مولینا سید محمد رضا صاحب زائر مرحوم لکھنوی جو امکان وقوع عقد کے قائل ہیں اور ریاض المصائب سے داستان عقد کو نقل بھی فرماتے ہیں لیکن وہ بھی فقرات زیارت "وکنت للہ طائعًا ولجدک محمد صلعم تابعًا ولقول ابیک سامعًا والی وصیتہ اخیک مسارعًا" کی شرح میں فرماتے ہیں کہ یہ فقرات جداگانہ قابل شرح ہیں لہذا ہر فقرہ کی شرح علیحدہ کی جاتی ہے "وکنت للہ الخ" حاصل مطلب یہ ہے کہ آپ اے سید الشہداء ہر حال میں مطیع وفرمانبردار خداوند عالم

رہے ہیں اس سے زیادہ اطاعت کیا ہوگی کہ تین شبانہ روز کی تشنگی میں سر اپنا راہ خدا میں کٹا دیا ہے اور اولاد تک کو قربان کیا ہے، " دلجبك محمد الخ " اطاعت و تابعداری رسالتمآب اس درجہ کی ہے کہ جو وعدہ زمانہ طفولیت میں کیا تھا اسکا ایفا روز عاشور کیا ہے اور سجدۂ الٰہی میں سر دیا ہے، " ولقول ابیك الخ " ارشاد امیر المومنین بسر و چشم سنکر بجالانا چنانچہ امیر المومنین نے ابو الفضل العباس کا ہاتھ دست سید الشہدا میں دیا تھا، سید الشہدا نے مراعات حسب وصیت کی ہے اور اظہار محبت فرمایا ہے، " والی وصیة اخیك مساعدًا " منجملہ وصایائے امام حسن علیہ السلام یہ وصیت بھی تھی کہ زیر دفن میں قتال نہ ہو، چنانچہ بنی امیہ نے ہجوم کیا اور مانع دفن نزدیک قبر مطہر رسول اللہ صلعم ہوئے سید الشہدا نے وصیت پر عمل کیا، " (کشف الداھیہ فی شرح زیارت الناحیہ جلد سوم صفحہ ۴۸، ۵ طبع امامیہ لکھنؤ)

ظاہر ہے کہ اگر اس فقرہ سے عقد قاسم کو ثابت کیا جاسکتا تو ایسا شارح جو امکان عقد کا تسلیم کرنے والا ہے فقرہ مذکورہ سے ضرور استدلال کرتا، ہاں سب سے پہلے خان بہادر سید خیرات احمد صاحب مرحوم وکیل گیا نے اپنے ایک مضمون (جو شیعہ نمبر ۳، ۴ مارچ ۱۹۰۷ء میں چھپا تھا) میں زیارت ناحیہ کے اس فقرہ کو بطور استدلال کے پیش کیا تھا، جس کا اقرار مثبتین عقد بھی کرتے ہیں چنانچہ صاحب حجج قاطعہ ان الفاظ کے ساتھ اقرار فرماتے ہیں کہ " جناب خان بہادر مذکور اس بیان میں متفرد ہیں " مضمون مذکور کا جواب شافی بھی فوراً دیا گیا تھا جو " گوہر شہوار " کے نام سے موسوم ہے، غالباً اس جواب مسکت کو ناظم اعلیٰ ادارۂ تحریر نے نہیں ملاحظہ فرمایا ہے کیونکہ ملاحظہ فرمانے کے بعد شہید انسانیت میں اس فقرہ سے پھر ہرگز نہ استدلال کیا جاتا، زیارت ناحیہ کے فقرۂ مذکورہ پر العلامۃ المحقق مولینا سید ظہور حسین صاحب طاب ثراہ نے روشنی ڈالی ہے، اگر اسکو ملاحظہ فرمایئے تو آپ کے دعوی کا بطلان ظاہر ہو جائے گا، اس وقت " ما نحن فیہ " کے متعلق " سفك الخ " کے اقتباس کو قدرے تغیر و تبدیل کے بعد " پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمایئے،

" اس مقام پر بعض مطالب کا جو محل کلام سے زائد مربوط ہیں باضافہ بعض شواہد و تقریرات کے درج کرنا قرین صواب ہے، مولوی صاحب وکیل صاحب نے جسقدر مضمون کو اپنے رسالہ میں جگہ دی ہے اس سے دو امر مستفاد ہوتے ہیں، امر اول حضرت امام حسن کا عقد جناب قاسم کے بارے میں حضرت امام حسین سے وصیت کرنا یہ امر بالکل بے معنی ہے اس لئے کہ (۱) وصیت میں کوئی غرض صحیح معلوم نہیں ہوتی کیونکہ

توالد و تناسل جو عمدہ غایات عقد ہے اس مقام پر مقصود نہیں ہو سکتا، جناب قاسم کا قبل بلوغ شہادت
پانا بظاہر دونوں بزرگواروں کو معلوم تھا لہذا ایسی وصیت کا امام سے صادر ہونا کیونکر قابل تسلیم ہو سکتا ہے
علاوہ ازیں اگر امام حسنؑ نے امام حسینؑ سے اس باب میں کوئی وصیت کی ہوتی تو تا واقعہ کربلا امام حسینؑ کا
اس کے نفاذ میں تاخیر کرنا درست نہ ہوتا کیونکہ امضاء وصیت میں تعجیل کرنا مطلوب ہے اور تا واقعہ کربلا
اس کے امضاء سے کسی مانع کا مستمر رہنا محض بے معنی ہے اس لئے کہ صیغہ نکاح کے پڑھ دینے میں کوئی
دقت نہیں ہے۔ پس باینہمہ سہولت اس کے امضاء میں تاخیر کرنا امام سے کیونکر ممکن تھا، خصوصاً عقد
تاخیر کرنا جس سے غایات وصیت کا ابطال لازم آئے تاکسی طرح معقول نہیں ہوتا کیونکہ ایسے وقت میں
وصیت عقد کی غایت نفس موت کے سوا کوئی امر متصور نہیں پس باوجود اسکے حضرت کا اس وصیت پر
روز عاشور وقت شہادت جناب قاسم عمل کرنا جیسا کہ روضۃ الشہداء میں مرقوم ہے کس طرح صحیح ہو سکتا ہے
اور ان مطالب کا من شئی زائد تقریر جاسم حصہ دوم میں بھی تذکرہ ہوا ہے۔ امر دوم زیارت ناحیہ مقدسہ
میں فقرہ "والوصیۃ اخیک مسارعاً" میں عقد قاسم کی وصیت کا مراد ہونا اور امام حسینؑ کا اسکے
بجالانے میں تعجیل کرنا یہ امر بھی بالکل بے ربط ہے، اس لئے کہ وصیت عقد کا باطل ہونا ابھی مذکور
ہو چکا ہے۔ (تفصیل کیلئے سفک المہج اور تقریر جاسم ملاحظہ ہوں) لہذا فقرہ مذکورہ میں وصیت سے
وصیت عقد کا مراد لینا کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ علاوہ بریں اس مطلب سے علمائے فریقین کے کتب بالکل خالی
ہیں اور اسکو صاحب روضۃ الشہداء سے قبل کسی عالم معتبر نے وارد نہیں کیا بلکہ صاحب روضہ
نے بھی اسکو بطور تلفیق وارد کیا ہے پس قصہ عقد کی طرح داستان وصیت بھی بالکل بے اصل ہے
جو صاحب اس مطلب پر تفصیلاً مطلع ہونا چاہیں وہ رسالہ مبارکہ تقریر جاسم کی طرف رجوع کریں،
مع ہذا لک، خود زیارت ناحیہ مقدسہ سے اس وصیت کا واقعہ عاشوراء کے قبل سے متعلق ہونا
مفہوم ہوتا ہے اس لئے کہ زیارت ناحیہ مقدسہ کے مطالب بر ترتیب ذیل مرقوم ہوئے ہیں، اول سلام
جسکی ابتدا حضرت آدمؑ سے اور اسکی انتہا حضرت سید الشہداء پر ہوئی، سلام کا فقرہ آخیرہ "السلام
علیک سلام العارف بحرمتک الخ" مذکور ہے، اور اسی ذیل میں اپنے شریک واقعہ نہ ہونے
اور شہادت سے محروم رہنے پر تاسف کا اظہار مذکور ہے جسکی انتہا فقرہ "اموت بلوعۃ المصاب
وغصۃ الاکتیاب" پر ہوئی، دوم حضرت کے محاسن افعال اور مکارم اخلاق کا تذکرہ جسکی فقرہ

"واشهد انك قد اقمت الصلوٰۃ،" سے ابتدا ہوئی اور اسی ذیل میں فقرات مندرجہ مذکور ہیں جن میں فقرہ مبحوث عنہا بھی موجود ہے "وکنت للہ طائعاً ولجدک تابعاً ولقول ابیک سامعاً و لوصیۃ اخیک مسارعاً و لعماد الدین رافعاً الخ"

سوم، ظلم وجور کا شائع ہونا اور حضرت کا مدینۂ منورہ میں ظالمین سے کنارہ کشی کر کے مقیم رہنا بعد ازاں حضرت کا جہاد کفار پر آمادہ ہونا اور مع اولاد وانصار مدینہ سے خارج ہونا اور واقعہ آئندہ کا پیش آنا، چنانچہ ان مطالب کی جن فقرات سے ابتدا ہوئی ہے اور جن سے واقعہ کربلا کا متاخر ہونا معلوم ہوتا ہے اُن میں سے بعض کا درج کرنا قرین مصلحت ہے اور وہ یہ ہیں:۔

"حتی اذا الجور مد باعہ واسفر الظلم قناعہ و دعا الغی اتباعہ وانت فی حرم جدک قاطن وللظالمین مبائن، جلیس البیت والمحراب معتزل عن اللذات والشہوات تنکر المنکر لقلبک ولسانک علی حسب طاقتک وامکانک ثم اقتضاک العلم بالانکار ولزمک ان تجاھد الفجار فسرت فی اولادک واھالیک وشیعتک وموالیک وصدعت بالحق والبینۃ ودعوت الی اللہ بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وامرت باقامۃ الحدود والطاعۃ للمعبود"۔

ان مطالب پر نظر کرنے سے ہر بافہم شخص سمجھ سکتا ہے کہ فقرۂ مذکورہ میں جس امر کی وصیت ہے اس کا ماقبل واقعۂ عاشورا سے تعلق ہے۔ اس بنا پر فقرۂ مذکورہ سے وصیت عقد پر استدلال کرنا جس کا روز عاشورہ واقع ہونا بیان کیا جاتا ہے کیونکر درست ہو سکتا ہے۔ جو بزرگ اس مطلب میں شش وپنج کرتے ہوں وہ اصل زیارت ناحیۂ مقدسہ کی طرف رجوع کریں۔ علاوہ برین فقرہ مذکورہ میں لفظ "مسارعاً" بھی موجود ہے جس سے امام حسینؑ کا وصیت مذکورہ کے بجالانے میں تعجیل ومسارعت کرنا معلوم ہوا اور چونکہ روضۃ الشہدا میں عقد کا خاص یوم عاشور واقع ہونا منقول ہوا ہے۔ جسکو خود مرتب کتاب شہید انسانیت نے بھی ان الفاظ میں تحریر فرمایا ہے "میں نے جیسا کہ محاربۂ کربلا میں لکھا ہے یہ عوام کی غلطی اور لفظوں کی کوتاہی ہے کہ وہ قاسم کو ایک شب کا داماد اور فاطمہ کبریٰ کو ایک شب کی دلہن کہیں اور اسے تکیہ کلام بنا لیں حالانکہ حقیقۃً وہ چند لمحوں کا رشتہ تھا ... شہدائے کربلا حصہ سوم صفحہ ۸۰)

لہذا ایسے وقت مضیق پر وصیت کا بجالانا مصداق مسارعت کیونکر ہو سکتا ہے جو آخر ازمنہ امکان
ہے کیونکہ مسارعت سے عمل موسع کا اوّل اوقات میں بجالانا مراد ہوتا ہے اور آخر وقت بجالانے پر مسارعت
کا اطلاق کرنا کسی قاعدہ سے درست نہیں ہے (اس بنا پر مؤلف شہید انسانیت کا یہ تحریر کرنا کہ اپنے بھائی کی وصیت
کے پورا کرنے میں آپ نے بڑی تعجیل کی کہ کہیں وقت نہ نکل جائے اور وصیت کی تعمیل رہ جائے"
بالکل بے معنی ہے)۔

علاوہ بریں زیارت ناحیہ مقدسہ میں فقرہ ذیل بھی موجود ہے "وسالکا طرائق جدك وابيك
فی الوصیۃ لاخیک" جس سے امام حسین کا وصیت میں مشابہ بہ برادر ہونا معلوم ہوا پس اگر فقرہ
مذکورہ سے وصیت عقد کا مراد لینا صحیح ہو تو لازم آئیگا کہ امام حسینؑ نے بھی عقد جناب قاسم ہی کی وصیت
کی ہو جس کا کوئی عاقل التزام نہیں کرسکتا، بناءً علیہ زیارت ناحیہ مقدسہ کے فقرہ مذکورہ سے عقد
جناب قاسم کی وصیت پر استدلال کرنا اور اس مطلب کے قابل اعتماد ہونیکا اقرار کرنا اور اسپر مدعی قطع
ہونا کمال بے خبری اور عدم بصیرت کی دلیل ہے، علاوہ بریں فقرہ مذکورہ میں لفظ وصیت عام ہے اور
اسکو کسی خاص وصیت پر کسی قسم کی دلالت نہیں ہے، اور "لا دلالۃ للعام علی الخاص" از قبیل مسلمات
ہے، پس فقرہ مذکورہ کے لفظ وصیت سے خصوص عقد جناب قاسم کی وصیت کا مراد لینا محض بے سند
ہوگا خصوصاً جبکہ وصیت عقد کا باطل ہونا ارباب فن کے کلمات سے ثابت ہو، جیسا مذکور ہوا (ملاحظہ ہو تقریر جامع
وسفکسین المبیح)، اگر باوجود اسکے کوئی بزرگ اس مطلب کے مراد ہونے پر اصرار کریں تو وہ اپنے دعویٰ کیلئے
کوئی شاہد بیّن پیش کریں اسلئے کہ مجرد دعویٰ کا ساقط از اعتبار ہونا ہر شخص کو معلوم ہے، بہرحال جبکہ فقرہ
مذکورہ کا عقد جناب قاسم کی وصیت سے بالکل اجنبی اور غیر مربوط ہونا معلوم ہوا تو ہم کو وصیت مذکورہ
کی تعیین میں ان وصایائے محققہ کی طرف رجوع کرنا متعین ہوگا، جنکو ہمارے علمائے اعلام رضوان اللہ
تعالیٰ علیہم نے اپنے کلمات حق سمات میں ضبط فرمایا ہے، چنانچہ بعض وصایا کا اس مقام پر تذکرہ کیا
جاتا ہے، اول وصیت امر امامت ہے جس میں اسم اعظم اور مواریث انبیاء علیہم السلام کا حوالہ امام
حسین کرنا مذکور ہے اور علمائے اعلام نے اسکو ضبط کیا ہے۔ اور امام لاحق کا امام سابق کیلئے وصی ہونا
اور اُن کا وصیت پر عمل کرنے میں مسارعت کرنا بدیہی ہے، اور جملہ اہل ایمان کا یہی اعتقاد ہے،
پس جس طرح کہ جناب امیر المومنین کا [illegible] امیر المومنین ہونا محقق ہے،

اور اس باب میں وصیت سے وصیت عقد کا مراد ہونا معلوم ہے اسی طرح امام حسینؑ کا وصی امام حسن ہونا بھی محقق و معلوم ہے اور اسی طرح ہر ایک امام لاحق کا وصی امام سابق ہونا قابل انکار نہیں ہے پس فقرۂ مذکورہ سے اسی وصیت کا مراد ہونا لازم ہوگا جو ہر امام کی وصیت میں مراد ہوتی ہے ،

دوم ، وہ وصیت ہے جو امام حسن نے اپنے غسل و کفن اور دفن کے متعلق صادر فرمائی تھی جسکے بجالانے میں امام حسین کا مسارعت فرمانا کتب اعلام میں مرقوم ہے، لیکن اگر اس پر یہ شبہ وارد کیا جاوے کہ اس پر سرعت صادق نہیں آتی کیونکہ دفن و کفن جو امام حسین بجالائے وہ اپنے وقت پر بجالائے اس لئے سرعت نہیں ہوئی ہاں اگر دفن و کفن کا زمانہ وسیع ہوتا تو اس پر اطلاق ہو سکتا تھا، حالانکہ یہ معلوم ہے کہ مدت دفن و کفن میں وسعت نہیں ہے کیونکہ اس کا حکم بعد انتقال فوراً ہی ہے ، یہ شبہ اس بنا پر باطل ہے کہ حضرت نے یہ بھی وصیت فرمائی تھی کہ مجھے میرے جد بزرگوار کے مزار کی طرف دفن کیلئے لیجانا لیکن اگر مزاحمت ہو تو خبردار ایک قطرہ خون کا نہ گرنے پائے ،بغیر کسی جنگ و مقاومت کے میرے جنازہ کو واپس لانا اور بقیع میں دفن کر دینا ،، امام حسن کی اس وصیت پر امام حسین کا مسارعت فرمانا اور مزاحمت بنی امیہ و بی بی عائشہ کی بنا پر اپنے بھائی کی وصیت کے موافق باوجود قدرت صبر کرنا قابل انکار نہیں ہے، اس سے ظاہر ہے کہ امام حسنؑ نے مطلق تجہیز و تکفین کے بارے ہی میں نہیں وصیت فرمائی بلکہ اس کے علاوہ بھی وصیتیں تھیں جن پر امام حسینؑ نے عمل کرنے میں مسارعت فرمائی اور اصلاً تاخیر نہیں کی حالانکہ دفع اعدا پر قدرت بھی جیسا کہ خود امام حسین علیہ السلام نے فرمایا ہے ،،۔

وقال الحسین والله لولا عهد الحسن الیّ بحقن الدماء ان لا اهریق فی امره محجمة دم لعلمتم کیف تاخذ سیوف الله منکم ماخذها وقد نقضتم العهد ،، (مجالس مفجعہ حضرت علیین مکان طاب ثراہ)

اگر میرے بھائی نے ترک خون ریزی کی وصیت نہ فرمائی ہوتی تو تم لوگوں کی خونریزی میں کمی نہ کی جاتی اسلیئے کہ تم نے اپنے عہد پر بالکل وفا نہیں کی ،

ظاہر ہے کہ اگر امام حسن کی وصیت کی رعایت امام حسین کو نہ ہوتی تو اعداء سے مقابلہ کرکے نعش مبارک کو جوار رسول میں دفن کرنے کا ضرور قصد فرماتے لیکن وہاں دفن نکرنا اور قبرستان بقیع میں دفن کرنا مقتضائے وصیت پر عمل کرنے کیلئے مسارعت کرنا نہیں تو اور کیا ہے ؟ اس کا اقرار تو خود مرتب شہید انسانیت

حسنؑ کو اندیشہ تھا وہی ہوا ام المومنین عائشہ اور مروان وغیرہ نے مخالفت کی، نوبت یہ پہنچی کہ مخالف
جماعت نے تیروں کی بارش کردی اور کچھ تیر جنازۂ امام حسنؑ تک پہنچے بنی ہاشم کے اشتعال کی انتہا نہ
تھی مگر وہ فرض شناس حسینؑ تھے جنھوں نے بھائی کی وصیت کے مقابلہ میں اپنے تمام جوش، ولولہ اور
حوصلہ مند طبیعت کے تقاضوں کا خون کردیا، انھوں نے خاموشی کے ساتھ دشمن کی مخالفت کے سامنے
سرجھکادیا اور امام حسنؑ کے تابوت کو واپس لیجاکر جنت البقیع میں دفن کردیا،، (شہید انسانیت ص [illegible])

باوجود اسکے ہم کو زیارت ناحیہ مقدسہ کے فقرۂ مذکورہ سے خصوص وصیت دفن وکفن اور اسکے متعلقات
کے مراد ہونے پر اصرار نہیں ہے ممکن ہے کہ اس سے امام حسنؑ کے مجموع وصایا مراد ہوں یا خصوص وصیت
امر امامت ہو بلکہ اس وصیت کا مراد ہونا بلحاظ سیاق وسباق فقرات زیارت اقرب الی الصواب ہے کیونکہ
فقرات زیارت اس طرح واقع ہوئے ہیں:-

"وکنت للہ طائعاً ولجدك محمد صلی اللہ علیہ والہ تابعاً ولقول ابیك سامعاً والی وصیۃ
اخیك مسارعاً ولعماد الدین رافعاً"

سوم، وہ وصیت ہے جو امام حسنؑ کے اہل وعیال اور اولاد امجاد اور متروکات سے متعلق تھی۔ اس وصیت
کو بھی علمائے اعلام نے اپنے کتب واسفار میں بصراحت تحریر فرمایا ہے (جس میں اپنے کسی صاحبزادے
کے ساتھ مجملاً یا تصریحاً عقد کردینے کا مطلق ذکر نہیں ہے) اس مقام پر علمائے اعلام کی بعض عبارات کی
طرف اجمالاً اشارہ کیا جاتا ہے۔

(اسکے بعد کافی شیخ کلینی، ارشاد شیخ مفید، عیون المعجزات سید مرتضیٰ، امالی شیخ ابوجعفر طوسی، خرائج
الجرائح قطب الدین راوندی، اعلام الوریٰ طبرسی، کفایۃ النصوص سے اصل عبارات عربیہ کو نقل فرمایا ہے۔

جنکو بسبب طوالت ہونے کے اس مقام پر نہیں نقل کررہا ہوں اصل کتابوں میں یا سفک المہج میں جو
۱۸۱ لغایت ۱۸۴ صفحات تک ہیں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں، مگر) عبارات مذکورہ کا ماحصل یہ ہے کہ امام
حسنؑ نے امام حسینؑ سے اپنی تجہیز وتکفین اور اپنے اہل وعیال واولاد امجاد ونیز تبرکات کے متعلق وصیت
فرمائی، اولاد کی تزویج وعقد کے متعلق کوئی وصیت نہیں ہے، اسی طرح امر امامت اور اسم اعظم و
مواریث انبیاء علیہم السلام کو امام حسینؑ کے حوالے فرمایا اور امام حسنؑ کیلئے امام حسینؑ اسی طرح وصی
قرار پائے جس طرح کہ جناب امیرالمومنینؑ رسول خدا کے وصی مقرر ہوئے تھے، عبارات مندرجہ کتب بالا سے

امام حسین کا وصایائے امام حسنؑ پر عمل کرنے میں سارعت کرنا اور اُنکے امضاء میں مطلقاً تاخیر نہ کرنا بھی ظاہر
ہوتا ہے، اس تقدیر پر فقرہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں لفظ وصیت سے انہیں وصایا کا حقیقۃً کا مراد لینا
معین ہوا اور اس فقرہ سے عقد جناب قاسم کی وصیت کے مراد لینے کا بطلان بھی ایسا واضح و آشکار
ہوگیا جس پر تنبیہ کرنے کی بھی حاجت نہیں فضلاً عن البیان واقامۃ البرہان ونعم ما قیل ؎

فلیس یصح فی الافہام شیٔ   اذا احتاج النہار الی دلیل

ہاں بطور انتباہ یہ بھی عرض کردوں کہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب ذیل المذیل میں لکھا ہے کہ
امام حسن علیہ السلام نے امام حسینؑ سے یہ وصیت بھی فرمائی تھی کہ میری زوجہ ام اسحٰق سے میری وفات کے بعد
عقد کرلینا چنانچہ حضرت نے حسب وصیت ان معظمہ سے عقد فرمالیا جنکے بطن سے فاطمہ بنت حسینؑ پیدا ہوئیں
چنانچہ ابو جعفر طبری امام حسینؑ کے اولاد امجاد کے شمار میں لکھتے ہیں۔

"وفاطمۃ، وامہا ام اسحٰق ابنۃ طلحۃ بن عبید اللہ وکانت قبلہ عند الحسن بن علی فلما
حضرۃ الوفاۃ اوصیٰ حسیناً ان یتزوجہا فتزوجہا الحسین فولدت لہٗ فاطمۃ"

ظاہر ہے کہ امام حسنؑ کی اس مخصوص وصیت پر امام حسینؑ نے فوراً عمل کرکے بھائی کی وصیت پر مسارعت
فرمانے کا ثبوت دیدیا۔

اور اگر یہ کہا جاوے کہ لفظ "مسارعۃ" مراد مذکور کا مؤید اسلئے ہے کہ عرفاً مسارعت اس فعل پر
بھی صادق آتی ہے جو قبل از وقت کیا جاوے۔ مثلاً کسی نے کہا جب میرا لڑکا بالغ ہوجائے تو اس کا
عقد کردینا اور قبل بلوغ عقد کردیا گیا تو عرفاً کہا جاویگا کہ عقد کرنے میں جلدی کی بعینہ یہی کیفیت یہاں
بھی ہے۔ چونکہ امام حسینؑ نے قبل بلوغ قاسم کا عقد کردیا تو حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ نے زیارت میں
ارشاد فرمایا کہ آپ نے وصیت کے بجالانے میں جلدی کی، یہ دعویٰ بھی باطل ہے اس لئے کہ مسارعت
کا فعل کے قبل از وقت بجالانے پر صادق آنا کسی طرح قابل تسلیم نہیں ہوسکتا اور مسارعت سے عمل
موسع کا اول اوقات میں بجالانا مراد ہوتا ہے جیسا کہ بیان کیا گیا ہے، یہ مانا کہ مسارعت اس فعل
پر صادق آتی ہے۔ جو قبل از وقت کیا جاوے لیکن اوامر موقتہ کے امتثال میں فعل کا قبل از وقت
بجالانا کافی نہیں ہے، مثلاً اگر کوئی شخص نماز ظہر کو قبل زوال بجالائے تو امتثال امر میں کافی نہ ہوگا
بلکہ مکلف گنہگار ہوگا مع ذالک مانحن فیہ میں اس کا مراد نہ ہونا بہرحال واضح ہے اسلئے کہ اگر حضرت

امام حسن علیہ السلام نے وصیت کیلئے کوئی وقت معین کیا تھا جیسا کہ کاشفی نے لکھا ہے کہ چون وقت آید
کے ساتھ فرمایا تھا، تو ایسی صورت میں جناب امام حسینؑ کو اس کا قبل از وقت بجالانا جائز نہوگا، پس لازم
آئیگا کہ معاذ اللہ امام حسینؑ نے فعل ناجائز کا ارتکاب کیا جس پر کوئی متدین راضی نہیں ہو سکتا، اور اگر
امام حسنؑ نے اس وصیت کیلئے کوئی وقت معین نہیں فرمایا تھا تو اس صورت میں جس کیلئے کوئی وقت
مقرر نہ ہو اس کا قبل از وقت بجالانا کسی حالت میں صادق نہ آئے گا اس لئے کہ جس امر کیلئے کوئی وقت
ہو اس کا قبل از وقت بجالانا کیا معنی رکھتا ہے، علاوہ بریں یہ کلام اس وقت صحیح ہو سکتا ہے جبکہ امام
حسنؑ نے اس عقد کو بعد بلوغ واقع کرنے کی وصیت کی ہو اور امام حسینؑ نے اسکو قبل بلوغ واقع کردیا
ہو۔ علاوہ ازیں یہ تو ہر صاحب ایمان کو معلوم ہے کہ جناب قاسم کا قبل بلوغ شہادت پانا امام حسنؑ اور
امام حسینؑ ہر دو حضرات کو قبل سے معلوم تھا پس اس علم کے بعد امام سے عقد کے بعد بلوغ واقع کرنیکی
وصیت کیونکر صادر ہو سکتی تھی، مع ذالک، اگر ہم اس مطلب کو تھوڑی دیر کیلئے تسلیم بھی کرلیں تو امام
حسینؑ کا قبل بلوغ، عقد کو واقع کرنے میں امام حسنؑ کی مخالفت میں مسارعت کرنا لازم آئیگا، استغفر اللہ

افسوس کہ قصہ خوانان عقد و وصیت تعویذی نے اتنا بھی نہ خیال کیا کہ امام حسن کیونکر فرما سکتے تھے
کہ جب قاسم بالغ ہو جاویں تو اس کا عقد کردینا حالانکہ مجوزین عقد کے نزدیک خود امام حسنؑ نے جناب
قاسم کو بھی وصیت تعویذی فرمائی تھی تم اپنے چچا پر ضرور جان دے دینا جیسا کہ خود ناظم اعلیٰ ادارہ تحریر نے
اپنی تالیف شہدائے کربلا حصۂ سوم ص۷۵ پر تحریر فرمایا ہے، اور اسی طرح امام حسنؑ کو یہ بھی معلوم تھا
کہ بلوغ قاسم کے قبل خود میرے بھائی حسینؑ بھی درجۂ شہادت پر فائز ہو جاوینگے پھر میری اس وصیت
پر کون عمل کرے گا۔ افسوس کہ حمایت داستانِ عقد و وصیت تعویذی میں ایسے پیش پا افتادہ امور پر
بھی توجہ نہیں ہونے پاتی،

بہرحال زیارت ناحیۂ مقدسہ کا یہ فقرہ "والی وصیۃ اخیک مسارعا" وصیت عقد پر کسی
طرح بھی دلالت نہیں کرتا جسکو ہر بافہم صاحب انصاف تسلیم کرے گا۔

قحطِ آب
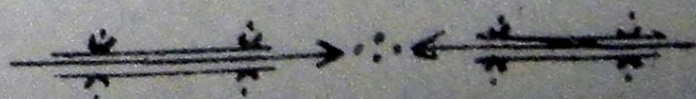
منجملہ دیگر خصوصیات کے سانحۂ کربلا کی ایک بڑی خصوصیت یہ بھی ہے کہ تاریخ عالم میں ایسا عظیم اور دردناک سانحہ کوئی دوسرا نہیں گذرا اسی وجہ سے ہر قوم و مذہب کے لوگ واقعہ کربلا سے متاثر ہوتے ہیں بقول پروفیسر ایڈورڈ جی براؤن:-

"ایسا کون متنفس ہے جو درد بھرا دل رکھتا ہو اور حالات کربلا سے اس کا دل نہ پسیجے"
(Literary History of Persia تاریخ ادبیات ایران)۔

یہ تاثر ایسا ہے جو مقام و زمان کے قیود و حدود سے آزاد ہے، چنانچہ یورپ کا مایۂ ناز مورخ مسٹر گبن اپنی شہرۂ آفاق کتاب "عروج و زوال سلطنت روم" (Decline and fall of the Roman Empire) میں لکھتا ہے۔

"صدیوں اور برسوں کے گذر جانے پر دور و دراز ملکوں میں بھی ہر جگہ شہادت حسینؑ کا دردناک واقعہ ہمیشہ ہمیشہ پتھر سے پتھر دلوں کو پگھلائیگا اور ہمدردی حاصل کرتا رہے گا"۔

بیشک اس سانحۂ عظمیٰ کے عالمگیر اثرات اور شہدائے کربلا کی عظمت کا سبب یہ ہے کہ ان حضرات نے احیاء حق کیلئے انتہائی مصائب کو برداشت کر کے اپنے صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا۔

علامہ سید محمد ہارون صاحب مجتہد زنگی پوری طاب ثراہ "شہید اسلام" میں امام حسینؑ کے مصائب عظیم اور صبر کا تذکرہ کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

"سخت گرمیوں میں سفر کرنا خصوصاً عرب کی گرمی جو مشہور عالم ہے اور وہ بھی ایسے مقام کی طرف جو نہایت گرم ہے اور اسکی ایذا کبھی انسانی دل نہیں اٹھا سکتا اسپر بھی امام حسینؑ نے محض خدا کی خوشنودی کیواسطے صبر کیا اور اس سختی کو جھیلا، کربلا میں پہنچ جانیکے بعد نہر پر سے خیموں کا اٹھوا دیا جانا، بالکل بے آب و خشک مقام پر جبراً خیموں کا نصب کرانا اور اسپر یہ بھی جاننا کہ یہ سب مقدمہ شہادت کا ہے اور آئندہ اس سے کسی طرح پانی کے دستیابی کی کوئی صورت نہ ہوگی پھر بھی تحمل کر جانا، ساتویں سے پانی کا بند ہونا اور یزید فاسق کی بیعت

کا پیغام برابر آنا اور محض اسکے فسق و فجور کی وجہ سے حضرت کا اسکی بیعت پر راضی نہ ہونا اور اس بات کو گوارا کر لینا کہ اگرچہ پیاس سے دم بھی نکل جائے مگر دامن شریعت رسول ہاتھ سے نہ چھوٹے، خیمہ میں اہل حرم کا بیتاب ہونا اور بچوں کا پیاس سے العطش العطش کا شور کرنا اور کبھی گھبرا گھبرا کے باہر چلا آنا اور آپ کا اسقدر نہ قادر ہونا کہ انکی پیاس بجھا سکیں، کیا کوئی شخص اس حالت کو سن سکتا ہے، دیکھنا کیا، تمام عزیز و انصار کے دوپہر میں شہید ہو جانے پر خیمہ سے رونیکی آواز کا آنا اور آپ کا خیمہ تک جانا اور دریافت حال کرنا اور ننھے بچے علی اصغر کی پیاس کا حال معلوم ہونا اور اسکو منگا کے اپنے ہاتھ پر فوج اشقیا کے سامنے لیجانا اور پانی مانگنا اور یہ کہنا کہ اگر تم کو خیال ہو کہ میں اسکے بہانے سے پانی لیکے پی لونگا تو اے لو میں زمین پر لٹا دیتا ہوں تمھیں آکے اسکو پانی پلا جاؤ۔ کیونکہ یہ بچہ بالکل معصوم ہے اور قابل رحم ہے، اسکے جواب میں یہ کہنا کہ ٹھہر و اے حسین! ابھی سیراب کئے دیتے ہیں، اور حرملہ کا ایک ایسا تیر سہ شعبہ مارنا جو اس بچے کے پار ہو کے آپ کے بازو کو توڑ گیا، اور بچہ منہ کھول کے سسکیاں لیکر مر گیا اور آپ دیکھا کئے، کیا اس مصیبت کو کسی باپ کا دل اٹھا سکتا ہے، خیال کرو حسین تین دن سے پیاسے ہیں اور پیاس بھی ایسی ہے جسکا اندازہ شاید انسانی قوت دماغیہ کے ادراک سے باہر ہے وغیرہ وغیرہ۔۔۔۔۔۔"

(شہید اسلام صفحات ۵۰ تا ۵۷)

یہی وہ چیزیں ہیں جن کی بنا پر سر لیوس پیلی (Sir Lewis Pelly) نے اپنی کتاب واقعہ کربلا کے دیباچہ میں یہ لکھا ہے کہ "یہ ماننا پڑے گا کہ دنیا کا کوئی المیہ و سانحہ (ٹریجڈی) کربلا کے المیہ سے زیادہ مؤثر و کامیاب نہیں ہوا"

(طبع لندن The miracle Plays of Hassan and Hussain)

غرضکہ شہدائے کربلا کی عظیم ترین مصیبت "تشنگی اور پیاس" ہے جس کا تذکرہ ہر ایک نے کیا ہے، حد ہے کہ مطلق لفظ "عطش" اور "پیاس" سے کربلا کے پیاسوں کی یاد آجاتی ہے اور دلوں کو تڑپا دیتی ہے۔

تاریخ اقوام و ملل کا ایک بین الاقوامی قدیمی مورخ اسلام علامہ ابوریحان البیرونی اپنی کتاب بدالآثار

الباقیہ عن القرون الخالیہ میں لکھتا ہے،

ونعل بہ ذای بالحسین ، ذبھم مالم یفعل فی جمیع الامم باشرار الخلق من القتل العطش وبالسیف والاحراق وصلب الرؤس واجراء الخیول علی الاجساد"	حسین اور اصحاب حسین کے اوپر جو مظالم بنی امیہ نے کئے ایسے مظالم کسی قوم میں بدترین اشخاص کے ساتھ بھی نہیں روا رکھے گئے، شل پیاس اور تلوار سے ان حضرات کا قتل کیا جانا، آگ لگانا، سروں کا جدا کرنا، اور لاشہائے شہداکا پامال اسپان ہونا،،

(آثار باقیہ صفحہ ۳۲۹ طبع لیپزگ ۱۹۲۳ء)

بیرونی کا سا مورخ شہدائے کربلا کے متعلق صرف یہی نہیں لکھتا کہ وہ تلوار سے قتل کئے گئے بلکہ وہ یہ بتلاتا ہے کہ سب سے پہلے یہ مظلوم تشنگی و پیاس سے ہلاک کئے گئے ۔

ایسی پیاس کا تذکرہ نہ صرف اسلامی مورخین ہی نے کیا ہے بلکہ انگریز مورخ بھی اس کا ذکر کرتے ہیں، چنانچہ مسٹر "جیمز کارکرن" اپنی کتاب "تاریخ چین جلد دوم باب ۱۶ صفحہ ۱۱۱ (مطبوعہ نولکشور ۱۸۶۸ء) میں لکھتے ہیں :-

"دنیا میں رستم کا نام بہادری میں مشہور ہے لیکن کئی شخص ایسے گذرے ہیں کہ ان کے سامنے رستم کا نام قابل لینے کے نہیں ہے۔ چنانچہ اول درجہ میں حسین بن علی کا درجہ بہادری میں ہے، کیونکہ میدان کربلا میں ریت پر تشنگی و گرسنگی میں جس شخص نے ایسا کام کیا ہو اسکے سامنے رستم کا نام وہی شخص لیتا ہے جو تاریخ سے واقف نہیں ہے، کسکے قلم کو قدرت ہے کہ امام حسین کا حال لکھنے کی زبان میں یہ لطافت و بلاغت ہے کہ ان بہتر بزرگواروں کی ثابت قدمی اور تہور و شجاعت اور دس ہزار سوار خونخوار شامی کے جواب دینے اور ایک ایک کے ہلاک ہو جانے کے باب میں مدح جیسا کہ چاہیئے کر سکے، کسکی نازک خیالی کی یہ رسائی ہے کہ ان لوگوں کے دلوں کے حال کو تصور کرے کہ کیا کیا ان پر گذری اس وقت سے جب سے عمر سعد نے دس ہزار سے ان کو گھیر لیا اس وقت تک کہ جب شمر نے سر کاٹ لیا کیونکہ ایک کی دو، دو مثل مشہور ہے اور مبالغے کی حد یہی ہے جب کسی کے حال میں کہا جاتا ہے کہ دشمن نے چار طرف سے گھیر لیا لیکن حسین اور بہتر تن کو آٹھ قسم کے دشمن نے تنگ کیا تھا اور اس پر بھی قدم نہ ہٹا، چنانچہ

آتی تھی اور پانچواں دشمن عرب کی دھوپ تھی جس کی مثال کسی شئی سے زیر فلک نہیں ملتی اور یہی کہا ہوتا ہے کہ عرب کی دھوپ کے مانند عرب ہی کی دھوپ ہے، اور چھٹا دشمن وہ ریگ کا میدان تھا جو آفتاب کی تمازت میں شعلہ زن اور تنور کی خاکستر سے زیادہ پرسوز تھا اور دو دشمن سب سے ظالم بھوک اور پیاس مثل دغاباز ہمراہی کے جس کے برابر کوئی عدو نہیں ساتھ تھے اور تشنگی سے زبان پھول کے جب پھٹ جاتی تھی تب ہی ان دو کی خواہش اندر کے گھٹتی تھی، پس جنھوں نے ایسے معرکے میں ہزارہا کافروں کا مقابلہ کیا، اُن پر خاتمہ بہادری کا ہوچکا،"

گرمی کے موسم میں "حسین اور اصحاب حسین" کا تین دن تک بھوکا اور پیاسا رہکر حمایت حق کے سلسلہ میں جان دیدینا کربلا کے واقعہ کو عظیم سے عظیم تر بناتا ہے جس کا اقرار موالف و مخالف، مسلم و غیر مسلم سب کو ہے، لیکن افسوس کہ کتاب شہید انسانیت میں واقعات کربلا کو نہایت پست اور ہلکا کرکے بیان کرنیکا التزام کیا گیا ہے، کربلا کے وہ تاریخی حالات و واقعات جن سے مظالم کی شدت اور شہداء کے صبر و استقلال کا اظہار ہوتا ہے ان کو نظر انداز کیا گیا ہے۔ نہ صرف نظر انداز بلکہ معلوم ہوتا ہے کہ بالقصد تحریر کا ایسا انداز اختیار کیا گیا جس سے مصائب کربلا کی تخفیف ہو سکے۔ مگر اس ہوشیاری کے ساتھ کہ کسی کو محسوس نہ ہونے پائے، چنانچہ ملاحظہ ہو۔

کتاب شہید انسانیت کے صفحہ ۲۷۳ پر ضمن حال مسلم بن عقیل یہ ہے کہ:۔

"آخر مسلم بن عقیل دوشنبہ ۹ ذی الحجہ سنہ ۶۰ھ ۱۱ دسمبر ۶۸۰ء کو قتل کر دیے گئے"

حاشیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عبارت مولوی سید مجتبیٰ حسن صاحب کامونپوری کی ہے جو ناظم ادارہ تحریر کے ہم خیال شاگرد رشید ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب جناب مسلم ۱۱ دسمبر کو شہید ہوئے تو یوم عاشورہ ۱۰ جنوری کو واقع ہوا، ملاحظہ ہو کہ "حسینؑ اور اہلبیت حسینؑ" کی تشنگی کو کس آسانی سے ختم کر دیا گیا، یعنی کربلا کا واقعہ ایسے زمانہ میں واقع ہوا جبکہ شدت کے ساتھ سردی ہوتی ہے۔ اور اس زمانہ میں عراق کی فصل یخ ہو جاتی ہے، بھلا ایسی ٹھنڈک میں تشنگی کا غلبہ کہاں ہوتا ہے، پیاس کی خواہش ہی نہیں ہوتی اگر پانی کی طرف توجہ بھی ہوتی ہے تو دو چار قطرے کافی ہوتے ہیں، اور پھر بقول مؤلف شہید انسانیت حسینؑ کے پاس اتنا پانی موجود تھا کہ صبح عاشور آپ نے غسل کیا (شہید انسانیت صفحہ ۳۳۲) اسلئے تشنگی و قحط آب کا شور و غل مچانا بالکل غلط ہے۔

معلوم نہیں کس تحقیق کی بنا پر ۱۱ر دسمبر ۶۸۰ء کو جناب مسلم کی شہادت کا دن قرار دیا گیا ہے۔ کیوں نہ ہو، نئی کتاب، نئے محقق، بات وہ ہو جو دنیا سے الگ ہو، اس تحقیق پر تو ہندوستان کی یونیورسٹیوں کو چاہیئے کہ ڈاکٹری کی اعزازی ڈگری دیں۔ اسلئے کہ یہ وہ "اپج" ہے جس نے یورپ و ہندوستان کے محققین ریاضی و ماہران ہیئت کے "تحقیق انیق" کو بالکل نظر انداز کر دیا۔

اس کے برخلاف آج تک دنیا تاریخ کی روشنی میں یہی سمجھ رہی ہے کہ واقعہ کربلا انتہائی گرمی کے زمانے میں ہوا تھا۔ مورخ طبری کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ جب مقام "ذوحسم" میں حر مع اپنے لشکر کے امام حسینؑ سے ملا ہے تو وہ دوپہر کا وقت تھا اور شدت کی گرمی تھی جسکی وجہ سے وہ سب کے سب پیاسے تھے (تاریخ الطبری الجزء الاول من الجلد الثانی صفحہ ۳۶۶ مطبوعہ لیڈن جرمن ۱۸۸۱ء) اسکے علاوہ ماہران ریاضی اپنے حساب سے یہ بتلاتے ہیں کہ ۱۰ر ستمبر ۶۸۰ء کو حضرت مسلم شہید کئے گئے اور عشرہ محرم جو یوم شہادت حسینؑ ہے وہ ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء یوم دوشنبہ کو واقع ہوا، جیساکہ ابوالنصر محمد خالدی صاحب ایم۔اے (عثمانیہ)، و مولوی محمود احمد خان صاحب پروفیسر جامعہ عثمانیہ (حیدرآباد) کی "تقویم ہجری و عیسوی" Comparative tables of Hijri and Christian Dates - کے صفحات ۳، ۴ سے معلوم ہوتا ہے۔ (سلسلہ انجمن ترقی اردو "ہند" نمبر ۱۲۲ سنہ ۱۹۳۲ء) یہ وہ تقویم ہے جو یورپ کی اس معتبر و مستند تقویم

Wüstenfeld-Mahler'sche Vergleichungs Tabellen der Mohammedanischen und Christlichen Zeitrechnung By Eduard Mahler. Leipzig. 1926

سے ماخوذ ہے، اور جو دنیا کے تمام علمی حلقوں میں مستند و معتبر سمجھی گئی ہے۔ چنانچہ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۴ ایڈیشن نمبر ۹ صفحہ ۵۶۸ (Encyclopadea Brittanica V XIV 9th edition - P 5.6.8) اور اسپینش اسلام مصنفہ ڈوزی مترجمہ اسٹوکس صفحہ ۴۶ مطبوعہ لندن ۱۹۱۳ء (Spanish Islam by Dozy, P 46) میں اسکی توضیح کی گئی ہے کہ عاشور ۶۱ھ ۱۰ر اکتوبر ۶۸۰ء کو واقع ہوا تھا۔ اگر ناظم ادارہ تحریر خود ہی ہجری و عیسوی تاریخ کی مطابقت کرنا چاہتے ہوں تو موصوف

کی مشکلات کو دور کرنے کیلئے ایک کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جس سے ریاضی کے اس مسئلہ کو حل کرنے کا
آسان طریقہ معلوم ہو جائیگا ملاحظہ ہو۔ (ہسٹورین ہسٹری آف دی ورلڈ جلد ۸ صفحہ ۶۷۰ Historians
History of the world vol VIII Page 670) - ہاں بعض حساب لگانے والوں نے ایک دو
دن کے فرق کو ظاہر کیا ہے مگر مہینہ کے متعلق سب کو اتفاق ہے کہ وہ اکتوبر ۶۸۰ء ہی تھا چنانچہ مولوی
سید احمد حسین صاحب بی۔ ایل مؤلف کتاب تحقیق یوم عاشورا، والقمر، نیرنگ ارض، والنحل وغیرہ کے
حساب سے ۱۳ اکتوبر ۶۸۰ء یوم چارشنبہ ہوتا ہے، اسیطرح سید اسحٰق حسین صاحب ہیڈ ماسٹر بہلول پور
کے حساب سے ۱۴ اکتوبر ۶۸۰ء یوم پنجشنبہ نکلتا ہے (نظامی جنتری ۱۹۴۳ء صفحہ ۴۸)۔
غرضکہ واقعہ کربلا اوائل اکتوبر ۶۸۰ء میں واقع ہوا، اکتوبر کا وہ مہینہ ہے جس زمانہ میں عراق میں شدت کے
ساتھ گرمی پڑتی ہے جس کی تصدیق وہ حضرات کر سکتے ہیں جو اس زمانہ میں عراق میں رہ چکے ہیں امام مظلوم کی
صعوبت سفر کا اندازہ کون لگا سکتا ہے، اللہ اکبر، مئی کی گرمی اور اسی ماہ کی ابتدائی تاریخ (غالباً ۲۸ مئی)
میں حضرت نے مدینہ سے سفر فرمایا، اور اسی طرح ماہ ستمبر کی خشک گرمی اور حضرت نے لق و دق ریگستان
عرب کو طے کیا، تیز و تند لوؤں کے جھونکے اور جھلستی ہوئی ریت کا تھپیڑا، لیکن اللہ رے حسینؑ کا عزم و
استقلال حق کو برقرار رکھنے کیلئے اس زحمت و مصیبت کو بھی برداشت فرمایا۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کا ساتھ
ہے لو و گرمی کا زمانہ ہے اور ریگستانی سفر ہے جسکی طوفان خیزیاں بڑے بڑے قافلوں کو ہمیشہ ہمیشہ کیلئے یوں مٹا
دیتا ہے کہ نشان بھی نہیں ملتا ہاں جب تیز ہوائیں ریتیلے ٹیلوں کو اڑا دیتی ہیں تو انسان اور اونٹ کے ڈھانچے
ظاہر ہو کر یہ بتلاتے ہیں کہ کوئی قافلہ تھا جو دفعتہً ریت کے نیچے دفن ہو گیا تھا، ایسے پرخطر راستے میں حسینؑ مع
اہلبیت سفر کرتے ہیں، اور راہ میں انھیں مقامات پر قیام فرماتے ہیں جہاں پر کوئی پانی کا چشمہ ہے، یہ خیال
رہے کہ ریگستان اور خصوصاً عرب کے ریگستان میں کسی منزل کیلئے یہ یقین نہیں کیا جا سکتا کہ وہاں پانی ضرور دستیاب
ہوگا، اسلئے کہ ان ریگستانوں میں اکثر گرمی کی شدت کیوجہ سے یہ ہوتا رہتا ہے کہ "سوتے" خشک ہو جاتے ہیں۔
یا تیز و تند ہوائیں ریت کے ٹیلوں کو اڑا لاتی ہیں جن سے چشمے و کنوئیں ڈھک جاتے ہیں، بسا ایسا ہوتا ہے
کہ دیکھتے دیکھتے چشمے اور کنوئیں نگاہوں سے اوجھل ہو جاتے ہیں اور اسکے اوپر ایک ریتیلا پہاڑ دکھلائی دیتا ہے۔
ان چلتے پھرتے پہاڑوں کو قیام نہیں رہتا بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ برابر منتقل ہوتے رہتے ہیں، اسی
وجہ سے راستے بھی بدل جاتے ہیں منزلیں بھی غیر متعین رہتی ہیں اور مسافر اپنے منزل مقصود تک پہنچنے کا

یقین نہیں رکھتا ہے چاہے وہ ایک ہی منزل کیوں نہ ہو (جناب مسلم جب کوفہ روانہ ہوئے ہیں تو انکو پہلی ہی منزل میں اس مصیبت کا سامنا ہوا تھا جس میں آپ کے راہبر پیاسے تڑپ کر مر گئے تھے۔ جیسا کہ کتب تاریخ میں مذکور ہے تاریخ الطبری جزو اول از جلد ثانی صفحہ ۲۲۷ طبع جرمن) ممکن ہے کہ ناظم ادارۂ تحریر میرے اس بیان کو حیرت سے پڑھیں، لیکن موصوف کو ایک کتاب کا حوالہ دیتا ہوں جس سے حیرت و استعجاب کی پھر ضرورت نہ ہوگی ملاحظہ ہو "Palgrave Adventures of Arabia"۔

غرضکہ میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ان پرخطر راستوں میں کوئی یقینی نہیں ہے کہ ہر منزل پر پانی مل جاوے، اسی لئے امام حسینؑ جب تک کہ پرخطر ریگستانی حدود میں سفر کرتے رہے، یہ حکم دیتے رہے کہ پانی کثرت کے ساتھ ہمراہ لے لیا جاوے، جیسا کہ منزل ثعلبیہ، منزل زبالہ، منزل شراف، میں ہوا (ملاحظہ ہو تاریخ الطبری جزو اول از جلد ثانی صفحات ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵ مطبوعہ جرمن)۔

منزل شراف میں جو پانی امام علیہ السلام نے اپنے ساتھ لیا تھا وہ مقام "ذوحسم" میں، حُر کے ایک ہزار لشکریوں کو پلا دیا گیا اور حضرت کے پاس جو پانی کا ذخیرہ تھا وہ بالکل ختم ہو گیا، لیکن دراصل اب پرخطر ریگستانی سفر ختم ہو چکا تھا۔ کیونکہ امام مظلوم عراق کے سرسبز حدود میں پہنچ گئے تھے، اسی لئے حضرت نے اپنے ہمراہ پانی کے ذخیرہ کو نہیں لیا، "ذوحسم" کے بعد امام علیہ السلام کا قافلہ "عذیب الہجانات" کے چراگاہ و سبزہ زار سے گذرا، یزیدی لشکر جسکی تعداد ایکہزار سوار تھی اور جس کا سردار حر تھا اس نے امام حسینؑ کے قافلہ کو اپنے حراست میں لے لیا تھا اور حضرت کے ساتھ ہی ساتھ یہ لشکر بھی جا رہا تھا۔ امام علیہ السلام اب ایسی منزل میں گامزن تھے جو فرات کی ترائی تھی بے آب و گیاہ زمین نہ تھی یہانتک کہ آپ قصر بنی مقاتل میں پہنچکر فروکش ہوئے، یہ وہ جگہ تھی جسکو مقام امن و راحت سمجھکر عبد اللہ بن الحر جعفی نے اپنی قیام گاہ بنا لیا تھا، لیکن امام علیہ السلام نے جلد ہی کوچ فرمایا اور ابھی رات باقی ہی تھی کہ آپ روانہ ہو گئے، معلوم ہوتا ہے کہ یہاں سے امام نے کچھ پانی بھی اپنے ساتھ لیا لیکن زیادہ نہیں، نماز صبح کے وقت ایک مقام پر صرف فریضۂ صبح ادا کرنیکے لئے آپ رُکے آپ نے اور آپ کے تمام اصحاب و انصار اور اہلبیت نے نماز صبح ادا فرمائی، ظاہر ہے کہ تھوڑا بہت پانی جو قصر بنی مقاتل سے آپ نے اپنے ہمراہ لیا تھا وہ وضو کے کام آیا ہوگا، حضرت کے ہمراہ اصحاب انصار ... سو ڈیڑھ سو نفوس تھے جنھوں نے

فریضۂ صبح ادا کرنے کیلئے وضو کیا اس کا بھی امکان ہے کہ حُر نے مع اپنے لشکر کے امام کے ساتھ ہی نماز ادا کی ہو چونکہ منزل ذو حسم میں ایسا ہی ہوا تھا، اس اعتبار سے حسینی لشکر کا پانی ان کے لئے بھی وضو کرنے کیلئے وقف رہا ہوگا ممکن ہے کہ پانی اسی غرض کے لئے قصر بنی مقاتل سے لیا گیا ہو کہ نماز صبح کیلئے منزل کو چھوڑ کر نہر یا چشمے تک جانے کی ضرورت نہ ہو، المختصر نماز صبح کے بعد ہی آپ کا قافلہ پھر روانہ ہو گیا، جب آپ "نینوی" کے قریب پہنچے تو کوفہ کی جانب سے ایک سوار تیزی کے ساتھ آتے ہوئے دکھلائی دیا۔ یہ خیال رہے کہ منزل ذو حسم سے حُر مع اپنے لشکر کے آپ کے ساتھ ساتھ تھا اور حکومت کی طرف سے آپکی نقل و حرکت کی نگہبانی کر رہا تھا، وہ اس سوار کو دیکھ کر رُک گیا اور امام علیہ السلام بھی ایک طرف رُک گئے، اس سوار نے حُر اور اسکے لشکر پر سلام کیا اور (ولم یسلم علی الحسین واصحابہ) امام حسینؑ اور آپ کے اصحاب کو سلام نہیں کیا، اسکے بعد عبد اللہ بن زیاد کا حکمنامہ حُر کو دیا جس میں لکھا تھا۔

جس وقت میرا حکم پہنچے فوراً حسینؑ کو بے آب و گیاہ غیر محفوظ چٹیل میدان میں اتار کر محبوس کر دو، اور میں نے اپنے اس قاصد کو حکم دیا ہے کہ جب تک تم میرے اس حکم کی تعمیل نہ کرو۔ وہ تم سے جدا نہ ہو۔

"اما بعد فجعجع بالحسین حین یبلغک کتابی ویقدم علیک رسولی فلا تنزلہ الا بالعراء فی غیر حصن وعلی غیر ماء وقد امرت رسولی ان یلزمک ولا یفارقک حتی یاتینی بانفاذک امری والسلام"

(ل) (تاریخ الطبری جزء اول از جلد ثانی صفحہ ۳۰۷ طبع جرمن، تاریخ الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۲۳ طبع مصر، اخبار الطوال ابو حنیفہ احمد بن داؤد الدینوری صفحہ ۲۵۰، تاریخ ابن الوردی جلد اول صفحہ ۱۷۲ طبع اول، ابو الفداء جلد اول صفحہ ۲۰۱ طبع مصر، مقتل ابو مخنف قلمی نمبر ۲۶۸ کتب خانہ ناصریہ، روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۵۰ طبع نولکشور، ارشاد شیخ مفید صفحہ ۲۳۸، مجالس مفجعہ علیین مکان صفحہ ۲۰۷)

اس کے بعد یزیدی لشکر کا رویہ بدل گیا، اب حُر نے امام حسینؑ کو ایسے غیر آباد مقام پر رکنے کیلئے مجبور کیا جہاں (۲) پانی نہ تھا، باوجودیکہ حضرت پانی و آبادی کے قریب قیام فرمانا چاہتے تھے۔

(۲) (تاریخ الطبری جزء اول از جلد ثانی صفحہ ۳۰۸ طبع جرمن تاریخ الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۲۴ طبع مصر وغیرہ)

مجبور ہو کر امام حسین علیہ السلام کو کربلا کے بے آب و گیاہ ریگستانی میدان میں قیام کرنا پڑا، یہ واقعہ دوسری محرم کا ہے۔ ظاہر ہے کہ حکومت نے اپنے اس حکم کے ذریعہ امام حسینؑ پر بندش آب کا حکم دے دیا تھا جسکی تعمیل کرنا لشکر حُر کے لئے ضروری تھی چنانچہ موجودہ لشکر یزیدی نے سختی کیساتھ اس حکم کی تعمیل کی اور حسینؑ پر پانی بند کر دیا

ابو اسحق اسفرائینی لکھتا ہے۔

"وقد کان الحر اسرع وحال بین لھم الفرات وبین الحسین ومن معہ"

(نور العین فی مشھد الحسین صفحہ ۳۹)

حُر فوراً ہی دریائے فرات کے درمیان حائل ہو گیا اور حسینؑ و اصحاب حسینؑ کے لئے پانی روکدیا۔

یہ وہ موقع تھا جس وقت امام علیہ السلام کے پاس پانی نہ تھا، آپ نے چاہا کہ دریا سے پانی لاویں لیکن روکا گیا جیسا کہ قدیم ترین اسلامی مورخ ابن قتیبہ الدینوری المتوفی ۲۷۶ھ لکھتا ہے،

حتی نزلوا کربلا فقال الحسین ای ارض ھذہ، قالوا کربلاء۔ قال ھذہ اکرب وبلاء قال فنزلوا وبینھم وبین الماء ربوۃ فاراد الحسین واصحابہ الماء فحالوا بینھم وبینہ فقال لہ شھر بن حوشب لاتشربوا منہ حتی تشربوا من الحمیم فقال عباس ابن علی یا اباعبد اللہ نحن علی الحق فنقاتل قال نعم فرکب فرسہ وحمل بعض اصحابہ علی الخیول ثم حمل علیھم فکشفھم عن الماء حتی شربوا واسقوا ثم بعث عبید اللہ بن زیاد عمر بن سعد یقاتلھم الی آخرہ (کتاب الامامت والسیاست جلد دوم صفحہ ۸ طبع مصر)

حسینی قافلہ کربلا میں اترا، آپ نے دریافت فرمایا کہ اس زمین کا کیا نام ہے بتلایا اسکو کربلا کہتے ہیں، یہ سنکر ارشاد ہوا یہ مقام کرب وبلا ہے حضرت کے قیامگاہ اور دریا کے مابین ایک ٹیلا حائل تھا پس حسینؑ اور انکے اصحاب نے دریا سے پانی لانا چاہا لیکن یزیدی فوج حائل ہو گئی اور پانی سے روکا، شہر بن حوشب ملعون نے یہ کہا کہ ایکقطرہ بھی تم لوگ نہ پی سکوگے یہانتک کہ (معاذ اللہ) جہنم کا کھولتا پانی پینے کو ملے، حضرت عباس بن علی نے امام کی خدمت میں عرض کیا ہم حق پر ہیں پانی لانے کیلئے لڑیں حضرت نے فرمایا ہاں۔ اجازت پاکر عباس گھوڑے پر سوار ہوئے اور آپنے اور آپکے ساتھیوں نے دشمنوں پر حملہ کردیا یہانتک کہ ان لوگوں کو پانی پر سے ہٹا دیا۔ اور دریا پر پہنچکر سیراب ہوئے اور پانی بھر لیا۔ پھر (یعنی اسکے بعد) عبید اللہ بن زیاد نے عمر بن سعد کو کوفہ سے جنگ کرنے کیلئے بھیجا"۔

یہ ہے حضرت ابو الفضل العباس بن علی کی سقائی جسکو آپ نے دوسری محرم کو انجام دیا اور جسکی بنا پر حضرت کو سقائے اہلبیت کا لقب حاصل ہوا۔ اب اگر بنا بر تحریر کتاب شہید انسانیت واقعہ کربلا جنوری میں ہوا تو تشنگی اور قحط آب کا سوال رہ ہی نہیں جاتا اور حضرت کی سخت ترین مصیبت میں سے ایک عظیم مصیبت کا بطلان لازم آتا ہے حالانکہ گرمی کا زمانہ اور قحط آب کا ہونا مسلمات تاریخی میں سے ہے جس سے آجتک کسی ایک نے بھی انکار

[illegible] کثرت سے پانی کا ہونا ظاہر کر رہے ہیں

جس سے امام اور آپ کے بعض اصحاب نے غسل مندوب فرمایا۔

(۱۸) - جیسا کہ شہید انسانیت کے صفحہ ۳۳۳ پر ناظم ادارۂ تحریر مولوی علی نقی صاحب تحریر فرماتے ہیں

"فوج دشمن میں تو جنگ کی آخری تیاریاں ہو رہی تھیں، اور امام ایک خیمہ میں غسل و آداب طہارت ادا کرنے تشریف لے گئے، عبد الرحمٰن بن عبد ربہ انصاری اور بریر بن خضیر ہمدانی دونوں بزرگ اصحاب میں سے دروازہ پر بیٹھے اس انتظار میں کہ حضرت باہر تشریف لائیں تو ہم خیمہ میں جائیں" اسکے بعد بریر کی "دل لگی" (مطائبہ) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔

غسل کا تذکرہ صرف ایک ہی مقام پر نہیں ہے، بلکہ دوسری جگہ پھر اس امر کو دل نشین کرنے کیلئے تحریر کرتے ہیں کہ:-

"عاشور کی صبح کو ترتیب لشکر کے بعد امام نے جو ایک خیمہ نصب کرایا ہے اور اُس میں غسل و آداب طہارت ادا کرنے تشریف لیگئے ہیں تو دروازہ پہ عبد الرحمٰن بن عبد ربہ اور بریر کھڑے ہوئے آپس میں بے تکلفانہ باتیں کر رہے تھے، بریر نے کچھ مذاق کیا،" (اسکے بعد مطائبہ کا تذکرہ ہے)"

ظاہر ہے کہ ان دونوں عبارات سے یہ امر ذہن نشین کرایا جا رہا ہے کہ صبح عاشور اتنا پانی موجود تھا کہ امام نے غسل فرمایا اور آپ کے بعد اصحاب غسل کرنیکے لئے خیمہ میں گئے، حالانکہ کسی مستند و معتبر کتب تاریخ و سیر اور احادیث و مقتل سے کوئی صحیح روایت نہیں پیش کی جاسکتی جس سے یہ ثابت ہو سکے کہ امام علیہ السلام نے صبح عاشور کو غسل فرمایا؛

قصۂ تنوّر و حکایت مطائبہ بریر کا وجود بعض کتب میں ضرور ہے لیکن اس روایت مجہولہ کے عیون الفاظ میں کسی مقام پر غسل کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے۔ غسل تو غسل خود حکایت مطائبہ و تنوّر والی روایت بھی باعتبار درایت صحیح و مستند نہیں ہے۔ بعض علماء کا مسامحۃً اس روایت کو اپنی کتابوں میں درج کر دینا دلیل صحت نہیں ہے۔

سب سے پہلے تنوّر و مزاح کے واقعہ کو مورخ طبری نے بیان کیا ہے، یہ مورخ ایسا غلط گو ہے جس نے حضرت عباس کے متعلق یہ لکھا ہے کہ حضرت نے اپنے بھائیوں سے روز عاشور یہ کہا کہ:-

یا بنی امی تقدموا حتی ارثکم فانہ لا ولد لکم — اے میرے ماں جائے بھائیو میدان قتال میں جا کر قتل ہو جاؤ

(دیکھو طبری صفحہ ۳۶۰ جزو اول از جلد ثانی طبع جرمن) — تاکہ میں تمہارا وارث بنجاؤں اسلئے کہ تم سب لاولد ہو۔

کیا طبری کی اس روایت کو اصول درایت کی کسوٹی پر بغیر کسے ہوئے ہم قبول کر لیں اسی بنا پر مؤلف شہید انسانیت

نے رسالہ الشہدائے کربلا میں اسکو رد کیا ہے ۔ یہی طبری ہے جس نے مطایبہ تنویر کے واقعہ کو بھی لکھا ہے۔

لیکن "چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد" اپنے حوالہ میں ابو مخنف کو ان الفاظ کیساتھ پیش کرتا ہے

"قال ابو مخنف حدثنی عمرو بن مرۃ الجملی عن ابی صالح الحنفی عن غلام لعبد الرحمٰن بن عبد ربہ الانصاری"

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ طبری نے اسکو ابو مخنف سے نقل کیا ہے، لیکن آج جب ہم مقتل ابو مخنف کے قدیمی مخطوطات اور جدید مطبوعات کو دیکھتے ہیں تو اس میں یہ روایت کہیں موجود نہیں ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طبری نے ایک فرضی واقعہ کو بیچارے ابو مخنف کی طرف منسوب کر کے لکھدیا ہے، اچھا اب طبری کے نقل کردہ سلسلہ روایت کو دیکھیئے، عمرو بن مرہ جملی و ابو صالح حنفی، کتب رجال میں غیر مذکور ہیں معلوم نہیں کہ یہ کون تھے اور کیا تھے اسکا پہلا راوی وہ ہے جس کا نام مذکور نہیں بلکہ یہ ہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد ربہ کے غلام نے بیان کیا، آخر اس غلام کا کیا نام تھا، اس کا عقیدہ و مذہب کیا تھا، کچھ معلوم نہیں، بالکل مجہول، یہ لحاظ رہے کہ عبدالرحمٰن بن عبد ربہ انصاری کا غلام ہونے سے اس مرد مجہول کا صحیح العقیدہ ہونا ضروری نہیں ہے، دنیا جانتی ہے کہ خوارج کا مشہور پیشوا عکرمہ جناب عبداللہ ابن عباس کا غلام تھا، جس نے بہت سی غلط حدیثیں وضع کی ہیں ۔ اولاً تو یہ روایت ہی صحیح نہیں ہے، لیکن اگر اسکو تسلیم بھی کر لیں کہ کسی غیر معلوم شخص نے جو عبدالرحمٰن بن عبد ربہ کا غلام تھا اس واقعہ کو بیان کیا، تو ہو سکتا ہے کہ یہ غلام دشمن اہلبیت و خارجی ہو ۔ اسلئے ہم ایسی مجہول و مقطوع السند روایت کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں جبکہ اس سے حسینؑ مظلوم کی توہین کا اشعار بھی ہو ۔ یہی وجہ ہے کہ متقدمین علمائے شیعہ نے اپنی کتابوں میں اس روایت کو درج ہی نہیں کیا ہے، جسکے ثبوت میں ارشاد شیخ مفید موجود ہے ۔ اسیطرح جناب غفرانمآب نے بھی ثارۃ الاحزان میں نہیں نقل فرمایا ہے

جیسا کہ ابھی عرض کیا گیا کہ اس غلط و جعلی روایت کو سب سے پہلے مورخ طبری متوفی ۳۱۰ھ نے نقل کیا جسمیں غسل کرنے کا کہیں بھی تذکرہ نہیں ہے، اسکے بعد طبری سے دوسرے مصنفین و مورخین نے نقل کیا ۔ لیکن ان لوگوں نے یہ احتیاط کی کہ طبری کے مفہوم روایت و عیون الفاظ کو پیش نظر رکھا اور اپنی طرف سے کچھ بڑھایا نہیں مگر آٹھویں صدی ہجری کا ایک اموی پرست مورخ ابن کثیر قرشی دمشقی شامی متوفی ۷۷۴ھ نے واقعہ کربلا کی عظمت کو کم کرنے کے لئے بالکل جھوٹ اور غلط یہ لکھدیا ۔

فعدل الحسین الی خیمۃ قد نصبت فاغتسل فیھا واطلی بالنورۃ وتطیب بمسک کثیر ودخل بعدہ بعض الامراء ففعلوا کما فعل

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۸ طبع مصر)

حسینؑ ایک خیمہ میں تشریف لیگئے جہاں آپ نے غسل فرمایا اور نورہ لگایا اسکے بعد مشک استعمال کیا، حضرت کے بعد آپ کے لشکر کے بعض امراء بھی غسل کرنے و نورہ لگانے کیلئے اسی خیمہ میں گئے ۔

ظاہر ہے کہ اس شامی مورخ نے انتہائی عیاری اور چالاکی سے کام لیا ہے کیونکہ اُس نے اس فرضی واقعہ کو روایت کے اصل الفاظ کے ساتھ نہیں نقل کیا ہے بلکہ بغیر کسی روایت وحوالہ کے اسکو نقل کیا ہے جسکو بافہم شخص کسی طرح تسلیم نہیں کر سکتا، لطف یہ ہے کہ ابن کثیر شامی نے متعدد مقامات پر کربلا میں حسینؑ واصحاب حسینؑ کے لئے قحط آب کا تذکرہ کیا ہے جسکو کہ آگے چلکر اپنے محل پر میں نقل کرونگا جس سے ابن کثیر کے کذب صریح پر روشنی پڑتی ہے یہ خیال رہے کہ ناظم ادارۂ تحریر نے شہید انسانیت میں "ابن کثیر شامی" سے نہیں نقل کیا ہے، بلکہ موصوف کا مأخذ ہی تاریخ طبری ہے جیسا کہ طبری اور شہید انسانیت کی عبارتوں کو ملانے سے معلوم ہوتا ہے، صرف ناظم ادارہ نے اپنی طرف سے "غسل وآداب طہارت ادا کرنے" کا اضافہ فرمایا ہے اگرچہ بمصلحت اس کا تذکرہ نہیں فرمایا ہے کہ موصوف کا مأخذ ومستمسک تاریخ طبری ہے۔ ہاں موصوف نے اپنے ایک دوسرے رسالہ شہدائے کربلا میں اس کا تذکرہ مع طبری کی اصل عبارت کے کیا ہے لیکن کتاب شہید انسانیت میں طبری کی اصل عبارت کو حذف کرکے مفہوم ومراد کو نقل کر دیا ہے اور ساتھ ہی ساتھ "غسل وآداب طہارت" کے الفاظ کا اضافہ بھی اپنی طرف سے فرمایا، کیا تدلیس کی اس سے بہتر بھی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔

مؤلف کتاب شہید انسانیت کی اس تدلیس کو ظاہر کرنے کے بعد اب آئیے تاریخ کی روشنی میں یہ تحقیق کریں کہ حسین مظلوم پر قحط آب تھا یا نہیں؟ اور ابن کثیر شامی اور مؤلف شہید انسانیت بین الاقوامی کی پر فریب عبارت کو مسلمہ تاریخی حقائق کی کسوٹی پر رکھیں تاکہ عوام فریب میں مبتلا نہ ہوں۔

ابتداء میں میرا خیال تھا کہ ناظم ادارۂ تحریر نے بر بنائے تسامح "غسل" کے لفظ کو تحریر فرمایا ہے لیکن موصوف کا اصرار اور یہ جدوکد کہ جو کچھ لکھا وہ صحیح ہے اور کربلا میں خیام حسینی میں بروز عاشور ظہر کے وقت تک پانی موجود تھا غرضکہ اس قسم کی اور بہت سی واہی تباہی باتیں جن سے وہ اپنے ہم عقیدہ مقلدین کو یقین دلانے کی کوشش کر رہے ہیں نہ صرف زبانی بلکہ ایک مکمل رسالہ تحریر فرما کر چھپنے کے لئے لکھنؤ کے مختلف مطابع میں بھیجا جس میں اسی قسم کے ہفوات درج ہیں۔ لیکن انھیں ہفوات کی بنا پر شیعی پریس تو درکنار غیر مسلم پریس نے بھی چھاپنے سے انکار کر دیا اور بالآخر ایک وہابی پریس میں چھپوایا جس کا نام شاہی پریس ہے یہ وہ پریس ہے جہاں سے شیعوں کے خلاف لٹریچر شایع ہوتا ہے۔ جہاں سے آفتاب وانجم نکلتا ہے جہاں سے خوارج کی طرف سے قدح ائمہ کا پوسٹر چھپا تھا جس پر گورمنٹ نے ضمانت طلب کر لی تھی۔ [۲]

---

[۲] نہ صرف یہی ایک رسالہ بلکہ متعدد پمفلٹ اور رسائل اسی وہابی پریس سے مؤلف شہید انسانیت اور ان کے ہمنواؤں نے شایع کئے۔

میں یہ پہلے عرض کر چکا ہوں کہ بندش آب کا حکم حُر کو مل چکا تھا جسکی بنا پر اس نے امام حسینؑ کو دریا سے دور ایک چٹیل میدان میں جو بے آب و گیاہ تھا اترنے کیلئے مجبور کیا، یہ محرم کی دوسری تاریخ تھی سب سے قدیمی مؤرخ ابن قتیبہ متوفی ۲۷۶ھ کے حوالے سے یہ بھی ظاہر کر چکا ہوں کہ اسوقت حسینؑ کے پاس پانی نہ تھا، اسلئے آپ نے دریا سے پانی حاصل کرنا چاہا لیکن وہ ایک ہزار یزیدی سوار جو حر کے زیر قیادت تھے حسینؑ کیلئے پانی لینے سے مزاحم ہوئے اس صریحی حکم سے کہ حسینؑ کو غیر محفوظ بے آب و گیاہ چٹیل میدان میں گھیر لیا جاوے، صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ حکومت حسینؑ اور اُنکے ساتھیوں کو پیاسا رکھنا چاہتی ہے اور اموی حکومت کی پالیسی بھی ہمیشہ سے یہی رہی ہے کہ وہ موقع پاکر اپنے دشمن پر پانی بند کر دیا کرتے تھے، جنگ صفین میں معاویہ نے علیؑ اور اُنکے لشکر کے ساتھ یہی طریقہ اختیار کیا تھا، اور اسی دریائے فرات کا پانی امیر المومنین اور اُنکے اصحاب پر بند کر دیا گیا تھا جس کا تذکرہ تمام تاریخوں میں موجود ہے، چنانچہ امام حسینؑ کیلئے بھی دوسری محرم کو معاویہ کی سنت زندہ کرنے کیلئے یہی کیا گیا کہ آپ پر پانی بند کر دیا گیا، ظاہر ہے کہ اسوقت امام کو پانی کی کتنی احتیاج رہی ہوگی نہ صرف پینے کیلئے بلکہ دور و دراز ریگستانی مسافت کو طے کئے ہوئے حجازی مسافر اپنے اس سفر کے ختم ہونیکے بعد سب سے پہلے یہ چاہتے ہونگے کہ تکان سفر گرد و غبار کو دور کرنے کیلئے غسل کریں، میلے کپڑوں کو دھو ڈالیں، لیکن حکومت کے ظالمانہ حکم اور یزیدی فوج کی روک ٹوک سے آسانی کیساتھ پانی نہیں دستیاب ہو سکتا تھا۔ مورخ ابن قتیبہ کے بیان کی بنا پر حضرت عباسؑ نے دریا سے پانی لانیکی اجازت طلب کی جس پر حضرت نے اجازت مرحمت فرمائی، ابن قتیبہ یہ بھی بتلاتا ہے کہ حضرت عباسؑ کے ساتھ اور اصحاب بھی اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر گئے، دشمن مقابلہ کی تاب نہ لا سکے اور ہٹ گئے اور یہ حضرات پانی بھر کر اپنے ساتھ لائے مورخ ابن قتیبہ نے واقعات کو اختصار کے ساتھ بیان کیا ہے اور یہ نہیں بتلایا کہ حضرت عباسؑ کیساتھ اور کون حضرات تھے، مگر میں یہ سمجھتا ہوں کہ حضرت علی اکبر اپنے چچا کے ساتھ ایک جمعیت کو لیکر مدد کرنے کیلئے ضرور گئے ہونگے، یہ قیاس نہیں ہے بلکہ تاریخ اور اخبار و احادیث کی چھان بین کے بعد اس نتیجہ تک پہنچنا پڑتا ہے، کیونکہ ہمکو کسی تاریخی کتاب یا مقتل[1] میں یہ نہیں ملتا کہ علی اکبر صرف پانی لینے کیلئے دریائے فرات پر گئے سوائے امالی کی اس مضطرب روایت کے جس میں یہ مذکور ہے کہ:۔

"ارسل علیاً ابنہ فی ثلثین فارساً و عشرین راجلاً لیستقو الماء" علی اکبر تیس[30] سوار اور بیس پیدل کیساتھ پانی لینے کیلئے دریا پر گئے امالی کی اس روایت سے نہیں معلوم ہوتا کہ علی اکبر پانی لینے کیلئے تشریف لیگئے تو جنگ ہوئی یا نہیں اور پانی

[1] اس سلسلہ میں اردو کی کتابیں ایسی ہیں جن کے مصنفوں نے بغیر تحقیق و دور اندیشی آنکھ بند کرکے امالی کی اس مضطرب روایت کو نقل کیا ہے اور بعض مصنفوں نے زبانی طرف سے اس روایت میں کچھ اضافہ بھی کر دیا ہے۔

آیا یا نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ یہ ٹکڑا کسی دوسری روایت سے تعلق ہے اور راوی نے اپنے حافظہ کی کمزوری سے یہاں پر نقل کر دیا ہے، جس سے اس محل میں اضطراب پیدا ہو گیا ہے، اب اس روایت کے ناقص ٹکڑے کو مورخ ابن قتیبہ کے تاریخی بیان کے ساتھ جب ہم مرتبط کرتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حضرت عباس دوسری تاریخ کو ممانعت آب کے بعد پانی لینے کے لئے تشریف لے گئے اور آپ کی معیت میں اور اصحاب بھی تھے، جسکی تشریح مورخ مذکور نے نہیں کی۔ لیکن امالی کی اس ناقص جملہ روایت نے اس امر پر یہ روشنی ڈالی کہ ہو سکتا ہے کہ اسی موقع پر چچا کے ساتھ حضرت علی اکبر مع تیس سوار اور بیس پیدل کے گھاٹ پر تشریف لیگئے ہوں ہاشمی جوانوں کا مقابلہ کون کر سکتا تھا، یزیدی فوج ہٹ گئی اور یہ حضرات پانی بھر لائے اور یقیناً یہی موقع تھا کہ پانی آنے کے بعد امام نے اپنے اصحاب سے یہ فرمایا ہوگا۔

ثم قال لاصحابہ قوموا فاشربوا من الماء یکن آخر زادکم — اٹھو، پانی پیو جو تمہاری اب آخری زاد و غذا ہے،

وتوضئوا واغتسلوا واغتسلوا ثیابکم لتکون اکفانکم — وضو کرو، نہا ڈالو، اور اپنے کپڑوں کو دھو ڈالو تاکہ یہی تمہارے کفن کے کام آئے۔

لیکن چونکہ امالی کا راوی بلید الذہن واقع ہوا ہے، اس لئے اس کے بیان میں اضطراب واقع ہوا جس نے واقعہ کے محل و موقع کے بیان کرنے میں غلطی کی ہے اور پورا واقعہ غتر بود ہو گیا ہے۔

اسی دوسری تاریخ کا یہ واقعہ بھی ہے جسکو بعض حضرات عدم تحقیق و کوتاہی نظر کی بنا پر شب عاشور کے واقعات میں لکھ گئے ہیں۔ چنانچہ جناب علی بن موسیٰ بن جعفر بن محمد بن طاؤس الحسینی علیہ الرحمۃ "لہوف" میں اور جناب غفرانمآب علامہ ولدار علی طاب ثراہ "الاثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان" میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

جب محرم کی دوسری تاریخ کو امام حسین زمین کربلا پر وارد ہوئے تو آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ یہ وہ مقام ہے جہاں ہماری قبریں بنیں گی اور ہمارا خون بہایا جائے گا۔ اسکے بعد حضرت نے دنیا کی بے ثباتی کے متعلق ان اشعار کو پڑھنا شروع کیا ؎

یا دھر اف لک من خلیل — کم لک بالاشراق والاصیل

من طالب وصاحب قتیل — والدھر لا یقنع بالبدیل

وکل حی سالک سبیل — ما اقرب الوعد من الرحیل

وانما الامر الی الجلیل — سبحان ربی ما لہ مثیل

ان اشعار کو سماعت فرما کر جناب زینب نے ارشاد فرمایا۔

فقالت یا اخی ھذا کلام من الیقن بالقتل فقال نعم یا اختاہ فقالت زینب واثکلاہ ینعی الحسین الی نفسہ قال وبکی النسوۃ ولطمن الخد ودو شققن الجیوب وجعلت ام کلثوم تنادی وامحمداہ واعلیاہ واماہ وااخاہ واحسیناہ . . . .

. . . . ۔ وروی من طریق اخری ان زینب لما سمعت مضمون الابیات وکانت فی موضع منفرد عنہ مع النساء والبنات خرجت حاسرۃ تجر ثوبھا حتی وقفت علیہ وقالت واثکلاہ لیت الموت اعدمنی الحیوۃ الیوم ماتت امی فاطمۃ و ابی علی و اخی الحسن یاخلیفۃ الماضین وثمال الباقین فنظر الیھا الحسین وقال یا اختاہ لایذھبن بحلمک فقالت بابی وامی استقتل نفسی لک الفداء فردت علیہ غصتہ وترقرقت عیناہ بالدموع ثم قال لو ترک القطا لیلا لنام فقالت یا ویلتاہ افتغصب نفسک اغتصابا فذالک اقرح لقلبی واشد علی نفسی ثم اھوت الی جیبھا فشققتھا وخرت مغشیۃ علیھا فقام فصب علی وجھھا الماء حتی افاقت"

(لھوف علی قتل الطفوف سید ابن طاؤس صفحہ ۴۰ طبع ایران اثارۃ الاحزان علی التقتیل العطشان علامہ غفران مآب قلمی صفحات ۳۵، ۳۶، کتا بخانہ ناصر الملۃ طاب ثراہ یہ نسخہ اس قلمی نسخہ کے علاوہ ہے جو اسی کتاب خانہ کا ہے اور

بھیا آپکی یہ باتیں تو ایسی ہیں جیسے کسی کو اپنی موت کا یقین ہو جاتا ہے، فرمایا اے بہن ایسا ہی ہے یہ سنکر جناب زینب گریہ کرکے فریاد کرنے لگیں اور فرمانے لگیں کہ بھیا حسین اپنے موت کی خبر دے رہے ہیں، دوسری مخدرات نے بھی اپنے گریبان چاک کرکے دو ہتڑ مار کر گریہ و ماتم شروع کیا اور جناب ام کلثوم فریاد کرتی تھیں وامحمداہ، واعلیاہ، واماہ، واخاہ، واحسیناہ . . . . لیکن دوسرے طریقہ سے یہ روایت ہے کہ جب حضرت زینب نے اشعار کے مضمون کو سنا اور وہ مخدومہ ایک گوشہ میں دوسری مخدرات کے پاس امام سے الگ تھیں یہ سنکر امام کیطرف چلیں کہ دامن زمین سے گھسٹتے جاتے تھے اور امام کے قریب آکر ایستادہ ہو کر فریاد کرنے لگیں، اے کاش مجھے موت آجاتی، ہائے ایسا معلوم ہوتا کہ آج ہی ماں فاطمہؑ، باپ علیؑ، اور بھائی حسنؑ کو موت آئی، اے خلیفہ گزشتگان اور اے حامی درماندگان، امام حسینؑ نے نظر اٹھا کر بہن کو دیکھا اور فرمایا اے بہن صبر کیجیئے، زینب سلام اللہ علیہا نے فرمایا میں اور میرے ماں باپ فدا ہوں کیا آپ قتل کیئے جاوینگے، اس وقت حضرت نے انتہائی ضبط سے کام لیا اور آنکھوں میں آنسو بھر کر فرمایا اگر قطا پرندہ کو بھی گرفتاری کا خوف شب کو نہ ہوتا تو وہ سو سکتا تھا، جناب زینب نے فرمایا ہائے افسوس آپکی المناک حالت میرے دل میں زخم ڈال رہی ہے، اور میرے نفس پر یہ امر بہت دشوار ہے یہ کہکر معظمہ نے اپنے گریبان کو چاک کر دیا اور بیہوش ہو کر گر پڑیں، امام

مولوی علی نقی صاحب کے پاس ہے اور جسکو دو سال ہو گئے ہیں واپس نہیں کیا ہے ایک قلمی نسخہ کتابخانہ سید تقی صاحب منغور میں بھی موجود ہے۔

اٹھے اور بہن کے چہرہ پر پانی چھڑک کر ہوش میں لائے۔

مورخ سپہر کاشانی صاحب ناسخ التواریخ نے بھی اس واقعہ کو دوسری تاریخ کے واقعات میں لکھا ہے (ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۱۷۰ طبع ایران)

ظاہر ہے کہ دوسری تاریخ کو پانی خیمہ میں تھا جسکو چھڑک کر امام علیہ السلام اپنی بہن کو ہوش میں لائے، اس واقعہ کو بھی بعض نے غلطی سے شب عاشور کے تذکرہ میں لکھدیا ہے، جو تاریخی حقائق اور درایت کے اعتبار سے بالکل غلط ہے۔ بلکہ اصل واقعہ وہی ہے جسکو متقدمین سے سید ابن طاؤس اور متاخرین علماء میں سے جناب غفرانمآب طاب ثراہ نے تحریر فرمایا ہے۔

تیسری محرم کو عمر ابن سعد مع لشکر عظیم کے کربلا وارد ہوا، روانہ ہونے سے پہلے ابن زیاد نے اپنے سابق حکمنامہ کو مزید تقویت پہنچانے کیلئے جو حر کے پاس بھیجا گیا تھا ابن سعد سے خصوصیت کے ساتھ پھر یہ حکم دیا۔

امض الیہ وخذ بکظمہ وامنعہ من شرب الماء

(مقتل ابو مخنف طبع ایران صفحہ ۳۲)

حسین سے جنگ کرنے کیلئے جاؤ اور سختی کیساتھ جبر و شدت کرو اور پانی روک دو۔

چنانچہ ابن سعد نے کربلا میں پہنچکر سختی سے اس حکم کی تعمیل کی، علامہ کمال الدین محمد بن طلحہ شافعی لکھتا ہے۔

ثم زحفت خیل عمر بن سعد حتی نزلوا شاطی الفرات وحالوا بین الماء وبین الحسین واصحابہ ثم کتب عبید اللہ کتاباً الی عمر بن سعد یحثہ علی مناجزۃ الحسین فعندہا ضیق الامر علیہم واشتد بہم العطش فقال انسان من اصحاب الحسین یقال لہ یزید بن حصین الہمدانی وکان زاھداً للحسین ائذن لی یا بن رسول اللہ لاتی بن سعد فاکلمہ فی امر الماء عساہ یرتدع فقال لہ ذالک الیک فجاء الہمدانی الی عمر بن سعد فدخل علیہ ولم یسلم قال یا اخا ہمدان ما منعک من السلام علیّ

عمر بن سعد کی فوج آئی اور فرات کے کنارے اس نے پڑاؤ ڈالکر حسین اور انکے اصحاب اور دریا کے درمیان حائل ہو گئی اسکے بعد ابن زیاد کا حکم پھر آیا جسمیں حسین سے جنگ کرنیکے لئے ابھارا گیا تھا اسکے بعد تو حسین اور انکے اصحاب پر بڑی سختی کیگئی اور ہر قسم کی سختی کو روا رکھا گیا، ان حضرات پر جب تشنگی نے غلبہ کیا تو اصحاب امام میں سے ایک بزرگ جنکا نام یزید بن حصین ہمدانی تھا انھوں نے امام سے عرض کی کہ مجھکو اجازت دیجئے تاکہ پانی کے معاملہ میں ابن سعد کو کچھ سمجھاؤں بجھاؤں، ممکن ہے کہ وہ اس جرم کے ارتکاب سے ڈرے، حضرت نے اجازت دی، ہمدانی

الست مسلماً اعرف اللہ و رسولہ فقال لہ الھمدانی لو
کنت مسلماً لما تقول لما خرجت الی عترۃ رسول اللہ
ترید قتلھم وبعد فھذا ماء الفرات یشرب منہ
کلاب السواد وخنازیرھا وھذا الحسین بن علی و
اخوتہ ونساوہ واھل بیتہ یموتون عطشاً قد
حلت بینھم وبین ماء الفرات ان یشربوہ وتزعم
انک تعرف اللہ و رسولہ فاطرق عمر بن سعد ثم
قال واللہ یا اخاھمدان انی لا علم حرمتہ اذاھم
ولکن یا اخاھمدان ما اجد نفسی تجیبنی الی ترک
الری لغیری فرجع یزید بن حصین الھمدانی
فقال للحسین یا ابن رسول اللہ ان عمر بن سعد
قد رضی ان یقتلک بولایۃ الری"
(مطالب السئول صفحہ ۷۶ مطبوعہ ایران)

عمر سعد کے پاس آئے لیکن سلام نہیں کیا۔ ابن سعد نے
کہا کہ تم نے مجھے سلام کیوں نہ کیا۔ کیا میں اللہ و رسول
کو نہیں پہچانتا اور مسلمان نہیں ہوں۔ ہمدانی نے کہا کہ اگر
تم مسلمان ہوتے تو عترت رسولؐ سے لڑنے کیوں آتے
اور انکے قتل کا ارادہ کیوں کرتے اور اسکے علاوہ یہ تو
بتلاؤ کہ یہ فرات کا پانی ہے جسکو کتے اور سور پیتے ہیں
اور حسینؑ انکی بہنیں انکی عورتیں اور بچے پیاسے مرے جارہے
ہیں اور تم اپنی فوج لیکر فرات پر حائل ہو گئے ہو کہ وہ پانی
نہ پی سکیں، اور اسپر پھر یہ گمان ہے کہ اللہ و رسول کو
پہچانتے ہو! یہ سنکر عمر سعد نے گردن جھکالی، اسکے بعد کہنے
لگا اے ہمدانی بھائی میں اہلبیت کی اذیت دینے کی
حرمت سے واقف ہوں، لیکن میرا دل یہ گوارا ہی نہیں
کرتا کہ ملک رے کی حکومت کوئی دوسرا حاصل کرے"

یہ سنکر یزید بن حصین ہمدانی امام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ فرزند رسول مملکت رے کی خواہش میں عمر بن سعد آپ کے قتل پر راضی ہو گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ ابن سعد کے آنیکے بعد اور زیادہ سختی بڑھ گئی اور اب امام اور انکے اہلبیت اور اصحاب و انصار کو صرف اسی پانی پر اکتفا کرنا پڑا ہوگا جو دوسری تاریخ کو جناب عباس لائے تھے، یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ یہ پانی زیادہ دنوں تک کیلئے کافی نہیں ہو سکتا تھا، یقیناً یہ پانی بہت جلد ختم ہو گیا ہوگا جسکی وجہ اطفال حسینی قریب بہلاکت پہنچے ہونگے ...... ممکن ہے کہ جناب عباس نے ایکمرتبہ پانی لانے کی پھر کوشش کی ہو چنانچہ تاریخیں یہ بتلا رہی ہیں کہ عباس ایک جمعیت کو لیکر گئے اور مقابلہ فرمانے کے بعد گھاٹ کو اپنے قبضہ میں کر لیا اور پانی بھر کر لائے، کتب تاریخ پر ایک غائر نظر ڈالنے اور اخبارات و روایات کو نگاہ درایت سے دیکھنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جناب عباس دریا سے دوسری مرتبہ جو پانی لائے وہ ساتویں محرم سے پہلے کا واقعہ ہے۔

مورخ ابوحنیفہ احمد بن داؤد الدینوری المتوفی سنہ ۲۸۱ھ یا سنہ ۲۸۲ھ یا سنہ ۲۹۰ھ، لکھتا ہے۔

"ولما اشتد بالحسین واصحابہ العطش امر اخاہ العباس بن علی وکانت امہ من بنی عامر بن صعصعہ ان یمضی فی ثلاثین فارساً وعشرین راجلاً مع کل رجل قربۃ حتی یاتوا الماء فیحاربوا من حال بینھم وبینہ فمضی العباس نحو الماء وامامھم نافع بن ھلال حتی دنوا من الشریعۃ فمنعھم عمرو بن الحجاج فجالدھم العباس علی الشریعۃ بمن معہ حتی ازالوھم عنھا واقتحم رجالۃ الحسین الماء فملئوا قربھم ووقف العباس فی اصحابہ یذبون عنھم حتی اوصلوا الماء الی عسکر الحسین"

(اخبار الطوال صفحہ ۲۵۲)

جب حسینؑ اور انکے اصحاب پر تشنگی کا غلبہ ہوا تو آپ نے اپنے بھائی عباس کو حکم دیا کہ تیس سوار اور بیس پیادے لیکر دریا سے پانی لاویں ہر پیدل کے پاس ایک ایک مشکیزہ بھی تھا، دریا کے قریب آکر ان لوگوں سے محاربہ کیا جو درمیان میں حائل ہوئے، جناب عباس دریا کی طرف بڑھے اور گھاٹ کے قریب پہنچ گئے، ان سب کے آگے نافع بن ہلال تھے، عمرو بن حجاج نے روکا حضرت عباس نے حملہ کر کے ان سب کو ہٹا دیا، اور اصحاب حسینؑ نے پانی مشکوں میں بھر لیا، اور حضرت عباس مع ساتھیوں کے حفاظت کرتے رہے، یہانتک کہ حسینؑ کے خیمہ میں پانی پہنچ گیا۔

کم وبیش یہی بیان مورخ طبری کا بھی ہے، لیکن اسمیں یہ ہے کہ جب نافع بن ہلال آگے بڑھے تو عمر بن حجاج نے اپنے خیمہ ہی سے پوچھا کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ نافع بن ہلال نے جواب دیا کہ ہم پانی پینے کیلئے آئے ہیں یہ سنکر عمر بن حجاج نے کہا۔ "فاشرب ھنیئاً، قال واللہ لا اشرب منہ قطرۃ وحسین عطشان" گوارا ہو پیو! یہ سنکر نافع بن ہلال نے کہا۔ بخدا ایک قطرہ بھی نہ پیونگا حسینؑ پیاسے رہجاویں۔ "فطلعوا علیہ فقال لاسبیل الی سقی ھؤلاء" یہ سنکر یہ لوگ خیموں سے باہر نکل آئے اور یہ کہنے لگے کہ حسین کیلئے پانی کی کوئی سبیل نہیں ہے۔ (تاریخ الطبری جزو اول از جلد ثانی صفحہ ۳۱۳ طبع جرمن)

مورخ ابن اثیر نے اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ لکھا ہے کہ عباس تیس سوار اور بیس پیدل جو مشکیں لئے تھے کے ساتھ دریا پر گئے "فقاتلوا علیہ وملؤا القرب وعادوا" جنگ کے بعد مشکوں کو بھر کر لائے۔

(تاریخ الکامل ابن اثیر جلد چہارم صفحہ ۲۲ مطبوعہ مصر)

مورخین کے اس بیان پر غائر نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابن زیاد کے اس حکم کے آنے سے پہلے کا ہے جو ساتویں محرم کو آیا ہے، جس کا مضمون یہ تھا۔

"ان امنع الحسین واصحابہ الماء فلا یذوقوا منہ

حسین اور انکے اصحاب پر پانی کو روک دو وہ ایک

حسوۃ کما فعلوا بالتقی عثمان بن عفان ،،

گھونٹ بھی نہ پینے پائیں جیسا کہ ان لوگوں نے "پرہیزگار عثمان بن عفان کے ساتھ کیا۔

(اخبار الطوال ابوحنیفہ دینوری صفحہ ۲۵۱)

مورخ طبری لکھتا ہے۔

جاء من عبید اللہ ابن زیاد کتاب الیٰ عمر بن سعد اما بعد فحل بین الحسین واصحابہ وبین الماء ولا یذوقوا منہ قطرۃ کما صنع بالتقی الزکی المظلوم عثمان بن عفان

عبیداللہ ابن زیاد کا حکم ابن سعد کے نام اس مضمون کا آیا کہ حسینؑ اور انکے اصحاب اور پانی کے درمیان میں حائل ہو جاؤ، یہ لوگ ایک قطرہ بھی پانی کا نہ چکھیں، جیسا کہ تقی، زکی، مظلوم، مومنین کے امیر عثمان بن عفان کے ساتھ کیا گیا۔

(الطبری جزء اول از جلد ثانی صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ جرمن)

ابن اثیر نے بھی یہی بتلایا ہے کہ اس حکم میں یہ تھا کہ "وان یمنعہ ومن معہ الماء" حسینؑ اور ان کے ساتھیوں پر پانی روک دو، (تاریخ کامل جلد ۴ صفحہ ۲۴ طبع مصر) مورخ ابن کثیر دمشقی لکھتا ہے کہ:۔

"ان حل بینھم وبین الماء کما فعل بالتقی الزکی المظلوم امیر المومنین عثمان "

حسینؑ و اصحاب حسینؑ اور دریا کے درمیان حائل ہو جاؤ، جیسا کہ تقی، زکی، مظلوم، امیر المومنین عثمان کے ساتھ کیا گیا۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۵ مطبوعہ مصر)

مورخین لکھتے ہیں کہ اس حکم کے پہنچنے پر پھر بڑی سختی کی گئی اور دریا پر مضبوط پہرہ بٹھا دیا گیا۔ مورخ ابوحنیفہ دینوری لکھتا ہے۔

فلما ورد علی عمر ابن سعد ذالک امر عمرو بن الحجاج ان یسیر فی خمسمأتہ راکب فینیخ علی الشریعہ ویحولوا بین الحسین واصحابہ وبین الماء وذالک قبل مقتلہ بثلاثۃ ایام فمکث اصحاب الحسین عطاشی "

عمر ابن سعد کے پاس جب یہ حکم پہنچا تو عمر بن حجاج کو پانچسو سواروں کی سرکردگی میں گھاٹ پر پہرہ کیلئے مقرر کر دیا اور یہ حکم دیا کہ حسینؑ اور ان کے اصحاب کے درمیان حائل ہو جاؤ ان لوگوں تک پانی نہ پہنچنے پاوے اور یہ امر حضرت کی شہادت سے تین روز پہلے ہوا، اسکے بعد تو اصحاب حسینؑ پھر پیاسے ہی رہے۔

(اخبار الطوال صفحہ ۲۵۲)

مورخ طبری لکھتا ہے۔

فبعث عمر ابن سعد عمرو بن الحجاج علی خمس مأتہ فارس فنزلوا علی الشریعۃ و حالوا بین حسین واصحابہ و بین الماء ان یسقوا منہ قطرۃ وذالک قبل قتل الحسین بثلاث قال ونازلہ عبد اللہ بن ابی حصین الازدی وعدادہ فی بجیلۃ فقال یا حسین الا تنظر الی الماء کانہ کبد السماء واللہ لا تذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشا۔

(الطبری جزو اول از جلد ثانی صفحہ ۳۱۲ مطبوعہ جرمن)

عمر ابن سعد نے عمرو بن حجاج کو پانچ سو سواروں کا افسر مقرر کر کے گھاٹ پر مقرر کر دیا اور یہ حکم دیا کہ حسینؑ اور اصحاب حسینؑ اور پانی کے درمیاں حائل ہو جاؤ، دیکھو ایک قطرہ پانی سے بھی نہ سیراب ہونے پاویں اور یہ امر حضرت کی شہادت سے تین روز پہلے ہوا۔ عبد اللہ بن ابی حصین ازدی اور اسکے جتھے کو مقام بجیلہ پر متعین کیا جس نے چلا کر کہا اے حسینؑ کیا تم بہتے ہوئے پانی کو نہیں دیکھتے کہ وہ دور سے مثل آسمان کے چمک رہا ہے اور خدا کی قسم تم اس کا ایک قطرہ بھی نہیں پا سکتے یہاں تک کہ پیاسے ہی مرجاؤ۔

یہی عبارت تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صفحہ ۲۴ میں بھی ہے۔ مورخ ابن اثیر دمشقی لکھتا ہے کہ اس حکم کے آنے کے بعد "وجعل اصحاب عمر بن سعد یمنعون اصحاب الحسین من الماء" لشکر ابن سعد نے اصحاب حسینؑ پر پانی کو روک دیا۔ (البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفحہ ۱۷۵ طبع مصر)

ان تاریخی حقایق سے اس امر پر روشنی پڑتی ہے کہ عباس ابن علی اور نافع بن ہلال تیس سواروں اور بیس پیادوں کو ہمراہ لے کر جب نہر پر پانی کے لئے گئے تھے، اس وقت تک یہ حکم جو ساتویں کو پہنچا نہیں آیا تھا،

کیونکہ اسوقت تک گھاٹ پر پانی لے جانے کی روک ٹوک توضرور تھی لیکن سختی کے ساتھ پہرہ نہیں مقرر
کیا گیا تھا، جب ہی تو یہ لوگ گھاٹ پر باقاعدہ حفاظت نہیں کر رہے تھے۔ بلکہ اپنے خیموں میں پڑے
ہوئے تھے، اسلئے پہلے تو خیموں کے اندر ہی سے ٹوکا کہ کون ہے اور کیوں آیا ہے۔ جب نافع بن ہلال نے
بتلایا کہ میں نافع ہوں اور پانی پینے کیلئے آیا ہوں تو یہ جواب دیا "فاشرب هنیئا" پیو تم کو پینا
گوارا ہو! ظاہر ہے کہ اگر ساتویں والا حکم پہونچ چکا ہوتا جس میں یہ صریحی حکم ہے کہ حسینؑ کے اصحاب
بھی ایک قطرہ نہ پینے پاویں، تو یہ جواب نافع بن ہلال کو ہرگز نہیں مل سکتا تھا، بلکہ ان کو بھی پینے
سے روکا جاتا۔ لیکن نافع بن ہلال کوفہ کے شیعیان باصفا میں سے تھے یہ کہہ کر پانی پینے سے انکار
کر دیا کہ حسینؑ تو پیاسے رہیں اور میں پی لوں، اس گفتگو کے بعد ایک معمولی سی جھڑپ ہوتی ہے اور یہ
حضرات پانی لیکر خیمہ میں پہونچ جاتے ہیں، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ پہرہ بہت زیادہ سخت نہ تھا
کیونکہ جب پہرہ اور دریا کی نگہبانی میں سختی ہوگئی تو ان ظالموں نے اس حد تک سختی کی کہ پھر ایک قطرہ
بھی خیمہ تک نہ پہونچ سکا۔ اور اصحاب حسینؑ بھی سختی کے ساتھ پانی سے روکے گئے۔ یہاں تک کہ ابو حنیفہ
دینوری کو یہ صاف لکھنا پڑا کہ: "فمکث اصحاب الحسین عطاشی" اور پھر اصحاب حسینؑ
تین دن تک پیاسے ہی رہے۔

لیکن افسوس کہ راویان مقتل نے واقعات کے تقدم و تاخر کا خیال نہ کیا جسکی وجہ سے واقعات
غتر بود ہوگئے۔ اور جنھوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا یا جن میں واقعات تاریخی کے ضبط کرنے اور
اس سے صحیح نتیجہ حاصل کرنے کی صلاحیت نہ تھی وہ نہ معلوم کیا سے کیا سمجھنے لگے اور پھر انتہائی ظلم
روضہ خوانوں اور ذاکرین نے کیا جو اولٹ پلٹ کر واقعات کو لکھنے اور بیان کرنے لگے جس سے واقعات
کربلا پر پردے پڑ گئے، دشمنوں نے تو عمداً مٹایا اور چھپایا۔ اور ان دوستوں نے اپنی نادانی سے یہ حرکات کئے۔

"سعدی از دست خویشتن فریاد"

اسی لئے ضرورت تھی کہ واقعات کربلا پر بہت ہی غور و فکر کے ساتھ محققانہ نظر ڈالی جاتی اور صحیح و
مستند واقعات تاریخی کو ضبط کیا جاتا، اختلافات روایات پر درایت کی نظر ڈال کر مستند و معتبر واقعات
کو چھانٹ لیا جاتا۔ اسکے بعد واقعات کربلا کی موجودہ مذاق میں (اگر اس کی ضرورت واقعی تھی) پیش
کرنے کی کوشش کی جاتی۔

ناظم یادگار حسینی کی خدمت میں شروع تحریک سے بار باراس کے متعلق عرض کیا گیا، مگر کون سنتا ہے فغان درویش، اپنی ہٹ اور ضد سے باز نہ آئے، اور آج ایسی کتاب مرتب کر کے شایع کردی جس پر آج تمام دنیا اعتراض کررہی ہے جسکی بناء پر مجبور ہو کر موصوف کو ۱۸ فروری ۱۹۴۵ء کے سرفراز میں ایک ایسا بیان شایع کرنا پڑا جو ایک عالم و محقق کے شایان شان نہیں ہے، اگر شروع ہی سے "انانیت" کو ترک کر کے امرحق اور صحیح رائے کو تسلیم کیا جاتا تو یہ نوبت کیوں آتی۔ سچ ہے۔

انچہ دانا کند کند ناداں ۔۔۔ لیک بعد از خرابی بسیار

غرضکہ جناب ابوالفضل العباسؑ کی دوسری سقائی کا واقعہ جو کتابوں میں مذکور ہے وہ دراصل تیسری تاریخ سے لے کر چھٹی تاریخ تک کا واقعہ ہے جس کو لوگوں نے سامحۃً اس طرح نقل کیا کہ آٹھویں کی شب کا واقعہ سمجھا جانے لگا (یعنی ساتویں کا دن گذر کر جو شب آئی) لیکن مرتب شہید انسانیت چونکہ صبح عاشور کو بھی پانی دکھلانا چاہتے ہیں اسلئے کہیں تو یہ لکھدیا کہ "آٹھویں محرم کی شب کو" (شہید انسانیت ص۴۴۶) اور کہیں یہ تحریر کیا کہ "غالباً آٹھویں یا نویں شب کا ذکر ہے" (شہید انسانیت ص۴۱۱)

غرضکہ نہ کوئی صحیح رائے ہے اور نہ تحقیق، صرف مقصد ایک ہے وہ یہ کہ واقعات کربلا کی کسی طرح تخفیف ہو۔

غرضکہ ساتویں محرم سے آل محمدؐ پر انتہائی سختی کو روا رکھا گیا، چنانچہ مورخ یافعی الیمنی المکی المتوفی ۷۶۸ھ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:-

فضیق علیه الفاسق اشد تضییق وسد بین یدیه واضح الطریق الی ان قتله یوم الجمعه وقیل یوم السبت وقیل یوم الاحد واتفقوا علی انه یوم عاشوراء بقرب الکوفه بموضع یقال له کربلا وعلیه جبة خز بعد ان حموه عن الماء وفی ذالك یقول الشاعر ؎

ابن زیاد کے اس حکم آنیکے بعد ابن سعد فاسق نے حضرت پر بہت ہی سختی کی اور چاروں طرف سے گھیر کر اس طرح جکڑ لیا کہ کھلے راستوں کو بھی حضرت پر بند کردیا، یہانتک کہ عاشور کے دن کوفہ کے قریب کربلا میں جبکہ حضرت پر پانی بھی بند کردیا گیا تھا پیاسا قتل کردیا گیا۔ اسی بندش آب کے متعلق شاعر کہتا ہے جس میں حسینؑ مظلوم پر پانی بند کیے جانے اور قحط آب کا تذکرہ ہے۔

فدونك یاماء العذیب تعوضت ۔۔۔ میاه رحیمات عن الوصل صدت

حمیت کما کان الحسین بکربلا ۔۔۔ عن الماء یحمی مثل حالته التی

۱؎ تاریخ مرآۃ الجنان جلد اول ص ۱۳۲/۱۳۳ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۳۷ھ

صاحب تاریخ مرآۃ الزمان علامہ سبط ابن الجوزی، مورخ واقدی سے نقل کرتے ہیں۔

وقال الواقدی وغیرہ لما رحل الحسین من
القادسیہ وقف یختار مکانا ینزل فیہ واذا اسود
الخیل قد اقبل کاللیل وکان رایاتھم
اجنحۃ النسور واسنتھم الیعاسیب فنزلوا
مقابلھم ومنعوھم الماء ثلاثۃ ایام فناداہ
عبداللہ بن حصین الازدی یاحسین الا
تنظر الی الماء کانہ کبد السماء وواللہ
لاتذوق منہ قطرۃ حتی تموت عطشاً
فقال الحسین اللھم اقتلہ عطشاً ولاتغفرلہ
ابداً فکان بعد ذلک یشرب الماء ولا
یروی حتی سقی بطنہ فمات عطشاً، و
ناداہ عمرو بن الحجاج یاحسین ھذا الماء
تلغ فیہ الکلاب وتشرب منہ خنازیر اھل
السواد والحمر والذئاب وماتذوق
منہ واللہ قطرۃ حتی تذوق الحمیم فی
نار الجحیم فکان سماع ھذا الکلام علی
الحسین اشد من منعھم ایاہ الماء
قال فلما اشتد بالحسین واصحابہ العطش
بعث بالعباس بن علی اخیہ الی المشارع
فی ثلاثین فارساً وعشرین راجلاً
فاقتتلوا علیہ ولم یمکنوھم من الوصول
الیہ» (تذکرۃ خواص الائمۃ فی معرفۃ الائمۃ صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ ایران)

واقدی اور دوسرے مورخین کا بیان ہے کہ امام حسینؑ قادسیہ سے کوچ
کرنیکے بعد ایک مقام پر رک کر اپنے قیام کیلئے جگہ منتخب فرمانے لگے
کہ دفعتاً مثل شب تار فوجوں کی سیاہی اپنی طرف بڑھتی ہوئی
دکھلائی دی جنکے جھنڈوں کے پھریرے گدھ کے پروں کی طرح
کھلے ہوئے تھے اور ان کے نیزے مثل بھڑوں کے ڈنک کے تھے۔
یہ فوج غدار امام کے مقابلہ میں آ کر مقیم ہوئی اور اس نے
حضرت کے قافلہ پر تین دن تک پانی بند کر دیا۔ عبداللہ بن
حصین ازدی ملعون چلا چلا کر یہ کہتا تھا کہ اے حسینؑ کیا پانی کو
نہیں دیکھتے کہ جگر پارۂ آسمان کی طرح چمک رہا ہے اور تم اس میں سے
بخدا ایک قطرہ بھی نہیں چکھ سکتے یہاں تک کہ پیاسے ہی تڑپ تڑپ کر مر جاؤ۔
یہ سنکر امام حسینؑ نے اپنے خدا کی بارگاہ میں عرض کی کہ خداوندا اس ظالم
کو پیاسا مار اور نہ بخش اس بددعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ مارے پیاس کے پانی
پیتا رہا پیٹ مثل مشک کے پھول گیا لیکن پیاس نہ بجھی یہاں تک کہ
پیاسا ہی مر گیا۔ اسی طرح عمرو بن حجاج نے بلند آواز سے کہا اے حسینؑ
دیکھو یہ پانی ہے اور کتے و سور درندے و گدھے سب ہی پی رہے ہیں
لیکن تمکو ایک قطرہ بھی نہ ملیگا یہاں تک کہ (معاذ اللہ) جہنم کا کھولتا
ہوا پانی چکھو۔ یہ کلام حسینؑ مظلوم کیلئے پانی کے بند کرنے سے بھی زیادہ
سخت و تکلیف دہ تھا۔ غرضکہ جب حسینؑ اور ان کے اصحاب پر پیاس
نے غلبہ کیا تو آپ نے اپنے بھائی عباسؑ کو گھاٹ کی طرف پانی لانے
کیلئے بھیجا، عباسؑ کے ساتھ تیس سوار اور بیس پیدل بھی تھے۔
گھاٹ پر جنگ ہوئی لیکن پانی تک نہ پہونچ سکے
اور نہ پانی ہی آ سکا۔"

یہ بیان سب سے قدیمی مورخ واقدی کا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حسینؑ اور اُن کے اصحاب پر تین دن تک پانی بند رہا اور اس سختی کے ساتھ کہ حضرت کو ایک قطرہ بھی پینے کیلئے نہ ملا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تین دن میں اس کی بھی کوشش کی گئی کہ دریا سے پانی آسکے اور حضرت عباسؑ تیس سوار و بیس پیادوں کے ساتھ پانی لینے کیلئے تشریف لیگئے لیکن فوج کی کثرت و نگہبانی کی وجہ سے پانی نہ ل سکا اس سے اس پر روشنی پڑتی ہے کہ حضرت عباسؑ نے پہلی سقائی جو دوسری تاریخ کو کی تھی اسکے بعد پانی نہ لا سکے۔ اگرچہ آپنے پانی لانے کی پھر کوشش کی، اور غالباً جن لوگوں نے دوسری تاریخ کی سقائی کو پیش نظر نہ رکھا وہ دوسری کے واقعے کو اپنی غلطی سے آٹھویں تاریخ میں لکھ گئے۔ حالانکہ اس مرتبہ خیام حسینی میں پانی نہ پہونچ سکا، غرضکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ تین دن تک خیام حسینی میں پانی کا ایک قطرہ بھی نہ تھا اور خاندان رسالت پیاسا تڑپ رہا تھا، اصغرؑ کے سے ششماہہ بچے کے حلق میں ٹپکانے کیلئے ایک قطرہ پانی کا نہ تھا نہ کہ غسل و آداب طہارت بجا لایا جاتا۔ علامہ سبط بن الجوزی کا سا مورخ لکھتا ہے۔

فالتفت الحسین فاذا بطفل لہ یبکی عطشاً فاخذہ علی یدہ و قال یا قوم ان لم ترحمونی فارحموا ھذا الطفل فرماہ رجل منھم بسھم فذبحہ فجعل الحسین یبکی و یقول اللھم احکم بیننا و بین قوم دعونا لینصرونا فقتلونا

(تذکرہ خواص الامۃ ص۱۴۲)

امام مظلوم خیمہ میں تشریف لیگئے۔ ملاحظہ فرمایا کہ بچہ پیاس کی شدت سے رو رہا ہے۔ آپ اس بچے کو ہاتھوں میں لیکر میدان میں آئے اور فرمایا کہ اے قوم اگر تم ہم پر نہیں رحم کرتے ہو تو اس بچے پر تو رحم کرو، یہ سنکر ایک ظالم نے ایک تیر مارا کہ جس نے بچے کو ذبح کر دیا۔ اس منظر کو دیکھکر حسینؑ سا صابر بہادر رونے لگا۔ اور فرمانے لگے خداوندا ہمارے اور اس ظالم قوم کے درمیان فیصلہ کر۔

نماز ظہر سے پہلے امام مظلوم پیاس کی وجہ سے کس قدر بےچین تھے اسکے متعلق مورخ مذکور لکھتا ہے۔

ثم اشتد العطش فھم ان یلقی نفسہ بین القوم ثم شرفت نفسہ عن ذلک ثم جاء وقت صلوٰۃ الظھر فصلّی باصحابہ صلوٰۃ الخوف فبینا ھم فی الصلوٰۃ تکالبوا

حسینؑ پر پیاس نے غلبہ کیا اور آپنے ارادہ فرمایا کہ فوج پر ٹوٹ پڑیں لیکن اب آپ اس سے باز رہے کہ نماز ظہر کا وقت آگیا۔ آپنے اصحاب کے ساتھ نماز خوف ادا فرمائی۔ ابھی آپ نماز ہی میں تھے کہ فوج

علیه فحمل زهیر بن القین یذب عن الحسین" (تذکرۂ خواص الامۃ ص۱۴۲)

اشقیانے حملہ کردیا۔ یہ دیکھکر زہیر بن القین نے حملہ کرکے دشمنوں کو ہٹایا۔

جیساکہ میں تاریخی شہادت کی بنا پر عرض کرچکا ہوں کہ دوسری تاریخ ہی سے حسینؑ کیلئے پانی کی روک ٹوک ہوگئی تھی لیکن عمر سعد کے آنے کے بعد اور زیادہ سختی ہوئی اور بالآخر ساتویں تاریخ سے تو پھر اس قدر مضبوط اور مستحکم پہرہ بٹھادیا گیا تھا کہ پھر پانی کا ایک قطرہ بھی اہلبیتؑ تک نہیں پہونچ سکتا تھا۔

ابومخنف گھاٹ پر جو پہرہ بٹھایا گیا اسکے متعلق لکھتا ہے۔

قرأ ابن سعد الکتاب دعا بحجز و عقد له رایه علی اربعة الاف فارس وامره ان ینزل مشرعة الغاضریة و یمنع الحسین من شرب الماء ثم دعا بشبث بن ربعی و عقد له رایة علی الف فارس و امره ان ینزل علی مشرعة الغاضریة و یمنع الحسین من شرب الماء فنزل جمیعا علی المشرعه (مقتل ابومخنف ص۳۲)

ابن سعد نے ابن زیاد کے حکم کو پڑھنے کے بعد ہی ایک فوجی افسر حجز کو بلاکر چار ہزار سواروں کی سرکردگی میں غاضریہ کے گھاٹ پر متعین کردیا اور یہ حکم دیا کہ حسینؑ کو پانی سے روکنا اسکے بعد پھر شبث بن ربعی کو بلاکر ایک ہزار سواروں کا افسر بنایا اور یہ کہا کہ تم بھی اپنی فوج کو لے کر گھاٹ پر جاؤ اور پانی روکو غرضکہ یہ دونوں سربرآوردہ اپنی اپنی فوج کو لے کر گھاٹ پر آگئے۔

غرضکہ چار پانچ ہزار جنگجو سوار گھاٹ پر متعین کردیے گئے اور خاندان رسول کیلئے پانی کا ایک قطرہ بھی پہونچنا دشوار ہوگیا۔ اور اطفال حسینی پیاس کی وجہ سے تڑپنے لگے، یہ ایک ایسی عظیم مصیبت تھی جس نے مخالفین کو بھی متاثر کیا۔ چنانچہ جب حُر بن یزید تمیمی نے دیکھا کہ خاندان رسالت پر اتنی سختی کے ساتھ پانی بند کیا گیا کہ ایک قطرہ بھی ان کو نہیں ملتا اور وہ پیاسے تڑپ رہے ہیں تو وہ تڑپ اٹھا اور اپنی دنیاوی وجاہت کو لات مار کر امام مظلوم کا طرفدار بن گیا چنانچہ مؤرخ ابوالفلاح عبدالحی بن العماد الحنبلی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں۔

وقتل معه اثنان و ثمانون رجلا فیهم الحر بن یزید التمیمی لانه تاب خرا حین رأی منعهم له من الماء و تضیقهم علیه" (شذرات الذهب فی اخبار من ذهب جلد اول ص۶۶ طبع مصر)

حضرت کے ساتھ ۸۲ اشخاص شہید ہوئے ان میں حر بن یزید تمیمی بھی ہیں یہ فوج یزید میں تھے لیکن بالآخر اسوقت تائب ہوگئے تھے جب انھوں نے دیکھا کہ پانی کو سختی کے ساتھ بند کردیا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ اگر خیام حسینی میں پانی ہوتا اور امام صبح عاشور یا شب عاشور غسل فرماتے تو حر بندش کرنے سے کبھی بھی متاثر نہ ہوتا اور نہ پھر اس کی ہمدردی امام حسینؑ کے ساتھ ہوتی جس کے نتیجہ میں وہ روز عاشور حسینؑ مظلوم کی حمایت میں شہید ہوا۔ دراصل حسینؑ کے خیام میں پانی کا نہ ہونا اور دشمنوں کا پانی بند کر دینا، ایک ایسا تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی طرح انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔ یہ وہ مصیبت ہے جو دشمنوں کو بھی متاثر کر کے اپنا لیتی ہے۔

چنانچہ اسی چیز نے حر کو حسینؑ مظلوم کا طرفدار بنایا اور وہ امام حسینؑ کا طرفدار ہو گیا، یہ خیال کہ ہے کہ اگر حر امام مظلوم کے لشکر میں آجانے کے بعد یہ محسوس کرتا کہ صبح عاشور کو امام نے غسل فرمایا اور اسوقت تک خیمہ میں پانی ہے تو وہ اشقیا کے مقابلہ میں اگر یہ احتجاج نہ کرتا جسکو تمام مورخین و اصحاب مقاتل نے لکھا ہے۔

واصبح فی ایدیکم کالاسیر لا یملک لنفسه نفعا ولا یدفع ضرا وحلأتموه ونساءه و أصبیته واصحابه عن ماء الفرات الجاری الذی یشربه الیهودی والمجوسی والنصرانی وتمرغ فیه خنازیر السواد وکلابه وهاهم قد صرعهم العطش بئسما خلفتم محمدا فی ذریته لا سقاکم الله یوم الظماء

(الطبری، الجزء الاول من حلقة الثانی ص ۳۳۴ طبع جرمن)

اے فوج اشقیا، یہ آل رسولؐ ہیں جو قیدیوں کی طرح گھرے ہوئے ہیں نہ ان کو کچھ فائدہ پہونچا سکتے ہیں اور نہ ضرر ہی کو دور کر سکتے ہیں۔ اے تم نے حسینؑ اور انکی مخدرات و اطفال و اصحاب پر دریا کے بہتے ہوئے پانی کو بند کر دیا ہے جس سے یہودی عیسائی مجوسی سیر سیراب ہو رہے ہیں اور جس میں اگرمی کی شدت کی وجہ سے کتے اور سور لوٹ رہے ہیں اور آل محمدؐ اس عالم میں ہیں کہ ان کو پیاس مارے ڈال رہی ہے، تم نے اولاد رسول کے ساتھ کیا برا برتاؤ کیا خدا تم کو قیامت کے دن سیراب نہ کرے۔"

اس کو مورخ ابن اثیر نے تاریخ کامل (جلد ۴ ص ۲۹ طبع مصر) میں بھی نقل کیا ہے۔

ابن کثیر شامی دمشقی لکھتا ہے کہ حر نے فوج یزیدی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ویحکم منعتم الحسین ونساءه وبناته الماء الفرات الذی یشرب منه الیهود والنصاری ویتمرغ فیه خنازیر السواد وکلابه،

وائے تم پر، حسینؑ اور ان کی عورتوں و بچوں پر دریائے فرات کو روک دیا ہے کہ وہ سیراب نہ ہو سکیں حالانکہ اسکے پانی کو یہودی عیسائی پیتے ہیں اور اسمیں کتے و سور تک لوٹتے ہیں۔

وحلتم بينه وبين الماء الفرات الجاری الذی یشرب منه الکلب والخنزیر وقد صرعهم العطش بئس ماخلفتم محمدا فی ذریته لاسقاکم الله یوم الظماء الاکبر۔

(حُر نے کہا حسینؑ اور دریائے فرات کے درمیان تم حائل ہو گئے ہو حالانکہ اس کا پانی کتے اور سور تک پیتے ہیں اور حسینؑ واہلبیت حسینؑ پیاسے مر رہے ہیں تم نے آل محمدؐ کے ساتھ کیا بُرا سلوک کیا۔ خدا تمھاری بڑی پیاس کو قیامت کے دن نہ بجھائے۔

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ ص۱۸۰ طبع مصر)

حُر کی یہ تقریر اسوقت کی ہے جب کہ ابھی جنگ نہیں شروع ہوئی تھی، یہ تقریر صاف بتلا رہی ہے کہ امام کے خیمہ میں ایک قطرہ پانی کا نہ تھا اور یہ حضرات پیاس کی شدت کی وجہ سے قریب بہ ہلاکت تھے۔ اگر شب عاشور پانی پیا گیا ہوتا یا صبح عاشور حسینؑ اور اصحاب حسینؑ نے غسل کیا ہوتا جیسا کہ مولف شہید انسانیت اور ابن کثیر دمشقی شامی نے دعویٰ کیا ہے تو حُر کبھی یہ نہیں کہہ سکتے تھے کہ کتے اور سور تو پانی میں لوٹیں اور امام مظلوم اور آپکے اہلبیت وانصار پیاس کی وجہ سے جاں بلب ہوں۔ حُر کی یہ تقریر جس کو خود ابن کثیر دمشقی نے نقل کیا ہے اس امر پر دلیل ہے کہ اس نے صبح عاشور جو غسل کا تذکرہ کیا ہے وہ اس کی ذاتی عناد وعصبیت کا نتیجہ ہے۔ ابن کثیر کے متعلق معلوم کرلینا چاہیئے کہ یہ کون ہے، یہ اموی پرست مورخ مشہور دشمن اہلبیت تقی الدین بن تیمیہ کا شاگرد ہے۔ (ابجد العلوم نواب صدیق حسن خاں) وہ ابن تیمیہ جو یزید کو خلیفہ برحق اور امام کو باغی سمجھتا ہے جس نے یزید اور بنی اُمیّہ کی حمایت میں متعدد رسائل لکھے جس نے اپنی کتاب وصیت کبریٰ میں یزید کو اولیاء اللہ اور اکابر صحابہ میں شمار کیا، ابن تیمیہ وہ ہے جس کا ترانہ یہ ہے۔

"فلیشهد الثقلان انی ناصبی" (دونوں جہان گواہ رہیں کہ میں ناصبی ہوں)

(سعی مشکور مولانا عبدالحی فرنگی محلی ص۳۰۵)

ابن کثیر اسی ابن تیمیہ کا نہ صرف شاگرد بلکہ ہم عقیدہ ہے، جیسا کہ شمس الدین الداؤدی المالکی اپنی کتاب طبقات المفسرین میں لکھتے ہیں۔

وکانت له خصوصیة بالشیخ تقی الدین بن تیمیه ومناضلة عنه

ابن کثیر کو ابن تیمیہ سے خاص خصوصیت حاصل ہے اور بہت سے عقاید ورجحانات میں ابن تیمیہ کی تقلید

وابتاع له فی کثیرۃ من ارائہ ۔ کی ہے ۔

(ماخوذ از عبقات الانوار جلد اول حدیث ثقلین صفہ ۳۵)

ظاہر ہے کہ ایسے معاند و مخالف کی تحریر کو کون قبول کرسکتا ہے ، بلکہ وہ حسینؑ مظلوم کی تشنگی کے متعلق یہ لکھتا ہے ۔

وقد اشتد عطش الحسین فحاول ان یصل الی ان یشرب من ماء الفرات فماقدر بل مانعوہ عنہ "

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفہ ۱۸۷ طبع مصر)

امام حسینؑ پر جب تشنگی کا غلبہ ہوا تو اس خیال سے کہ کہیں حضرت دریائے فرات کا قصد کرکے پانی تک نہ پہونچ جائیں اسلئے فوج حائل ہوگئی اور حضرت دریا تک نہ پہونچ سکے ۔

یہی نہیں بلکہ اس شامی مورخ نے اس کا اقرار کیا ہے کہ حضرت پیاسے شہید کئے گئے ۔ چنانچہ شیعوں کے طریقہ عزا کا ذکر کرتے ہوئے جو آل بویہ کے زمانہ میں رائج تھے لکھتا ہے

وکثیرٌ منھم لایشرب الماء لیلئذ موافقہ الحسین لانہ قتل عطشاناً "

(البدایہ والنہایہ جلد ۸ صفہ ۲۰۲)

اور بہت سے شیعہ ایسے ہیں جو عشرہ محرم میں پانی کی لذت سے آشنا نہیں ہوتے امام حسینؑ کی موافقت کرتے ہوئے اسلئے کہ حضرت پیاسے شہید کئے گئے ۔

غرضکہ مورخین و محققین نے اس کی تشریح کی ہے کہ حضرت کو پانی سے روکا گیا اور پیاسے شہید کئے گئے ۔ مورخ یعقوبی ابن واضح الکاتب العباسی المتوفی ۲۸۴ھ نے صاف لکھا ہے کہ ۔

فمنعوہ الماء وحالوا بینہ وبین الفرات

(تاریخ یعقوبی جلد دوم صفہ ۲۸۹ مطبوعہ جرمن)

حضرت کو پانی سے روکدیا گیا اور اشقیا خیام اہلبیتؑ و دریا کے درمیان حائل ہو گئے ۔

علامہ ابن حجر مکی صواعق محرقہ میں صاف لکھتے ہیں کہ ۔

"انھم حالوا بینہ وبین الماء لم یقدروا" ومنعوہ واصحابہ الماء ثلاثاً "

(صواعق محرقہ صفہ ۱۱۸ طبع مصر)

یزیدی افواج حضرتؑ کے اور پانی کے درمیان حائل ہوگئیں ، اور آپ پر اور آپ کے اصحاب پر تین دن پانی بند کر دیا گیا ۔

شیخ الاسلام قسطنطنیہ شیخ سلیمان البلخی القندوزی لکھتے ہیں

ومنعوہ واصحابہ الماء ثلاثۃ ایام (ینابیع المودۃ صفہ ۳۳۸) حضرتؑ و اصحاب امام پر تین دن تک پانی بند کردیا ۔

(طبع قسطنطنیہ)

علامہ ابن شہر آشوب مازندرانی لکھتے ہیں۔

وحالوا بینه وبین الماء ثلاثة ایام الی ان قتل۔ (مناقب جلد ۴ ص ۹۲)

اشقیا نے تین دن پانی بند کر دیا۔ یہاں تک کہ حضرت شہید ہو گئے۔

شہاب الدین احمد بن عبد القادر حفظی شافعی لکھتے ہیں۔

حالوا بینه وبین الماء لم یقدروا علیه اذ هو الشجاع القرم الذی لا یزول ولا یحول ولما منعوا الماء ثلاثة ایام وهم یقولون انظر الیه کانه کبد السماء لا تذوق منه قطرة وکلما دعا لشربه رموه اسهامہ حتی اصابا حنکه وانتهی القتل باهله فانهم لم یزالو یقتلوا واحداً بعد واحد حتی قتلوا"

(ذخیرۃ المال شہاب الدین احمد بن عبد القادر حفظی قلمی ورق ۱۳۴ نزد حقیر)

اشقیا پانی کے درمیان حائل ہو گئے اور پانی حضرت پر بند کر دیا گیا لیکن حضرت کی شجاعت و بہادری تھی کہ اس پر بھی آپ کے پائے استقامت میں جنبش نہ ہوئی اور ان لوگوں نے تین دن تک پانی بند رکھا اور یہ کہتے تھے کہ یہ پانی چمک رہا ہے لیکن ایک قطرہ بھی نہ ملیگا، جب آپ پانی طلب کرتے تھے تو حضرت کا جواب تیروں سے دیتے تھے اور اسی حالت میں آپ کے تمام اصحاب یکے بعد دیگرے قتل ہو گئے (اور پانی نہ ملا)

ابو اسحق اسفرائنی نے حضرت علی اصغرؑ کی شہادت کے ضمن میں تحریر کیا ہے کہ جب شیر خوار کو جناب زینبؑ نے حسینؑ مظلوم کی گود میں دیا تھا تو یہ فرمایا تھا۔

هذا ولدك منذ ثلاثة ایام لم یذق الماء۔ (نور العین ص ۳۹)

تین دن ہوئے کہ آپ کے بچے نے پانی نہیں چکھا۔

تاریخ قمقام زخار میں ہے۔

"امام را در آخر رمق شدت عطش چناں بود کہ زبان مبارک در دہان چوں چوب خشک بود و آسمان بساں دودے در نظر ہمایونش ہمی نمود، و خود سہ روز بود کہ قطرہ آب بکام امام نرسیدہ بود چنانکہ در صواعق میگوید ومنعوه الماء ثلاثا"

آخر وقت امام علیہ السلام پر تشنگی اس قدر غالب تھی کہ زبان مبارک مثل چوب خشک کے ہو گئی

تھی اور آسمان مثل دھوئیں کے معلوم ہو رہا تھا ، تین روز ہو گئے تھے کہ ایک قطرہ پانی کا دہن مبارک تک نہیں

پہونچ سکا تھا جیسا کہ صواعق میں ابن حجر نے لکھا ہے کہ تین دن تک پانی بند رہا "

(قمقام زخار صد ۲۹۳ طبع ایران)

فوج اشقیا کے مظالم اور اپنی انتہائی عطش و تشنگی کے اعلان کیلئے حسین مظلوم نے ایسے وقت پر بھی جبکہ تمام اصحاب و انصار و اعزا و اقربا شہید ہو چکے تھے آپنے بار بار پانی کا سوال کیا نہ صرف سوال ہی بلکہ پانی پر قبضہ پانے کے بعد اپنے عمل سے انتہائے عطش اور سیرابی کی خواہش کو ظاہر فرمایا تاکہ دشمن یہ نہ کہہ سکیں کہ حسین پیاسے نہ تھے حسین آخری وقت میں اگر پانی طلب کر رہے تھے یا ایک مرتبہ آخری وقت دریا پر قبضہ کر کے چلو میں پانی بھرا تو یہ ظاہر کرنا مقصود تھا کہ ہم اس وقت پانی کے کسقدر محتاج ہیں اور کن کن مظالم کو روا رکھکر پانی پینے سے ہم کو روکا جاتا ہے۔

ان واقعات و حالات کا تذکرہ جن سے حسین کی انتہائی تشنگی و خواہش آب اور ساتھ ہی ساتھ یزیدی فوج کی شقاوت کا پتہ چلتا ہے ، مندرجہ ذیل تاریخ کی کتابوں میں پڑھا جاسکتا ہے۔

اخبار الطوال ابو حنیفہ دینوری صد ۲۵۵ طبع مصر ، تاریخ یعقوبی ابن واضح جلد دوم صد ۲۸۹ طبع جرمن ، تاریخ طبری جزء ثانی از جملہ ثانی صد ۳۶۱ طبع جرمن ، تاریخ کامل ابن اثیر جلد ۴ صد ۳۴ طبع مصر ، تاریخ ابو الفدا جلد اول صد ۲۰۱ طبع مصر ، تاریخ ابن الوردی جلد اول صد ۱۷۳ طبع مصر ، تہذیب تاریخ الکبیر ابن عساکر شافعی جلد ۴ صد ۳۳۸ طبع مصر ، البدایہ والنھایہ ابن کثیر دمشقی جلد ۸ صد ۱۸۷ طبع مصر ، روضۃ الصفا جلد سوم صفحہ ۵۸ ، ۵۹ طبع نولکشور۔

اہلبیت کیلئے قحط آب کا ہونا اور امام علیہ السلام کا تین دن کا پیاسا شہید ہونا تمام مورخین کے نزدیک ثابت ہے۔ جس کا تذکرہ ہر ایک نے کیا ہے۔

ہاں " ذھبی " کا سا متعصب عنید اور حامی یزید نے ضرور اپنی تاریخ الاسلام میں یزیدیوں کے مظالم اور حسین پر قحط آب ہونے کا تذکرہ نہیں کیا ہے ، جس پر صاحب منتخب تاریخ الاسلام نے ان الفاظ کے ساتھ اپنی حیرت کو ظاہر کیا ہے۔

العجب کل العجب من الذھبی حیث   تعجب اور انتہائی تعجب ہے ذھبی سے کہ حالات

[illegible]

والشائع حتی لم یذکر منع الحسین اھل
بیت النبی واصحاب الحسین من الماء
حتی قتلوا عطشاً وھذا الامر اشھر
المنقولات بل یکاد یکون متواتر"

جور کو چھپایا ہے، یہاں تک کہ امام حسینؑ و اہلبیت حسینؑ اصحاب حسینؑ پانی
کو روک دیے جانے کا بھی تذکرہ نہیں کیا ہے حالانکہ یہ حضرات پیاسے
ہی قتل کیے گئے ہیں اور یہ امر تاریخ میں بہت زیادہ مشہور ہے بلکہ
متواتر ہے کہ ان حضرات پر ایسا قحط آب تھا کہ پیاسے ہی شہید ہوئے۔

(منتخب تاریخ الاسلام ذھبی قلمی نمبر ۲۷۳، کتابخانہ ناصر الملت طاب ثراہ)

اور مجھے تو ذھبی سے زیادہ تعجب ہے اُن لوگوں پر جو در پردہ اموییت کی حمایت میں حسینؑ مظلوم کیلئے قحط آب کا ہونا
نہیں تسلیم کر رہے ہیں اور اس طرح لوگوں کو نور سے ظلمت کی طرف کھینچے لیے جا رہے ہیں۔ اور اگر کوئی اس تاریکی سے باہر
آنا چاہتا ہے تو اس کے لئے مشعل غول بیابانی کو شمع حقیقت کی شکل میں پیش کرتے ہیں۔

عمومی کتب تاریخ کے بعد ہمارے سامنے ایسی کتب تاریخ بھی ہیں، جن میں صرف واقعہ کربلا کا تذکرہ
کیا گیا ہے اور جن میں حالات کربلا کو بہ نسبت عمومی کتب تاریخ کے زیادہ بسط و شرح کے ساتھ بیان کیا
گیا ہے۔ یہ کتابیں "مقاتل" کے نام سے یاد کی جاتی ہیں۔

کتب مقاتل میں سب سے قدیمترین متداول مقتل ابو مخنف کا ہے جو عام طور سے پایا جاتا ہے اس سے اہلبیت حسینؑ اور
خود حسینؑ کی تشنگی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اس مقتل سے چند مقامات کو پیش کرتا ہوں ملاحظہ ہوں۔

۱۔ جناب قاسمؑ کی شکایت تشنگی

فرجع الی عمہ وھو ینادی العطش العطش فاعطاہ خاتمہ
قاسم چچا کے پاس پلٹ کر آئے اور چلا رہے تھے العطش العطش حضرت نے

وقال ضعہ فی فمک ومصہ"
دیکھکر اپنی ایک انگوٹھی عطا فرمائی اور فرمایا منہ میں رکھکر چوسو"

۲۔ برادر قاسمؑ احمد بن حسنؑ کی تشنگی

وقد یبست شفتاہ وغارت عیناہ من شدۃ الظماء
اس شہزادے کے ہونٹ خشک ہو گئے تھے اور آنکھیں شدت تشنگی سے دھنس گئی

فنادی یا عماہ ھل شربۃ ماء اتقوی بھا علی اعداء
تھیں اور چلا کر یہ کہہ رہے تھے کہ چچا کیا پانی کا ایک گھونٹ مل سکتا ہے

اللہ واعداء رسولہ فقال الحسین یا بنی اصبر
تاکہ قوت بحال ہو اور دشمنوں سے لڑوں امام حسینؑ نے فرمایا بیٹا تھوڑا

قلیلاً حتی تلقی جدک فیسقیک شربۃ لا تظما بعدھا
صبر کرو ابھی تم اپنے جد سے ملاقات کرو گے وہ حضرت تمکو ایسا سیراب

ابداً"
کریں گے کہ پھر کبھی پیاس نہ لگے گی۔

۳۔ علی اکبرؑ کی تشنگی

ثم جعل ... علی ... اور فرمایا بابا پیاسا ہوں یہ سنکر امام نے

الحسین واکر بابہ لکو بلث یابنی اصبر قلیلاً فتروی حوض جدك امیر المومنین"

فریاد کی اور فرمایا بیٹا تمھاری مصیبت و تکلیف پر افسوس ہے کچھ صبر کرو تھوڑی دیر کے بعد اپنے جد امیر المومنین کے حوض سے سیراب ہوگے

۴۔ علی اصغرؑ کی تشنگی

ثم انه علیه السلام اقبل علی زینب قال لها یا اختاه اوصیك بولدی فاطمة وبعبد الله خاصة فقالت یا اخی استلقی علی الارض من شدة الظماء وهو طفل صغیر لا یصل علی الظماء فدعا باخیه العباس وقال له یا اخی لم یبق معی غیرك وکنت ارجوان یبقی بعدی لهذه النسوة فابی الدهر الا قتلك والآن اقصد الفرات و اءتنی بقلیل من الماء لهذا الطفل لانه لا یحمل الظما فخرج العباس الرکوة فی یده وقصد الفرات و فاحتوشه القوم فغاص فی اوساطهم وقتل منهم مقتلة عظیمة فانخلوا من بین یدیه فاتی المشرعة وملاء الرکوة واراد ان یشرب قطرة من الماء من یده وقال والله لا شربت و اخی الحسین ظمآن ثم انه رکب لمشرعه وهمز جواده نحو اخیه الحسین۔

اسکے بعد حضرت اپنی بہن زینب کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا بہن میں اپنی اولاد خصوصاً عبد اللہ شیر خوار کے متعلق تم سے وصیت کرتا ہوں۔ زینب نے فرمایا بھیا اس بچے نے تو پیاس کی تاب نہ لا کر زمین پر گرا دیا ہے یہ سنکر حضرت عباس کو بلا کر فرمایا بھیا اب تمھارے سوا کوئی نہیں ہے اور میں تو یہ چاہتا تھا کہ تم میرے بعد بھی زندہ رہتے اور ان عورتوں کے نگراں رہتے لیکن زمانہ ایسا نہیں چاہتا کہ تم زندہ رہو، دریا کی طرف جاکر اس پیاسے بچے کیلئے تھوڑا سا پانی لاؤ۔

عباس ایک مشکیزہ لیکر فرات کی طرف گئے دشمنوں نے گھیر لیا لیکن آپ اُن میں درآئے اور بہت سے لوگوں کو قتل کیا دریا پر پہونچکر مشک کو بھر لیا اور ارادہ کیا کہ ایک قطرہ خود بھی پی لیں لیکن حسینؑ کی پیاس کو یاد کرکے چلو سے پانی پھینکدیا اور دریا سے نکل آئے اسکے بعد گھوڑے کو ایڑ لگا کر خیمہ کا قصد فرمایا (اسکے بعد جنگ کا ہونا، پانی کا بہ جانا اور حضرت کا شہید ہو جانا مذکور ہے)

وقال لاخته زینب علی بهذا الطفل فانی اراه یموت عطشانا فقالت له زینب کیف وهو منذ ثلثة ایام لم یذق الماء" ثم انه قصد القوم والطفل علی یده فنادی برفیع صوته وقال یا

جب اعزا و اصحاب میں کوئی باقی نہ بچا تو حضرت خیمہ میں تشریف لائے اور فرمایا اس طفل شیر خوار کو مجھے دیجیے اسلئے کہ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ پیاس سے مر رہا ہے جناب زینب نے فرمایا ایسا کیوں نہ ہو تین دن ہوئے کہ پانی کا ایک قطرہ

نہیں چکھا ہے

قوم قد قتلتم بنی ابی و ولدی و شیعتی وانصاری وترکتمونی وحیداً ظمانا بین اظهرکم ولم یبق الا هذا الطفل و هو عطشان من ثلثة ایام فاسقوه جرعة من الماء فبینما هو یخاطبهم اذ رماه ملعون بسهم مسموم فوقع فی حلق الطفل فذبحه

اسکے بعد بچے کو ہاتھوں پر لیکر میدان میں آئے اور بلند آواز سے فرمایا۔ اے قوم تم نے میرے بھائیوں، بیٹوں، اور انصار و شیعوں کو میرے سامنے قتل کر دیا اور اب میں تن تنہا پیاسا رہ گیا ہوں اس بچے کے سوا اور کوئی نہیں ہے اور تین دن سے یہ پیاسا ہے۔ ایک گھونٹ پانی اسکو پلا دو۔ حضرت ابھی یہ کلام فرما ہی رہے تھے کہ ایک ملعون نے زہر کے بجھے ہوئے تیر کو روانہ کیا جو بچے کے حلق پر لگا اور وہ تڑپ کر مر گیا۔

۵۔ خود امام کی پیاس

ثم انه حمل علیهم وقاتلهم قتالاً شدیداً حتیٰ ضعف والجم عن قتالهم من شدة العطش و کثرت الجراحات وقیل انه اقبل علی القوم وقال انی مخیرکم فی ثلاث خصال فقالو وماهی فقال اما الاول دعونی ارجع الی حرم جدی رسول الله فقالو لیس الی ذالک من سبیل فقال اسقونی شربة من الماء فان کبدی قد نشفت من الظماء فقالوا لیس الی ذلک سبیل۔

حضرت نے حملہ کیا اور بہت سخت جنگ کی کہ آپ پر ضعف طاری ہوا اور شدت تشنگی و کثرت جراحت سے آپ میں لڑنے کی تاب نہ رہی، آپنے فرمایا میں تمکو تین باتوں میں سے ایک بات کا اختیار دیتا ہوں کہ قبول کر لو۔ پوچھا وہ کیا ہیں فرمایا اول یہ کہ ہم کو نانا کے مزار پر جانے دو کہا یہ نہیں ہو سکتا، فرمایا کہ اچھا ایک گھونٹ پانی ہی پلا دو اسلئے کہ کلیجہ پھنکا جا رہا ہے، جواب دیا کہ یہ بھی نہیں ہو سکتا۔

۶۔ آخری وقت

وبصیح باعلا صوته وا محمداه وا علیاه واعطشاه اقتل عطشانا غریبا وحیدا بغیر جرم۔

حضرت نے بلند آواز سے فرمایا کہ وا محمدا وا علیا! میں پیاسا ہوں اور بے جرم و خطا مسافرت میں پیاسا قتل کیا جا رہا ہوں۔

جناب سید ابن طاؤس علیہ الرحمۃ اپنے "مقتل لہوف علی قتلی الطفوف" میں فرماتے ہیں

کہ ساتویں تاریخ محرم کی وہ ہے کہ

فضیقوا علی الحسین حتی نال منہ العطش ومن اصحابہ۔ (لہوف صفحہ ۱۰۲ طبع ایران)

حسینؑ اور اُن کے اصحاب پر اس حد تک سختی کی گئی کہ شدتِ تشنگی میں مبتلا ہو گئے۔

حضرت علی اکبرؑ کے شہادت کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ۔

ثم رجع الی ابیہ وقال یا ابۃ العطش قد قتلنی وثقل الحدید قد اجھدنی فھل الی شربۃ من الماء سبیل فبکی الحسین وقال واغوثاہ یا بنی من این اتی لک بالماء قاتل قلیلا فما اسرع ما تلقی جدک محمدؐ فیسقیک بکاسہ الاوفی شربۃ لا تظماء بعدھا ابدا فرجع (لہوف صفحہ ۱۰۳)

علی اکبر میدان سے لڑ کر باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور فرمایا بابا پیاس مارے ڈالتی ہے اور لوہے (مراد اسلحہ) کا بوجھ پسپت کئے دیتا ہے کیا پانی کے ایک گھونٹ کی کوئی سبیل ہے یہ سنکر حسینؑ نے گریہ فرمایا اور فرمایا کہ افسوس ہے اے فرزند میں پانی کہاں سے لاؤں۔ ٹھہرو تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد تمھارے جد محمد مصطفےٰ صلعم تم کو سیراب کردینگے جس سے پھر پیاسے نہ ہوگے۔

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ جب حسینؑ پر تشنگی نے غلبہ کیا تو آپ نے اور جناب عباس نے باہم ملکر حملہ فرمایا (لہوف صفحہ ۱۰۴)

جب سب شہید ہو چکے تو حضرت کی یہ حالت تھی کہ :-

فجعل یحمل علیھم ویحملون علیہ وھو فی ذالک یطلب شربۃ من ماء فلا یجد حتی اصابہ اثنان وسبعون جراحۃ (لہوف صفحہ ۱۰۵)

حضرت فوج اشقیاء پر حملہ فرما رہے تھے اور اشقیا چاروں طرف سے گھیر کر حضرت پر حملہ کرتے تھے اور اسوقت حضرت ان سے پانی طلب کر رہے تھے جو نہیں مل رہا تھا یہاں تک کہ حضرت پر ۷۲ زخم لگے

اب آخر میں ایسے کتب مقاتل کا حوالہ دیتا ہوں جو مؤلف شہید انسانیت کے اجداد کی تالیف ہیں۔ پہلا مقتل "اثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان" ہے جس کو جناب غفران مآب مولانا دلدار علی صاحب مجتہد نصیر آبادی رأس رئیس خاندان اجتہاد لکھنؤ

نے تالیف فرمایا ہے مقتل کے نام ہی سے ظاہر ہوتا ہے کہ جناب غفران مآب کربلا کے پیاسوں پر اظہار غم والم فرما رہے ہیں، اس مقتل کے تین نسخوں کا مجھ کو علم ہے ایک نسخہ جناب سید تقی صاحب مغفور کے کتاب خانہ میں ہے جس کا نمبر $\frac{۹۹}{۲۲۴}$ ہے اس وقت یہ نسخہ میرے پیش نظر ہے اور دو نسخے جناب ناصر الملۃ طاب ثراہ کے کتاب خانہ میں جن میں سے ایک نسخہ غیر مکمل ہے یہ نسخہ بھی میرے سامنے ہے، کیونکہ مکمل نسخہ اس وقت مؤلف شہید انسانیتؔ کے پاس ہے، اس محل پر یہ امر خصوصیت سے قابل ذکر ہے کہ اللہ رے جناب ناصر الملۃ رحمۃ اللہ علیہ کی دور بینی کہ آپ اس چیز کو ملاحظہ فرما رہے تھے کہ "یادگار حسینی" کے نام سے کیا ہونے والا ہے کلام معصوم میں ہے کہ "المؤمن ینظر بنور اللہ" مومن نور خدا کی روشنی میں سب کچھ دیکھ لیتا ہے۔ گویا مرحوم کے پیش نظر یہ بات تھی کہ ۱۳۶۴ھ (جس میں یزید کی موت کو پورے تیرہ سو برس ہونگے) میں حسینؑ مظلوم کی تشنگی کو معرض بحث میں لایا جاوے گا۔ مومنین کو اس شک میں مبتلا کیا جاویگا کہ کربلا میں قحط آب نہ تھا اور نہ حسینؑ پیاسے تھے۔ اس لئے آپ نے ناظم یادگار حسینی کو یہ حکم دیا تھا کہ جناب غفران مآب کی اس کتاب کو "انجمن یادگار" کی جانب سے شایع کر دیا جاوے جسمیں حسین مظلوم کی تشنگی اور اہل بیت پر قحط آب کا اثبات کیا گیا ہے۔ نہ صرف یہی بلکہ جناب مغفور نے اپنے کتب خانہ سے اس قلمی کتاب کو شائع کرنے کیلئے ناظم یادگار کو عاریۃً عنایت فرما دیا اور اسکے ساتھ پانچسو روپے بھی طباعت کیلئے عطا فرمائے! مگر افسوس کہ آج تک وہ کتاب شایع نہ کی گئی یہ واقعہ ہے جس کا اقرار خوش قسمتی سے ناظم یادگار نے بھی نہ معلوم کیونکر کر لیا ہے کیا کہنا ہے مومن کی فراست کا کہ وہ اپنے مرنے کے بعد کے واقعات پر بھی روشنی ڈال دیتا ہے، آج وہ زمانہ آگیا اور حسینؑ مظلوم کی تشنگی و قحط آب سے انکار کیا جا رہا ہے۔

ملاحظہ ہو جناب غفرانمآب طاب ثراہ تشنگی و قحط آب کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں۔

وھو جائع عطشانا یطلب شربة من ماء فیجیبونه بالنبال والرماح والسیوف

اور حضرت بھوکے پیاسے تھے آپ پانی کا ایک گھونٹ طلب فرماتے تھے اور اشقیا تیروں و نیزوں

ولاسنه وھو مع ذالك يستغيث فلا يغاث ويستعين فلا يعان ويدعوالی الحق فلا يجاب وھو مع بنانه واخواته وابنائه واخوانه فی غاية والخوف من الاعداء الشامتين وھم فی شدة العطش علی الرمضاء وفی حر الشمس ينادون العطش العطش وليس ھناك من يسقيهم جرعة من الماء والفرات سائل بين ايديھم فلا شك فی انه حينئذٍ قد كان يتصدع قلب النبی صلعم فی تلك الحال۔ (اثارة الاحزان علی قتيل العطشان قلمی صفحہ ۳۰ نمبر ۶ کتابخانہ ناصر الملۃ طاب ثراہ) (و نسخہ خطی کتب خانہ سید تقی مرحوم نمبر ۵۹/۴۲۲)

تلواروں اور بھالوں سے جواب دیتے تھے آپ کا فریاد رس و مددگار کوئی نہ تھا، حق کی طرف آپ بُلاتے تھے اور کوئی جواب نہ دیتا تھا، حالت یہ تھی کہ حضرت مع اپنی بیٹیوں، بہنوں، بھائیوں اور بیٹوں کے دشمنوں کے نرغہ میں انتہائی اضطراب و خوف میں تھے، حالت یہ تھی کہ یہ سب حضرات تڑاتے کی دھوپ میں جلتی ہوئی ریت پر انتہائی تشنگی کے عالم میں تھے اور العطش العطش کی صدائیں بلند کر رہے تھے اور وہاں کوئی ایسا نہ تھا جو ان حضرات کو سیراب کرتا حالانکہ سامنے دریائے فرات بہہ رہا تھا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت قلب پیغمبر صلعم ٹکڑے ٹکڑے ہو رہا ہوگا۔

دوسرے مقام پر پھر تحریر فرماتے ہیں:۔

امام مظلوم اشقیاء سے اتمام حجت کر کے پانی طلب کرتے ہیں جس کا جواب یہ دیا جاتا ہے۔

قالوا قد علمنا ذالك كله ونحن غير تاركيك حتی يذوق الموت عطشاً (صفحہ ۳۴)

ہم آپ کی سب فضیلت جانتے ہیں مگر اسکے باوجود بھی ہم نہ چھوڑیں گے اور پیاسا ہی مار ڈالیں گے۔

اس کے بعد ارشاد ہوتا ہے۔

انه لما احاط به جموع ابن زياد قتلوا من قتلوا من اصحابه ومنعوهم الماء۔ (صفحہ ۴۹)

جب ابن زیاد کے لشکر نے گھیر لیا اور اصحاب کو قتل کیا درانحالیکہ پانی ان سب پر بند کر دیا گیا تھا،

حضرت علی اکبر کے تذکرہ میں ارشاد ہوتا ہے:۔

انه قتل علی عطشه مائة وعشرون رجلاً ثم رجع الی ابيه وقد اصابه جراحات كثيرة ...

باوجود تشنگی کے حضرت نے ایکسو بیس اشقیاء کو قتل کیا اسکے بعد خون ... فرمایا

نقل الحدیث اجهد فی قتال الی شربة من ماء
سبیل القوی بها علی الاعداء فبکی الحسین
علیه السلام ۔ اسکے بعد یہ مذکور ہے کہ حضرت نے
اپنی خشک زبان حضرت علی اکبر کے دہن میں (صفحہ ۵۱)

اے بابا پیاس مارے ڈالتی ہے اور لوہے کا بوجھ
پست کئے دیتا ہے۔ کیا ایک گھونٹ پانی مل سکتا
ہے تاکہ قوت لڑنے کی واپس آوے یہ سنکر حسین رو دیے
اور اپنی زبان اکبر کے دہن میں دے دی۔

پھر صفحہ ۷۱ پر تحریر فرمایا ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو اغنام کی زبانی یہ خبر دی گئی کہ۔

ان ولدک الحسین علیه السلام سبط محمد
یقتل بها عطشاناً فنحن لانشرب من هذه
المشرعة حزناً علیه۔

ان بے زبان جانوروں نے بقدرت خدا کہا کہ آپ کا
فرزند حسین پیغمبر آخر الزمان کا نواسہ یہاں پیاسا قتل
کیا جاوے گا اسلیے اس صدمہ سے اس گھاٹ پر نہیں پیتے

صفحہ ۷۲ پر حضرت آدم علیہ السلام کے لئے تحریر فرمایا ہے کہ جب جبرئیل نے امام حسین کا نام لیا تو
حضرت آدمؑ کے آنسو جاری ہو گئے اس پر حضرت آدمؑ نے پوچھا کہ یہ کیا سبب ہے کہ پانچواں نام
جب تم نے لیا تو میں بے اختیار ہو کر رونے لگا۔ جبرئیل نے بتلایا۔

ولدک هذا یصاب بمصیبة یصغر عندها
المصائب فقال یا اخی وما هی قال یقتل
عطشاناً غریباً وحیداً فریداً لیس له ناصر
ولا معین ولو تراه یا آدم وهو یقول واعطشاه
واقلة ناصراه حتی یحول العطش بینه وبین
السماء کالدخان ولم یجبه احد الا بالسیوف

یہ فرزند آپ کا ایسی مصیبت میں مبتلا ہو گا جس
کے مقابلہ میں تمام مصیبتیں پست ہونگی پوچھا جبرئیل
وہ کونسی مصیبت ہوگی کہا مسافرت میں بیکس وتنہا
پیاسا قتل کیا جاوے گا نہ کوئی ناصر ہوگا نہ مددگار
اے آدم اگر تم ان کو دیکھو تو کیا حال ہو جبکہ وہ مظلوم یہ
فریاد کر رہا ہو۔ ہائے میں پیاسا ہوں اور کوئی مدد
کرنے والا نہیں ہے حالت اس مظلوم کی یہ ہو گی کہ پیاس کی وجہ سے آسمان تک دھواں ہی دھواں معلوم
معلوم ہو گا۔ کوئی جواب نہ دے گا سوائے اس کے کہ دشمن تلوار سے حملہ کریں گے۔

جناب غفران مآب نے روایت امالی کی حقیقت کو بھی ظاہر فرما دیا ہے
جس سے وجود آب اور غسل کو ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے، اس
روایت غیر معتبر کے لئے بھی یہ صاف ارشاد فرما دیا ہے کہ اس روایت
کی اسند صحت سے دور ہے۔

اصل الفاظ ملاحظہ ہوں جناب غفران مآب تحریر فرماتے ہیں کہ:-

الباب الثانی فی ذکر مقتل الامام الثالث المظلوم المقتول بطف کربلا الحسین بن علی علیہما السلام معین الشہداء وقد جعلنا الاصل فی نقل ذالک ما روی ابن بابویہ فی الامالی فانہ رحمۃ اللہ علیہ روی ذالک مسندا الی ابی عبد اللہ جعفر بن محمد صادق علیہما السلام وان کان السند بمعزل عن الصحۃ علی اصطلاح المتأخرین ثم حیث عثرت علی زیادۃ علی ہذہ الروایۃ من ارشاد الشیخ المفید والملہوف علی قتلی الطفوف واعلام الوری لمولینا الطبرسی وکتاب مطالب السئول لکمال الدین بن طلحۃ الشافعی فانہ وان کان شافعی المذہب لکن کان من الاجلاء والمعتمدین من علماء عصرہ کما یظہر من کتاب کشف الغمہ لعلی بن عیسی الاربلی۔

تیسرا باب واقعات شہادت امام سوم شہید مظلوم حضرت حسین علیہ السلام کے ذکر میں اور ہم نے ان واقعات کی نقل میں اصل امالی کی روایت کو رکھا ہے جو ابن بابویہ علیہ الرحمۃ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے اگرچہ متاخرین کے نزدیک اس روایت کی سند صحت سے دور ہے۔ پھر میں نے ارشاد شیخ مفید، لہوف سید ابن طاؤس و اعلام الوری طبرسی اور مطالب السئول کمال الدین شافعی کے روایات پر مطلع ہو کر مزید روایات کا اضافہ کیا ہے، کمال الدین اگرچہ شافعی مذہب ہے مگر قابل اعتماد اور جلیل القدر ہے جیسا کہ کشف الغمہ اربلی سے ظاہر ہوتا ہے۔

مؤلف کتاب شہید انسانیت اپنے پیش نظر نسخے میں جو کتاب خانہ ناصر الملۃ کی ملکیت ہے ملاحظہ فرمالیں کہ حسین مظلوم و شہدائے کربلا کی تشنگی کا اظہار جگہ جگہ پر کیا گیا ہے، مومنین کیلئے اسی قدر کافی ہے جو میں نقل کر چکا ہوں۔

دوسری کتاب مقتل جناب سید العلماء سید حسین علیین مکان کی تالیف ہے جو مجالس مفجعہ کے نام سے مشہور ہے اسکا مطبوعہ نسخہ میرے سامنے ہے، صفحہ ۳ پر خطبہ ہی میں موجود ہے کہ:-

سیما سید الشہداء خامس آل العبا ...... المذبوح علی السغب والظماء ...... الشہید فی عرصۃ کربلا مع ولدہ وبنیہ بنی الزہراء وعشیرۃ الاتقیا الممنوعین من الماء المباح فی ہواجر الظماء

خصوصاً سید الشہداء خامس آل عبا، جو بھوک اور پیاس میں ذبح کئے گئے ...... اپنی اولاد و اعزاء و اقارب کے ساتھ میدان کربلا میں شہید ہونے والے جو انتہائی گرمی کے عالم میں پانی سے روک گئے۔

صفحہ ۴ پر حسین مظلوم کی تشنگی پر فریاد و زاری فرماتے ہیں:-

علمائے شیعہ کو دو گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلا گروہ علامہ حلی سے پہلے کا ہے جو متقدمین کہلاتے ہیں دوسرا گروہ [illegible] جو متاخرین کہلاتا ہے یہ گروہ [illegible]

واعجباه الحسین بن علی یمنع من شربة ماء
واطفاله یضبحون من ظمأ والفرات سائل
وللبهائم نائل والهفاه علی افواههم الیابسة
من الظماء

ہائے مقام عجب ہے کہ حسینؑ ایک گھونٹ پانی
سے باز رکھے گئے اور ان کے بچے پیاسے تڑپا
کئے اور رواے فرات سامنے بہتا رہا اور چارپائے
پانی پیتے رہے۔ ہائے افسوس ہے ان لبوں پر
جو پیاس سے خشک ہو گئے تھے۔

اسکے بعد مقدمہ ثانیہ میں تحریر فرماتے ہیں، جس سے حسینؑ کی تشنگی پر روشنی پڑتی ہے کہ جب
آدم علیہ السلام کے سامنے جبرئیلؑ نے امام حسینؑ کا نام لیا تو وہ رونے لگے اور دریافت کیا کہ حسینؑ
کون ہیں۔ جبرئیل نے بتلایا۔

قال جبرئیل ولدك هذا یصاب بمصیبة
تصغر عندها المصائب فقال یا اخی جبرئیل
وما هی قال یقتل عطشانا وحیدا فریدا
لیس له ناصر ولا معین ولو تراه یا آدم
وهو یقول واعطشاه واقلة ناصراه
حتی یحول العطش بینه وبین السماء
کالدخان ولم یجبه احد الا بالسیوف
وشرب الحتوف فیذبح کذبح الشاة
من قفاه۔ (مجالس مفجعہ صفحہ ۲۵)

یہ فرزند آپ کا ایسی مصیبت میں مبتلا ہوگا جسکے مقابلے میں
تمام مصائب پست ہو جائیں گے دریافت کیا کہ اے جبرئیل وہ مصیبت
کیا ہوگی کہا مسافرت میں بیکس و تنہا پیاسا قتل کیا جاویگا
نہ کوئی ناصر ہوگا اور نہ مددگار اے آدم جب تم اس مظلوم
کو دیکھو تو کیا ہو جبکہ وہ فریاد کر رہا ہو ہائے میں پیاسا
ہوں کوئی میری مدد کرنے والا نہیں حالت اس مظلوم
کی یہ ہوگی کہ پیاس کیوجہ سے زمین سے آسمان تک دھواں ہی
دھواں معلوم ہوگا کوئی اسکو جواب نہ دیگا سوائے اسکے کہ دشمن تلوار سے
حملہ کرینگے اور پس گردن کیطرف شل بکری کے ذبح کیا جاویگا

جناب علیین مکان تحریر فرماتے ہیں کہ جناب زکریا کو شہادت حسینؑ اور ان کی تشنگی سے مطلع
کیا جاتا ہے جسکی حکایت قرآن نے حروف مقطعات میں کی ہے۔

فقال کهیعص فالکاف اسم کربلا والهاء
هلاك العترة الطاهرة والیاء یزید
وهو ظالم الحسین والعین عطشه والصاد

کہیعص کی تفسیر میں ہے کہ ک سے کربلا، ھا
سے ہلاکت خاندان رسالت، یا سے یزید حسینؑ پر
ظلم ڈھانے والا، عین سے عطش و تشنگی اور

صبورہ ، فلما سمع ذالک زکریا لم یفارق مسجدہ ثلثۃ ایام

صاد سے مراد صبر ہے۔ جب زکریا نے یہ سنا تو مسجد سے تین دن تک نہ نکلے روتے رہے۔

(مجالس سبعہ صفحہ ۲۶ و صفحہ ۲۲۰ یہ تفسیر قائم علیہ السلام سے مروی ہے)

پھر تحریر فرماتے ہیں کہ جناب اسمٰعیل کو بھی امام مظلوم کی تشنگی سے مطلع کیا گیا،

ان ولدک الحسین سبط محمد یقتل ھنا عطشانا" آپ کا فرزند حسین یہاں پر پیاسا شہید کیا جاویگا،

(صفحہ ۲۸)

جناب علیین مکان ارشاد فرماتے ہیں:۔

ومن کریم اخلاقہ ان اصحاب معاویۃ لما دنوا من الماء منعوہ واصحابہ حتی ضاق علیھم الامر ولما ان ظفر ھو وقبض علی الماء لم یکافھم بسوء فعالھم وخلی بینھم وبین الماء وکان من قساوۃ ھولاء انھم لما احاطوا بہ منعوہ من ماء الفرات وترکوہ واولادہ وافلاذ کبدہ وحریمہ عطاشا ینادون العطش ویستغیثون فلا یغیثھم مغیث ،، (صفحہ ۲۰۴)

اور امام مظلوم کے مکارم اخلاق سے یہ ہے کہ جب معاویہ نے فرات کو لشکر امیر المومنین کے لئے روک دیا اور وہ پیاس سے پریشان ہوئے تو حضرت امام حسین نے گھاٹ پر قبضہ فرما کر یہ نہیں کیا کہ اسکے بدلہ میں معاویہ والوں پر پانی بند کر دیتے بلکہ انکے لئے راستہ کھلا رہا۔ لیکن ان لوگوں کی یہ قساوت تھی کہ جب کربلا میں حضرت کو گھیر لیا تو آپ اور آپ کے اولاد جگر پاروں واہل حرم پر پانی بند کر دیا اور یہ سب لوگ پیاس سے العطش العطش کی فریاد کرتے رہے لیکن کسی نے کچھ نہ سنا ،

صفحہ ۲۰۷ پر بے آب وگیا چٹیل میدان میں امام کا محصور کئے جانے کا ذکر ہے ، صفحہ ۲۱۰ پر جناب حرکی وہ تقریر ہے جس میں اشقیاء سے احتجاج کیا ہے کہ یہودی وعیسائی ومجوسی اور کتے وسور تو پانی پئیں اور حسین واہلبیت کو ایک قطرہ نہ دیا جائے اور وہ پیاسے مرجاویں۔ صفحہ ۲۲۷ پر حضرت علی اکبر کا تشنگی کی شکایت کرنا اور امام کا یہ فرمانا کہ بیٹا پانی کہاں سے لاؤں ، اور پھر حضرت علی اکبر کا پیاسا شہید ہونے کا ذکر ہے۔ حضرت علی اصغر کی شہادت کے ذکر میں ہے کہ

وانا زینب اخرجت الصبی وقالت یا اخی

جناب زینب بچے کو لائیں اور یہ فرمایا کہ تین دن

هذا ولدك وله ثلثة ايام ماذاق الماء فاطلب له شربة ماء فاخذ الحسين وقال يا قوم قد قتلتم شيعتي واهلبيتي وقد بقي هذا الطفل بيدي عطشانا فاسقوه شربة من الماء فبينما هو يخاطبهم اذ رماه رجل منهم بسهم فذبحه فدعى عليهم بنحو ما صنع المختار،،

(مجالس مفجعہ صفحہ ۲۳۰)

ہو گئے ہیں کہ ایک قطرہ پانی اسکو نہیں ملا، اسکے لئے پانی طلب فرمایئے ، حسین بچے کو لیکر میدان میں آئے اور فرمانے لگے تم لوگوں نے میرے شیعوں اور اہلبیت کو قتل کر ڈالا، اب صرف یہ بچہ رہگیا ہے جو پیاسا ہے ذرا سا پانی اسکو پلادو، ابھی یہ فرما رہے تھے کہ ایک دشمن نے بچہ کو تیر کا نشانہ بنایا اور بچہ تڑپ کر رہگیا۔

مندرجہ بالا روایت کے متعلق جناب سید العلماء علیین مکان فرماتے ہیں ،، وهی اقرب للعقل لان الحال ماكان وقت توديع الصبي لاشتغالهم بالحرب والقتل،، یہی روایت قریب بعقل ہے کیونکہ وہ روایت جس میں بچہ کی رخصت کا ذکر ہے وہ اس بنا پر درست نہیں کہ یہ محل جنگ وجدال کا تھا نہ کہ اسطرح رخصت کرنیکا۔

صفحات ۲۴۲ تا ۲۴۳، ۲۴۵، ۲۴۸ پر حضرت کا شدت تشنگی سے بے چین ہوکر پانی طلب کرنا اور اشقیا کا انکار کرنا مذکور ہے۔ صفحہ ۲۵۵ پر مذکور ہے کہ ذبح ہوتے وقت حضرت نے پانی طلب فرمایا لیکن قاتل نے پانی نہ دیا،

صفحہ ۲۵۸ پر علیین مکان تحریر فرماتے ہیں کہ بعد شہادت جب اشقیا ونے غارت گری کی تو بروایت جناب فاطمہ بنت الحسین :-

واخي علي ابن الحسين مكبوب على وجهه لايطيق الجلوس من كثرة الجوع والعطش والاسقام فجعلنا نبكي عليه وهو يبكي علينا،،

بیمار کربلا امام زین العابدین علیہ السلام کی یہ حالت تھی کہ خاک پر پڑے ہوئے تھے شدت تشنگی اور بھوک و مرض کی وجہ سے بیٹھنے کی طاقت نہ تھی، ہم لوگ ان کے حال پر روتے تھے اور وہ ہماری تباہی و بربادی پر،،

صفحہ ۲۵۹ پر جناب زینب کا فریاد کرنا مذکور ہے، جس میں اپنے نانا رسول خدا اور بابا علی مرتضے کو مخاطب کرکے فریاد کی ہے، اسی نوحہ میں یہ فقرہ بھی ہے

[illegible] میرے باپ اس پیاسے پر جو پیاسا ہی قتل ہوا،

شیخ جعفر تستری خصائص حسینیہ میں لکھتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں "قتل ابن رسول اللہ جائعا قتل ابن رسول اللہ عطشانا" فرزند رسول بھوکے قتل کئے گئے ہائے فرزند رسول پیاسے ذبح کئے گئے۔ (خصائص حسینیہ صفحہ ۲۸ طبع ایران)

یتیم امام حسنؑ کے متعلق لکھتے ہیں "انہ یتیم حائر عطشان مکروب" یہ یتیم حیران، پیاسا اور مصیبت زدہ تھا (صفحہ ۳۱)۔

صفحہ ۳۳ پر امام کے دہن مبارک کے متعلق ہے "والشفتاہ یابستہ من الظماء" دہن مبارک پیاس کی وجہ سے خشک تھے۔

صفحہ ۳۴ پر ہے "عیالہ عطاشا" وقد صرعلم العطش بین میت ومحتضر" حضرت کے عیال پیاسے تھے اور پیاس نے ان سب کو حالت جانکنی میں مبتلا کر دیا تھا، صفحہ ۳۵ پر ہے،

"وکان بلغت شدۃ عطشہ الی اللوک لسانہ وکان یسعی فی السقی للعطاش حتی انہ اراد سقی ذات الجناح قبل ان یشرب ہو فھو العطشان الساقی" پیاس کی وجہ سے حضرت اپنی خشک زبان کو چبا رہے تھے اور آپ ہی ایسے پیاسے تھے کہ خود پیاسے رہ کر اپنے گھوڑے کو پانی پلانا چاہتے تھے"

صفحہ ۵۰ پر لکھتے ہیں کہ اس تشنگی کے عوض میں حضرت کو حوض کوثر ملا، اور یہ بھی لازمی ہوا کہ جب ٹھنڈا پانی آپ کے شیعہ پئیں تو آپ کی پیاس کو یاد کر لیں، اس لئے حضرت نے خود ہی یہ ارشاد کیا ہے ع

"شیعتی مان شربتم ماء عذب فاذکرونی" ۔ اے میرے شیعو جب تم ٹھنڈا پانی پینا تو میری تشنگی کو ضرور یاد کر لینا، اس کے بعد صفحہ ۵۱ پر ہے کہ ان اشقیا کو حضرت نے تین مرتبہ سیراب کیا تھا۔

ایک مرتبہ قحط سالی کے موقع پر کوفہ میں، دوسرے مقام صفین میں تیسرے حُر کے لشکر کو لیکن اسکے باوجود اشقیاء نے ان حقوق کا خیال نہ کیا اور حضرت اپنے شیر خوار بچے کیلئے ایک قطرہ پانی طلب کرتے رہے لیکن ظالموں نے نہ دیا۔ خود اپنے لئے بھی پانی طلب کرتے رہے اور نہ ملا، انتہائی تشنگی نے حضرت کے چار اعضاء کو خصوصیت سے متاثر کیا تھا، وہ اعضاء یہ ہیں، ہونٹ، جگر، زبان اور آنکھ، حضرت خود فرماتے ہیں کہ ظالمو! ایک قطرہ پانی کا پلادو اسلئے کہ جگر پیاس کی گرمی سے پھنک گیا ہے اور خشک زبان انتہائی تشنگی میں چبانیکی وجہ سے زخمی ہوگئی تھی جیسا کہ حدیث میں ہے اور آنکھ کے سامنے تشنگی کی وجہ سے تاریکی چھا گئی تھی جیسا جبرئیل نے آدم سے بتلایا تھا کہ اے آدم پیاس کی وجہ سے آسمان تک تاریکی ہی تاریکی معلوم ہوتی تھی۔

صفحہ ۵۳ پر ہے حسین کی عظیم تشنگی کو یاد کرکے پانی پلانا اور سبیل رکھنا اجر عظیم کا سبب ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہے۔ صفحہ ۶۶ پر بھی اس فضیلت کا تذکرہ ہے کہ حسین کی تشنگی کو یاد کرکے پانی پلانا ایسا ثواب عظیم ہے گویا حضرت اور حضرت کے اصحاب کو سیراب کیا۔ صفحہ ۷۰ پر ہے کہ حضرت کی اس وقت کیا حالت ہوئی ہوگی جب آپ کی چھوٹی بچی نے پانی طلب کیا ہوگا، اور طفل شیر خوار کیلئے اہل حرم نے پانی مانگا ہوگا۔ صفحہ ۸۰ پر ہے کہ آپ نے کئی مرتبہ کوشش فرمائی کہ عورتوں اور بچوں کو سیراب کر سکیں لیکن ممکن نہ ہو سکا،

صفحہ ۸۲ پر ہے کہ ٹھنڈا پانی پینا بھی حضرت پر گریہ کا سبب ہے اور حضرت صادق آل محمد کا یہ دستور تھا کہ جب پانی آتا تو حسین کی پیاس کو یاد کرکے آنسو بھر لاتے، حدیث میں ہے کہ:۔

عن داؤد الرقی قال کنت عند الصادق علیہ السلام فشرب ماء واغرورقت عیناہ بالدمع وقال ما انغص ذکر الحسین العیش انی ما شربت ماء بارداً الا ذکرت الحسین الی اخر الحدیث وھو نقل عن الحسین شیعتی ما ان شربتم ماء عذب فاذکرونی۔	داؤد رقی کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق کی خدمت میں حاضر تھا کہ حضرت نے پانی پیا اور آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمانے لگے کہ حسین کی یاد چین نہیں دیتی، میں ٹھنڈا پانی نہیں پیتا لیکن یہ کہ حسین کی یاد تڑپا دیتی ہے اور خود امام مظلوم سے منقول ہے کہ فرمایا اے

شیعو جب خوشگوار پانی پیو تو میری پیاس کو ضرور یاد کیا کرو۔

صفحات ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۸۹ پر ذکر ہے کہ حضرت آدم، حضرت اسمٰعیل، حضرت موسیٰ، حضرت زکریا کو حسین مظلوم کی انتہائی تشنگی سے آگاہ کیا گیا، صفحہ ۹۲ پر ہے کہ جبرئیل نے پیغمبر کو حسین اور آپ کے اطفال کی تشنگی سے آگاہ کیا۔ صفحہ ۱۰۹ پر ہے کہ جب حضرت سید سجاد کے سامنے کھانا و پانی آتا تھا تو رو کر فرماتے تھے، ہائے فرزند رسول بھوکا پیاسا شہید کیا گیا، صفحہ ۱۳۸، ۱۳۹ پر ہے کہ:۔

ففی البحار وثواب الاعمال والتھذیب والکامل باسانید کثیرۃ مستفیضۃ عن الصادق علیہ السلام اذا زرت اباعبداللہ فزرہ وانت حزین کئیب مکروب شعث مغبر جائع عطشان فان الحسین قتل کئیبا حزینا مکروبا شعثا مغبرا جائعا عطشانا۔	بحار، ثواب الاعمال، تہذیب اور کامل میں باسناد کثیرہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب امام حسین کی زیارت سے مشرف ہو مضطرب و اندوہگین پریشان حال، غبار آلود اور بھوکے و پیاسے ہو کر زیارت کرو۔ کیونکہ امام حسین بھی اندوہگین، مصیبت زدہ با حال پریشان و با غبار آلود اور بھوکے پیاسے شہید کئے گئے ہیں

صفحہ ۱۵۰ پر ہے کہ ساتویں کو محاصرہ کیا گیا اور جو فوج ... دریا اور خیام اہلبیت کے درمیان حائل ہوئی اسکی تعداد تیس ہزار تھی، صفحہ ۱۵۱ پر ہے کہ حضرت نے پانی کیلئے کئی مرتبہ استغاثہ فرمایا پہلی مرتبہ تمام اصحاب و انصار کیلئے دوسری مرتبہ عورات و اطفال کیلئے، تیسری مرتبہ شیر خوار بچہ کیلئے اور آخری مرتبہ اپنے لئے جب آپ ذبح ہو رہے تھے، لیکن کسی فریاد پر پانی نہ ملا۔

صفحہ ۱۶۲ پر ہے کہ زید مجنون علیہ الرحمۃ حسینؑ مظلوم پر نوحہ کرتے تھے کہ ہائے افسوس اے حسینؑ مظلوم آپ دریا کے کنارے پیاسے شہید ہوئے۔

صفحہ ۱۷۲ پر "کھیعص" کی تفسیر ہے جسمیں، عین سے حسینؑ کی عطش مراد لیگئی ہے۔

صفحہ ۱۸۷ پر پرندوں کی فریاد کا تذکرہ ہے جسمیں مذکور ہے کہ روز عاشور انھوں نے دوسرے پرندوں سے کہا کہ تم کھانے پینے میں مشغول ہو اور فرزند فاطمہ بھوکا پیاسا قتل کیا گیا۔

صفحہ ۱۹۲ پر ہے کہ حسینؑ مظلوم ذبح ہوتے وقت پانی پانی فرما رہے تھے،

صفحہ ۲۰۰ پر ہے کہ حسینؑ مظلوم نے وقت شہادت اپنے اہل و عیال کو پیاسا و باحال پریشان چھوڑا

صفحہ ۲۱۷ پر ہے کہ بعض انبیاء بھوکے مرے اور بعض پیاسے اسیطرح مختلف مصائب ہیں لیکن حسینؑ کیلئے یہ سب مصیبتیں مجتمع تھیں، صفحہ ۲۲۱ پر ہے کہ جب سے حسینؑ پر پانی بند ہوا اسکے حصول کیلئے آپ نے مختلف قسم کی تعب کو برداشت فرمایا لیکن پانی نہ مل سکا۔ اور اسی صفحہ پر ہے کہ:۔

وابتلی بالعطش ثلاثۃ ایام حتی ذبح اختہ — حضرت تین دن تک پیاس کے امتحان میں مبتلا رہے،

بابی العطشان حتی قضی، — اور آپکی بہن زینبؑ بعد شہادت فریاد کرتی تھیں،

میرے باپ فدا ہوں اس پیاسے پر جو تشنگی کے عالم میں شہید ہوا۔

صفحات ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۷، ۲۲۹، ۲۳۰۔ اور دوسرے صفحات میں حضرت کی پیاس کا تذکرہ ہے (خصائص حسینیہ نسخہ عربی طبع ایران)

فقط آب و تشنگی کا تذکرہ زیارات میں بھی ہے، چنانچہ زیارت ناحیہ مقدسہ میں ہے۔

وامر اللعین جنودہ و منعوک الماء و ورودہ — ملعون نے اپنے لشکر کو حکم دیا اور آپ پر پانی بند کر دیا۔

زیارت اربعین میں ہے۔

لعن اللّٰہ من منعک من شرب ماء الفرات لعنا کثیرا — خدا بہت بہت لعنت کرے اس پر جس نے آب فرات کو پینے سے روکا

(دیکھا کتاب المزار جلد ۲ صفحہ ۱۳۷)

ایک مقام پر ہے "لعن اللہ من منعک ماء الفرات" خدا لعنت کرے جسنے آبِ فرات کو آپکے لئے بند کر دیا (کتاب المزار بحار جلد دوم صفحہ ۴۰)

غرضکہ مستند احادیث و ارشادات معصومین، مورخین و محققین عالم کے متفقہ و مسلمہ بیانات سے یہ اچھی طرح ثابت ہوتا ہے کہ کربلا میں قطعاً آب جاری و شہدائے کربلا پیاسے شہید کئے گئے اسکے مقابلہ میں اگر کوئی روایت پیش کیجاوے جسمیں پانی کے وجود کا ذکر ہو قابل اعتبار نہیں بلکہ مردود ہے۔

ان روایات پر تبصرہ جن سے پانی کے وجود پر استدلال کیا جاتا ہے

پہلی روایت کتاب الامالی ابن بابویہ کی ہے جسکو علامہ مجلسی نے بحار و جلاء العیون میں بغیر نقد و تبصرہ کے نقل کیا ہے اسطرح اور لوگوں نے بھی اسکو نقل کیا ہے،

اس روایت کے الفاظ یہ ہیں:-

وارسل علیا ابنہ فی ثلثین فارسًا وعشرین راجلًا
لیستقوا الماء وھم علی وجل شدید وانشا الحسینؑ یقول
یادھر اف لک من خلیل کم لک فی الاشراق والاصیل
من طالب وصاحب قتیل والدھر لا یقنع بالبدیل
وانما الامر الی الجلیل وکل حیٍ سالک سبیل
ثم قال لاصحابہ قوموا فاشربوا من الماء یکن آخر زادکم
وتوضؤا واغتسلوا واغسلوا ثیابکم لتکون اکفانکم۔

حضرت نے اپنے بیٹے علیؑ اکبر کو تیس سوار اور بیس پیادوں کے ساتھ بھیجا کہ پانی لاویں، اور وہ لوگ ڈرتے ڈرتے نہایت خوف کی حالت میں گئے، اور حسینؑ نے یہ اشعار پڑھے (جو بے وفائی دنیا کے متعلق ہیں)، اسکے بعد اپنے اصحاب سے کہا اٹھو پانی پیو، غسل کرو اور اپنے کپڑوں کو دھو ڈالو تاکہ یہ تمھارے لئے کفن ہوں،

مندرجہ بالا روایت کے متعلق کچھ بحث کرنے سے پہلے یہ مناسب ہے کہ یہ بتلا دیا جاوے کہ کتاب امالی دراصل جناب صدوق ابن بابویہ قمی کی خاص تصنیف یا تألیف نہیں ہے، لفظ امالی جمع ہے املا کی اسکے معنی لکھوانے کے ہیں جسکو آجکل ڈکٹیٹ کرانا کہتے ہیں، اگلے زمانے کے علماء کا یہ دستور تھا کہ کچھ لوگ علماء کی نشست اور صحبتوں میں ایسے ہوتے تھے جو ان حضرات کی گفتگو و بیانات کو قلمبند کر لیا کرتے تھے جسطرح آجکل کالجوں میں طلباء پروفیسر کی بتلائی ہوئی چیزوں کو لکھ لیا کرتے ہیں۔ اس قسم کی تحریریں اس وقت تک ذمہ دارانہ نہیں ہو سکتی ہیں جب تک کہ خود وہ عالم یا پروفیسر ایک ایک لفظ دیکھکر صحیح اور درست کرکے اپنی توثیق و تصدیق ثبت نکر دے۔ بغیر اسکے کسی کتاب امالی کی صحت کا ذمہ دار صاحب امالی کو نہیں قرار دیا جاسکتا، اور نہ ایسی کتاب کی ہر روایت مستند اور معتبر ہی سمجھی جاسکتی ہے۔

چنانچہ کتاب امالی جو ابن بابویہ کی جانب منسوب ہے۔ اسکے لئے کوئی ایسی توثیق و تصدیق موجود نہیں ہے

کہ یہ صحیح طور سے ضبط کی گئی ہے بلکہ اس کا اصل مؤلف و مدون بھی متحقق نہیں ہے، اور اس کتاب میں اس نے
اپنے کو نہیں ظاہر کیا ہے نہ شروع کتاب میں نہ آخر میں یہی وجہ ہے کہ وہ شخص جس نے ابن بابویہ کے کل بیانات
و مواعظ کو اس ایک کتاب امالی میں جمع کیا ہے متعین و مشخص نہیں ہے اور اسی بنا پر نسخہ خطی یا مطبوعہ
میں جامع امالی کا نام موجود نہیں ہے، ہاں الذریعہ الی تصانیف الشیعہ کے مؤلف آغائے بزرگ نے یہ لکھا
ہے کہ میں نے سید محمد طباطبائی یزدی کے شروع نسخہ میں کتاب مذکور کی سند کو دیکھا ہے ...... کہ ابو محمد
عبداللہ بن جعفر الدوریستی نے اپنے آباء کے سلسلہ سے کتاب امالی کو روایت کیا ہے۔ لیکن کتب
رجال شیعہ میں یہ سلسلہ مذکور نہیں ہے، بلکہ بجائے شیخ صدوق ابن بابویہ کے عبداللہ بن جعفر الدوریستی
کا وہ سلسلۂ اسناد موجود ہے جو شیخ مفید تک منتہی ہوتا ہے، جسکے شروع میں جعفر بن محمد الدوریستی ہیں
اور آخر میں عبداللہ ابن جعفر (منتجب الدین یا نجم الدین) الدوریستی ہے، جیسا کہ رجال کبیر یعنی منتہی المقال
میں موجود ہے۔ امالی ابن بابویہ میں ۹۷ مواعظ ہیں جن کو شیخ صدوق نے مختلف مقامات و ازمنہ
میں بیان فرمایا ہے اور ہر موعظہ کو ضبط و محفوظ کرنے والے مختلف لوگ ہیں، تنہا ایک شخص نہیں
ہے، جیسا کہ صاحب تذکرۃ العلماء لکھتے ہیں "مردم بر طبق املائے او جمع نمودہ اند" (نسخہ مخطوطہ محفوظہ
کتابخانہ سید تقی مرحوم) اس بنا پر ہر موعظہ کا اعتبار اپنے پہلے راوی کی بنا پر ہوگا کیونکہ ہر مجلس کا حافظ
و راوی اپنے بیان کردہ کل مضمون مجلس کا تنہا ذمہ دار ہے اس لئے کتاب امالی کے بعض مضامین و مجالس
قوی الاعتبار ہو سکتے ہیں اور بعض ساقط الاعتبار۔ سید محمد یزدی کے نسخہ پر جو سلسلۂ اسناد درج ہے اگر اسکو قبول بھی
کرلیں کہ صحیح ہے تو اس سلسلہ کا پہلا شخص یعنی محمد بن احمد جس نے ابن بابویہ سے اخذ کیا یا محمد ابن احمد کے علاوہ جو بھی ہو جسنے
امالی یا روایت منقول کو ضبط کیا اسکے متعلق ہمکو یہ کہنا پڑیگا، کہ ذکر مقتل کے سلسلہ میں اسکے بیانات میں بڑا اضطراب ہے، اور غالباً
وہ بلید الذہن اور کمزور حافظہ کا تھا، جیسا کہ ابھی معلوم ہو جاویگا، کتاب امالی کی تیسویں ۳۰ نشست میں جو عاشور محرم یوم یکشنبہ
۳۶۸ھ میں ہوئی تھی۔ مندرجہ بالا واقعہ مذکور ہے اس میں وہ شخص جو ابن بابویہ کے بیان کو قلمبند کر رہا
ہے اور اپنے نام کو نہیں ظاہر کر رہا ہے کہتا ہے کہ بیان کیا ابو جعفر ابن بابویہ قمی نے کہ ان سے
بیان کیا محمد بن عمر بغدادی (جو جعابی کے لقب سے مشہور ہے) نے کہ ان سے حسن بن عثمان نے زیاد تستری
کی کتاب کے حوالے سے بیان کیا اور ان سے بلخ کے قاضی ابراہیم عبداللہ نے بیان کیا ان سے ان
کی پھوپھی مریسہ بنت موسیٰ نے بتلایا۔ ان سے صفیہ بنت یونس نے بیان کیا اور ان سے بہجہ بنت

حارث نے بیان کیا اور ان سے ان کے ماموں عبداللہ بن منصور نے بیان کیا جو زید بن امام زین العابدین کی بعض اولاد کے دودھ شریک تھے وہ کہتے ہیں کہ انھوں نے امام جعفر صادقؑ سے واقعۂ کربلا کو دریافت کیا

رواۃ کا یہ سلسلہ ایسا ہے جسکے تمام راوی سوائے محمد بن عمر بغدادی کے سب کے سب غیر مذکور و مجہول ہیں، جنکے متعلق کچھ علم نہیں کہ وہ کون تھے اور کیا مذہب رکھتے تھے، اس قسم کی روایات ارباب درایت کے نزدیک غیر قابل قبول اور مستند و معتبر نہیں ہوتے ہیں بلکہ ان کا شمار مجہول روایات میں ہوتا ہے۔ پھر اس سلسلہ میں پے در پے (مرلیہ، صفیہ، ہجبہ) عورتیں ہیں جو ایک دوسرے سے نقل کر رہی ہیں۔ ظاہر ہے کہ عورتیں ناقصات العقل ہوتی ہیں ان کا حافظہ عموماً ایسا ہوتا ہے کہ وہ جن واقعات کو محفوظ رکھتی ہیں اسکے تقدم و تاخر کا ان کو مطلق خیال و لحاظ نہیں رہتا بلکہ واقعات کو غتر بود کر دیتی ہیں یہ امکان ایک عورت کے شامل ہونے سے ہو سکتا ہے نہ کہ مسلسل تین تین عورتیں، اسلئے ان عورتوں کے شامل ہو جانے سے روایت میں اضطراب واقع ہونیکا قوی احتمال ہے۔ اسکے علاوہ اگر کسی روایت میں کوئی ایسا راوی بھی جو عامی المذہب ہو اور مذہب حق پر نہ ہو تو وہ روایت بھی ساقط الاعتبار ہو جاتی ہے

چنانچہ اس سلسلہ میں پہلا شخص جس نے ابن بابویہ قمی سے بیان کیا وہ محمد بن عمر بغدادی الملکی ابن جعابی ہے جو فرقہ اہل سنت کا مشہور حافظ حدیث ہے۔ اور تمام اہل سنت نے انکو متفقاً اپنا شیخ الحدیث تسلیم کیا ہے۔ ان کا پورا نام ابو بکر محمد بن عمر التمیمی ہے اور ابن جعابی کی کنیت سے مشہور ہیں جو موصل کے قاضی تھے ان سے دارقطنی، اور ابن شاہین محدثین اہلسنت نے روایت کی ہے۔ اس شخص کے بدعقل اور دشمن علم ہونے کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے جسکو کہ مشہور و معروف مورخ ابو بکر خطیب بغدادی نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔

حدثنی الازھری ان ابن الجعابی لما مات صلی علیہ فی جامع المنصور، وحمل الی مقابر قریش فدفن بہا وکان اوصیٰ بان تحرق کتبہ، فاحرقت جمیعہا واحرق معہا کتب للناس کانت عندہ، قال الازھری فحدثنی ابو الحسین ابن البواب قال کان لی عند ابن الجعابی مائۃ وخمسون جزءً

مجھ سے ازہری نے بیان کیا کہ جب ابن جعابی فوت ہوئے تو مسجد جامع خلیفہ منصور عباسی میں ان کے جنازے کی نماز پڑھائی گئی اور قریش کے قبرستان میں دفن کئے گئے انھوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی تمام کتابیں جلا دی جادیں چنانچہ انکی وصیت کے مطابق ان کا پورا کتابخانہ جلا دیا گیا اسمیں وہ کتابیں بھی جل کر

فذھبت فی جملۃ ما احرق،، خاکستر ہوگئیں جو دوسروں کی عاریتاً ان کے پاس تھیں
(تاریخ بغداد، خطیب بغدادی جلد سوم صفحہ ۳۱ طبع مصر) ازہری کہتے ہیں کہ ان سے ابن البواب نے کہا کہ ابن حجابی کے
پاس ان کی ایک سو پچاس کتابیں تھیں جو ابن حجابی کی کتابوں کے ساتھ حسب وصیت جلادی گئیں ۔۱
یہ تو موصل کے قاضی کا کارنامہ ہے غالباً انھیں کے ہم عقیدہ بلخ کے قاضی صاحب ابراہیم بن عبداللہ
بھی ہونگے ، لیکن دوسرے راویوں کی طرح ان کا بھی تذکرہ کتب رجال میں نہیں ہے ۔ اب فرمائیے اس روایت
کا کیا حشر ہوگا جس کے راوی ایسے لوگ ہوں ، اسی بناء پر جناب علامہ غفران مآب نے اپنی کتاب اثارۃ الاحزان
میں اس روایت کو نقل کرنے سے پہلے روایت کے ضعف و اضطراب کے جانب خود ہی متوجہ کردیا ہے جسکو
مؤلف کتاب شہید انسانیت دیکھ چکے ہونگے ، اور جسکی بناء پر جناب ناصر الملۃ طاب ثراہ نے کتاب مذکور کے
حاشیہ پر اختلاف کرنیکی ضرورت نہ سمجھی ، اختلاف کی ضرورت جہاں ہوتی ہے ، جہاں مصنف کتاب سے تسامح
ہوتا ہے یا عبارت میں اگر کوئی ضعف ہو جسکی تصحیح حاشیہ پر لازمی ہوجاوے --- اب اصل روایت کے
اضطراب پر نظر کیجئے پہلے تو اس کا تذکرہ ہے کہ حضرت علی اکبر تیس سوار و بیس پیادوں کے ساتھ پانی
لانے کیلئے بھیجے گئے اور یہ حضرات ڈرتے ڈرتے گئے ، اسکے بعد اس کا کوئی تذکرہ نہیں کہ یہ حضرات جب
گئے تو پانی لائے یا نہیں یا پانی لانے میں جنگ ہوئی یا نہیں ، ملحوظ رہے کہ امہات کتب مقاتل و کتب
تاریخ میں علی اکبر کے پانی لانے کے لئے گھاٹ پر تشریف لیجانے کا کہیں ذکر نہیں ہے ۔ بلکہ ان کے
بجائے حضرت عباس کا تذکرہ ہے کہ اسی تعداد کے ساتھ تشریف لے گئے لیکن شب عاشور نہیں ۔ اسکے
بعد امام حسین کا بے وفائی دنیا کے متعلق اشعار پڑھنے کا تذکرہ ہے جس کو مورخین و ارباب مقاتل نے دوسری
موم کے واقعہ میں لکھا ہے ان اشعار کے بعد ہی بغیر کسی تذکرہ کے یہ ہے کہ امام نے فرمایا ، اٹھو ، نہاؤ ، کپڑے
دھوؤ ، پانی پیئو ، وضو کرو جو اس موقع سے بالکل غیر مربوط ہے ، ایسا کلام حالت سفر میں ایسے محل
موقع پر کہا جاتا ہے جب انسان منزل پر اتر کر قیام کرتا ہے اور تکان سفر و گرد و غبار کو دور کرنا چاہتا
ہے اس بناء پر امام کا یہ کلام دراصل دوسری تاریخ ہی سے متعلق معلوم ہوتا ہے ۔ اس وقت یقیناً امام علیہ السلام
نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا لیکن روایت کرنے والوں نے اپنے حافظہ کے قصور سے مختلف محل و مواقع کے کلام
و واقعہ کو ایک ہی جگہ شب عاشور کے حالات میں سمو دیا اور وہ بھی اسطرح کہ امالی کی اس حدیث
میں واقعات کربلا کو بالکل غتر بود کردیا گیا ، اکثر شہداء کا بالکل تذکرہ ہی نہیں کیا گیا ، اصحاب تو اصحاب بنی

عزیز و اقربا میں بھی سوائے عبداللہ بن مسلم بن عقیل، علی اکبر، قاسم بن حسن اور کسی کی شہادت کا تذکرہ نہیں ہے یہانتک کہ حضرت عباس و علی اصغر کی شہادت کا حال بھی نہیں ہے اور نہ کہیں ان حضرات کا نام ہی آیا ہے کل تعداد جو شہدا کی دی ہے۔ وہ حسب ذیل ہیں، حر بن یزید ریاحی، زہیر بن یقین، حبیب ابن مظاہر، عبداللہ بن ابی عروہ غفاری، بریر بن خضیر ہمدانی، مالک بن انس کاہلی، زیاد بن مہاجر کندی، وہب بن وہب ہلال بن حجاج، یہ تعداد اصحاب کی ہے جو شہید ہوئے، بنی ہاشم و اولاد ابو طالب میں سے صرف عبداللہ بن مسلم بن عقیل، علی بن الحسین، قاسم بن حسن انکے علاوہ اور کوئی نہیں امالی کی اس روایت میں شہدائے ہاشمی و غیر ہاشمی کا تذکرہ ہی ترتیب سے منسلک ہے جس ترتیب سے میں نے ابھی نام تحریر کئے ہیں، قاسم کی شہادت کے بعد لکھا ہے کہ "ونظر الحسین عیناً و شمالاً ولا یری احداً"، امام حسین نے داہنے اور بائیں اپنی نظر ڈالی اور کسی کو نہ پایا، جب کوئی حامی و مددگار نہ دکھلائی دیا تو حضرت خود شہادتگاہ میں تشریف لائے اسکے بعد حضرت کی شہادت کا تذکرہ ہے، کیا واقعۂ کربلا بس اسی قدر ہے اور یاور و انصار و عزیز و اقارب کی یہی تعداد ہے جو مذکور ہوئی، آخر حضرت عباس مع اپنے بھائیوں کے کہاں گئے، علی اصغر کیا ہوئے، اگر اس جعلی روایت مختل سے بانی کے وجود پر استدلال کیا جا سکتا ہے تو پھر کوئی دوسرا روشن خیال و بالغ نظر اس روایت سے یہ ثابت کرنیکی بھی کوشش کر سکتا ہے کہ حضرت عباس مع اپنے بھائیوں کے کربلا میں نہ تھے اور اگر تھے تو معاذ اللہ ساتھ چھوڑ دیا تھا، یا حضرت علی اصغر کی شہادت ہی نہیں ہوئی، کیا امالی کی اس مضطرب روایت کو پیش کر کے دوسروں کو متوجہ کیا جا رہا ہے، کہ وہ ان حقائق کا انکار کریں جنکی طرف میں نے اشارہ کیا ہے، میرے خیال میں اس روایت کو سوائے مؤلف شہید انسانیت کے کوئی متدین و ہوشمند قبول ہی نہیں کر سکتا ہے، رہا اس روایت کو دوسری روایات صحیحہ اور مفصل حالات تاریخی کے ساتھ نقل کرنا یہ دوسری بات ہے جیسا کہ علامہ مجلسی اور جناب غفران مآب یا دوسرے علمائے اعلام نے کیا، جناب غفران مآب نے شروع ہی میں روایت کو نقل کرنے سے پہلے اسکے غیر مستند ہونے پر متنبہ کر دیا ہے کہ "وان کان السند بمعزل عن الصحۃ" کیا مؤلف شہید انسانیت اپنے جد علام رحمۃ اللہ علیہ کی تنبیہہ کی بھی کچھ پروا نہ کریں گے، کیا اخلاف کو اپنے اسلاف کے ساتھ یہی کرنا چاہیئے "انا للہ وانا الیہ راجعون" ہاں اس امر کی جانب بھی متوجہ کر دوں کہ اس روایت میں فوج یزید کو شامی لشکر بتلایا گیا ہے۔ ملاحظہ ہو:-

واقبل عدو اللہ سنان بن انس الایادی و شمر بن ... لشکر اہل شام میں سے دشمن خدا سنان اور شمر

ذی الجوشن العامری فی رجال من اہل الشام" قتل کرنے کیلئے آگے بڑھے

(امالی ابن بابویہ)

(۲)، سید ابن طاؤس اور غفران مآب کی اس تشریح کے بعد جیسا کہ لکھ چکا ہوں کہ جناب زینب کا بیہوش ہونا اور امام کا پانی چھڑک کر ہوش میں لانا یہ دوسری محرم کا واقعہ ہے (لہوف ابن طاؤس صفحہ ۴۸، مطبوعہ ایران، و اثارۃ الاحزان علی قتیل العطشان جناب غفران مآب قلمی صفحہ ۳۷ نمبر ۶ کتابخانہ ناصر الملۃ) نہ کہ شب عاشور کا جس کا دعویٰ مؤلف شہید انسانیت اور اُن کے حمایت کرنے والے کر رہے ہیں، اجناب شیخ مفید کا تسامح کی بناء پر شب عاشور کے ضمن میں اس کا بیان کرنا مفید مطلب نہیں ہے، تعجب ہے کہ مؤلف شہید انسانیت اب تک اس امر سے بھی واقف نہ ہو سکے کہ جناب شیخ مفید نے اپنی کتاب ارشاد کے باب مقتل میں حالات و واقعات کو کس طرح وارد کیا ہے، ملاحظہ ہو حضرت میرزا حسین النوری الطبرسی ارشاد کرتے ہیں

دوم آنکہ اہل سیرت و علماء در مولفات خود در نقل اخبار ضعیفہ و ضبط روایات غیر صحیحہ در ابواب فضائل و قصص مصائب سامحہ ایشان در این مقامات خصوص مقام اخیر چنانچہ شاہد محسوس است آیا نمی بینی شیخ مفید طاب ثراہ در کتاب ارشاد در تمام ابواب متعلقہ بحالات ائمہ علیہم السلام سوی باب مقتل حضرت ابی عبداللہ علیہ السلام بطرز سائر کتب اصحاب اخبار را با سند و راوی اصل نقل می کنند واما در باب مقتل وقائع آن را در یک رشتہ کشیدہ و از کلبی و مدائنی و غیر این دو و از اصحاب سیر نقل نمودہ و ابوالحسن مدائنی از معروفین علمائے اہلسنت و کلبی نیز چنین است،

(لولو و مرجان صفحہ ۱۴۱ مطبوعہ لکھنؤ)

عموماً علماء اپنے مولفات میں اُن ابواب میں جنہیں فضائل و تفصیل و مصائب کا تذکرہ کرتے ہیں غیر صحیح روایات اور ضعیف احادیث کو نقل کرتے رہتے ہیں اور خاص کر مصائب کے تذکرہ میں یہ لوگ بہت زیادہ سامحہ کرتے ہیں، جناب شیخ مفید کو دیکھئے کہ یہ بزرگ اپنی کتاب ارشاد میں ان تمام ابواب میں جن میں ائمہ علیہم السلام کے حالات بیان کئے ہیں تمام روایات و احادیث کو سند اور اصل راوی کے تذکرہ کے ساتھ بیان کیا ہے لیکن اسی کتاب کے اس باب مقتل میں حسینی واقعات شہادت و مصائب حسینؑ کو بیان فرمایا ہے بغیر سلسلہ روایت و سند اور تذکرہ راوی کے ایک سلسلہ میں بیان کیا ہے اور کلبی و مدائنی وغیرہ کے سے سنی اصحاب سیر سے واقعات کو (بغیر نقد و تبصرہ اور تحقیق) نقل کر دیا ہے ۔

صرف اسی قسم کی کتابیں نہیں بلکہ کافی کلینی، من لا یحضرہ الفقیہ ابن بابویہ قمی، تہذیب شیخ طوسی میں

میں بھی بہت زیادہ ضعیف وغیر معتبر روایات موجود ہیں، یہ وہ روایات ہیں جنکو مرسل کہا جاتا ہے اور جنکا شمار
ضعیف روایات میں کیا گیا ہے، اسیطرح دوسرے علماء کی کتابیں ہیں جن میں ضعیف وغیر مستند روایات موجود
ہیں، بحار الانوار علامہ مجلسی جو ضخیم پچیس [۲۵] مجلدات میں ہے اسکی بھی یہی حالت ہے کہ اسمیں بھی مجلسی نے بکثرت
ضعیف روایات کو درج کیا ہے، خصوصاً دسویں جلد حالات شہادت امام حسینؑ میں بکثرت روایات موضوعہ
وغیر صحیحہ مندرج ہیں، مجلسی نے صرف روایات کو محفوظ کرنے کیلئے جمع کر دیا ہے، وہ اپنی زندگی میں
موفق بھی نہ ہوئے کہ بحار کی تمام مندرجہ روایات واحادیث پر ایک ناقدانہ نظر ڈال سکتے، ہاں مجلسی
کی وہ روایات ضرور قبول کی جاسکتی ہیں جنکو سلسلہ اسناد نقل کرکے دعوائے صحت کیا ہے، مجلسی کا یہ دستور
ہے کہ ہر کتاب سے جو انکو مل سکی واقعات کو ضبط کیا ہے، اگر ان کتابوں میں اسناد موجود ہیں تو اسکو نقل
کیا ہے ورنہ بغیر سند و ذکر راوی کے واقعات کو درج کر دیا ہے، علامہ مجلسی کا نظریہ یہ تھا کہ وہ ہر قسم
کے اخبار و احادیث اور روایات کو جمع کر دیں اور بعد میں اہل تحقیق از روئے درایت ہر ایک کی صحت و
سقم کو جانچیں، مجلسی کی زندگی میں کل مجلدات مبیضہ شکل میں تحریر بھی نہیں کئے گئے تھے، اس بنا پر بحار یا
یا غیر بحار کو بطور حجت پیش نہیں کیا جاسکتا جبتک کہ اصل مصنف و مؤلف نے دعوائے صحت نہ کیا ہو۔
(۳) ایک روایت اور پیش کیجارہی ہے جسکو عموماً ذاکرین منقل پڑھتے بھی ہیں کہ نویں محرم کو بریر پانی لائے لیکن
ساتھ ہی ساتھ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ وہ پانی بہہ گیا اور اطفال اہلبیت سیراب نہ ہو سکے جناب مولینا
سید غلام حسنین صاحب کنتوری مغفور نے اس روایت کو اپنے مقتل ماتین میں نقل فرمایا ہے کہ ابن نما
نے اپنے مقتل مثیر الاحزان میں اس روایت کو درج کیا ہے، لیکن مجھکو انتہائی حیرت ہے کہ میرے
سامنے مثیر الاحزان للجعفر بن محمد بن نما کا مطبوعہ نسخہ موجود ہے اور اس میں یہ روایت نہیں ہے، بہرحال
علامہ کنتوری نے بریر کی اس روایت کو لکھا ہے اور ذاکرین بیان بھی کرتے ہیں، لیکن اسکے متعلق
ہر ایک یہی بتلاتا ہے کہ سب بچے دوڑ پڑے اور بے تابی سے اپنے تئیں مشک پر گرا دیا، کوئی
مشک کو گود میں لیتا تھا اور کوئی رخسارہ رکھ دیتا تھا اور کوئی اپنا سینہ رکھ دیتا تھا یہانتک
کہ جب اس مشک پر ہجوم زیادہ ہوا تو دہانہ مشک کا کھل گیا اور سب پانی بہہ گیا اور بچے چلا اٹھے
اور رو کر کہنے لگے کہ اے بریر پانی سب بہہ گیا (ماتین جلد اول صفحہ ۳۳۳) اولاً تو یہ روایت
اس کتاب میں موجود نہیں جسکا حوالہ صاحب ماتین نے دیا ہے اور اگر ہو بھی تو اس سے قحط آب کی

نفی نہیں ہوتی ہے مؤلف شہید انسانیت اور اُن کے متبعین اپنی تائید میں اسکو پیش نہیں کر سکتے۔

(۴) یہ غلط روایت بھی پیش کی جاتی ہے کہ امام مظلوم طفل شیر خوار کیلئے پانی طلب فرما رہے تھے کہ علی اکبر نے کہا کہ بابا اجازت ہو تو میں اس بچے کیلئے پانی لاؤں، فرمایا جاؤ، حضرت علی اکبر گئے اور دریا سے پانی بھر کر لائے اور فرمایا کہ بابا مشک حاضر ہے، شیر خوار بھائی کو پلائیے اور کچھ بچ رہے تو میرے قلب و جگر پر چھڑک دیجیئے کیونکہ میں پیاسا ہوں، یہ سنکر امام نے گریہ فرمایا اور اپنے طفل شیر خوار کو گود میں بٹھلایا اور مشک کا دہانہ بچے کے منہ کے پاس لے گئے کہ پانی پلائیں، دفعتہً ایک تیر آیا جس نے بچے کے گلے کو چھید دیا اور بچہ قبل پانی پینے کے مر گیا، حسینؑ روے اور مشک کو زمین پر پھینک دیا،، یہ روایت بھی جیسا کہ صاف ظاہر ہوتا ہے بالکل غلط ہے اور جاہل ذاکروں کی ایجاد طبع ہے، ظاہر ہے کہ علی اصغر شیر خوار سے بہت پہلے حضرت علی اکبر شہید ہو چکے تھے اسکے علاوہ پوری مشک پانی آنا علی اکبر کا یہ کہنا کہ بچے کے پینے سے اگر پانی بچ جائے تو مجھ پر چھڑک دیجیئے حالانکہ طفل شیر خوار پانی کتنا پیتا، سیرابی کے لئے چند قطرے کافی تھے، پھر شش ماہے بچے کو پانی پلانے کا انداز بھری ہوئی مشک کا دہانہ منہ میں لگایا جا رہا ہے، غرضکہ اس قسم کی نہ معلوم کتنی عجیب و غریب باتیں ہیں جو اس روایت کو غلط ثابت کرتی ہیں اور نہ کسی معتبر کتاب میں اس روایت کا وجود ہے،

بقول علامہ نوری طبرسی اس قسم کی مہمل روایات کو زبان عربی کا لباس پہنا کر پیش کیا جاتا ہے کہ جس سے لوگ اسکو صحیح سمجھیں کبھی ایسی کتاب کا حوالہ دیدیا جاتا ہے جس کا وجود نہیں ہوتا اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ کسی عالم جلیل کی طرف فرضی کتاب مقتل کو منسوب کر دیتے ہیں جسکا تذکرہ اس عالم کے مصنفات میں کہیں نہیں ملتا۔ غرضکہ مختلف طریقوں سے عوام کو فریب میں مبتلا کیا جاتا ہے دلولو و مرجان صفحہ ۱۳۰)

(۵) اسی طرح بحار کی وہ روایت بھی قابل قبول نہیں ہے جسمیں یہ مذکور ہے کہ کنواں کھود کر پانی نکالا گیا اور سب لوگ سیراب ہوئے، یہ وہ روایت ہے جسکو علامہ نے محمد بن ابیطالب کے مقتل سے نقل کیا ہے اور مقطوع السند ہے، مقتل محمد بن ابیطالب کا حوالہ جا بجا مختلف مقامات پر ملتا ہے لیکن خود محمد ابن ابیطالب کا تذکرہ کتب رجال میں نہیں ملتا جس سے ان کے متعلق کچھ زیادہ معلوم ہو سکے، تنقیح المقال یعنی رجال کبیر مامقانی ان کے ذکر سے خالی ہے، خود ان کا مقتل بھی کہیں پایا نہیں جاتا، لہذا ایسے مصنف اور اسکی کتاب کی کیا وقعت ہو سکتی

واقف ہوتے تو اسکو ضرور نقل فرماتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خود محمد ابن ابیطالب نے اس روایت کو بغیر سند کے نقل کیا ہے کیونکہ اگر محمد بن ابیطالب اسناد کیساتھ اس روایت کو اپنے مقتل میں ذکر کرتے تو جناب مجلسی یقیناً سلسلۂ سند کو نقل فرمادیتے اسلئے یہ روایت بالکل مجہول و ضعیف ہے جس سے کسی طرح استدلال کیا ہی نہیں جاسکتا۔ بلکہ اسکے برخلاف مقتل ابومخنف سے ہم کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کنواں کھودا گیا لیکن پانی نہ ملا جیسا کہ مذکور رہے۔

فدعی باخیہ العباس وقال یا اخی اجمع اھل بیتک واحفروا بئراً ففعلوا ذالک فلم یجدوا فیھا ماءً فطمسوھا۔ (مقتل ابومخنف صفحہ ۳۴) حضرت نے جناب عباسؑ کو بلا کر ارشاد کیا کہ سب لوگوں کو جمع کر کے کنواں کھود و، کنواں کھودا گیا لیکن پانی نہ نکلا پھر اسکو بند کر دیا۔

(۶) رہا یہ امر کہ علامۂ کنتوری مولینا سید غلام حسنین صاحب مغفور، پانی کے موجود ہونے کے قائل ہیں یہ بالکل غلط اور بہتان ہے، علامہ کی کتاب ماتین موجود ہے ملاحظہ کیجا سکتی ہے، بلکہ مولینا نے روایت امالی اور اس قسم کی دوسری روایات پر جو نقد فرمایا ہے اس میں ان خیالات کو ظاہر فرمایا ہے کہ "تعجب ہے جناب صدوق پر کہ اسکو نہیں بیان کیا کہ حضرت علی اکبر فرات پر کیونکر پہنچے اور اصحاب نے کیونکر اُن مشکوں میں پانی کو بھرا جو اپنے ہمراہ لے گئے تھے، اور یہ بھی نہیں بیان کیا کہ اصحاب اور محافظان فرات سے لڑائی ہوئی یا نہیں اور اس روایت سے اس کا بھی پتہ نہیں ملتا کہ جناب علی اکبر پانی لائے یا نہیں اور نہایت تعجب ہے مصنف خصائص حسینیہ سے کہ انھوں نے یقین کے ساتھ کیونکر یہ لکھدیا کہ شب عاشور امام حسینؑ نے اُس پانی سے غسل فرمایا جسکو جناب علی اکبر لائے تھے جبکہ اصل روایت میں اسکا کہیں پتہ نہیں ہے کہ جناب علی اکبر پانی لائے اور یہ امر تو روشن ہے کہ پانی لانے کیلئے جب اس سے پہلے حضرت عباس تشریف لے گئے تھے تو سخت لڑائی ہوئی تھی، نویں تاریخ تک تو یقیناً شمر ملعون بھی آچکا تھا صبح سے اشقیا لڑائی کیلئے آمادہ بھی ہو رہے تھے اور باغوائے شمر اپنی شقاوت کو ظاہر کر رہے تھے اس حالت میں کیونکر ممکن ہے کہ شب عاشور بغیر جنگ و جدال کے فرات سے پانی آتا، شب عاشور لڑائی کا ذکر کسی روایت میں نہیں پایا جاتا۔ رہا روایت امالی کا یہ مضمون کہ حضرت نے اپنے اصحاب سے فرمایا اُٹھ کھڑے ہو اور پانی پیئو، ممکن ہے اس سے مراد حضرت کی یہ ہو کہ اگر جاسکو تو فرات پر جاؤ اور وہیں جاکر پانی پیئو اور نہاؤ، علاوہ برین اصحاب کا شمار دونوں روایات میں یعنی وہ روایت جسمیں

حضرت عباسؑ کی سقائی کا تذکرہ ہے اور نویںؔ سے پہلے کا واقعہ بیان کیا جاتا ہے اور اس روایت میں
جس میں حضرت علی اکبر کا شب عاشور پانی لینے کیلئے دریا پر جانا مذکور ہے ، ہمراہیوں کی تعداد ایک ہی
بیان کیجاتی ہے یعنی تیس سوار اور بیس پیادے ، کچھ بعید نہیں کہ یہ دونوں روایات دراصل ایک ہی ہوں اور ان
راوی نے نام لینے میں غلطی کی ہو، پھر یہ بھی خیال کرنا چاہیئے کہ امالی صدوق کی روایت میں جو یہ وارد ہے۔
کہ حضرت نے اپنے اصحاب کو حکم دیا کہ نہاؤ اور کپڑے دھو ڈالو اور وضو کرو پانی پیئو ، یہ سب امور بغیر اسکے
ہو ہی نہیں سکتے جب تک کہ بہت سا پانی نہ ہو اسلئے کہ تقریباً اکاسی (۸۱) تو مرد تھے اور عورتیں و لڑکے سب
ملا کر ڈیڑھ سو سے زائد ہو جاتے ہیں اور جانور انکے علاوہ تھے وہ سب کے سب پیاسے مر رہے تھے اور
یہ امر تو مسلمات سے ہے جس سے سب واقف ہیں کہ محافظان فرات پانی کی کسقدر سختی کیساتھ حفاظت
کر رہے تھے کہ امام حسین تک پانی کا ایک قطرہ بھی پہنچنا انکو ناگوار تھا ، ان حالات میں کیونکر ممکن ہے کہ
حضرت علی اکبر دکم از کم ، تقریباً سو مشکوں کے پانی لا دیں جو اصحاب کے غسل کرنے اور کپڑے دھونے
کیلئے کافی ہوتا اور جتنے امور روایت امالی میں درج ہیں اسپر عمل کیا جا سکتا ، پس اس روایت سے سوائے
اسکے اور کچھ نہیں سمجھا جا سکتا کہ امام علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو نہانے کپڑا دھونے اور پانی پینے کا حکم دیا ،
اب رہی یہ بات کہ آپ کے حکم کی تعمیل ان بزرگواروں نے کیونکر کی ، یا یہ کہ جناب علی اکبر پانی لائے اور کسقدر
لائے اسکا نہ بالتصریح نہ اس روایت سے لگتا ہے اور نہ دوسری روایت سے اس بنا پر یہ روایت حضرت کے یا
آپکے اصحاب کے ، پانی پینے یا غسل کرنے ، پر دلالت نہیں کرتی اور خلاف متواترات ہے لہذا یہ روایت ساقط الاعتبار ہے

ایک دوسری روایت بھی ہے جسمیں راوی کو متذکرہ بالا روایت سے زیادہ مغالطہ ہوا ہے
وہ روایت یہ ہے کہ شب عاشور جب امام حسین نے شکایت دنیا کے متعلق اشعار پڑھے ، تو ان
اشعار کو سنکر جناب زینب کو غش آ گیا اور آپ نے چہرہ پر پانی چھڑکا ، اس روایت میں راوی سے
زیادہ سہو عارض ہوا ہے کیونکہ ان اشعار کا امام کا پڑھنا اور ان امور کا واقع ہونا جناب سید الساجدین
سے دو تاریخوں میں روایت کیا گیا ہے ، ایکمرتبہ جس دن آپ کربلا میں وارد ہوئے ہیں اور یہ دوسری
محرم تھی ، اس تاریخ کو حضرت نے ان اشعار کو ارشاد فرمایا جنکو سنکر جناب زینب کو غش آ گیا چنانچہ
سید ابن طاؤس (جنھوں نے دوسری محرم کو پانی چھڑکنے کا ذکر کیا ہے ، اور ابو مخنف نے اس روایت
کو نقل کیا ہے ، اور ایکمرتبہ نویںؔ تاریخ کی شام کو بھی یہ امور واقع [illegible] روایات ایک

ہی مضمون دیکسان الفاظ سے جناب سید سجاد سے نقل کئے گئے ہیں، ہو سکتا ہے کہ شب عاشور کی روایت میں پانی چھڑکنے اور چہرہ پر ڈالنے کے الفاظ نہ رہے ہوں مگر راوی نے جسطرح کہ دوسری تاریخ کی روایت میں یہ الفاظ تھے دھوکے سے اس روایت میں بھی بڑھا دئے، امالی کی روایت اور پانی چھڑکنے والی روایت ان دونوں میں یہی تاویل میرے نزدیک قوی تر ہے بلکہ میرا خیال ہے کہ ان دونوں روایات میں راوی کو دھوکہ ہوا ہے۔ اور یہ امر تو متواتر روایات سے ثابت ہے کہ پانی کو روکنے کیلئے نگہبان اور محافظ کسقدر مقرر ہوئے تھے اور بحکم ابن زیاد عمر سعد وشمر وغیرہ کو پانی روکنے میں کسقدر اہتمام تھا (کہ ایک قطرہ پانی دینے کے بھی روادار نہ تھے) اور یہ امر مشہور اور متواتر روایات سے ثابت ہے) کہ امام حسینؑ پیاسے شہید ہو گئے۔ اور تین دن تک ایک قطرہ پانی کا نہ پایا اس امر کو تمام راوی خلف سے سلف تک برابر روایت کرتے چلے آرہے ہیں اور شعرا نے نظم کیا ہے۔" (علامہ کنتوری کے عیون الفاظ کیلئے ملاحظہ ہو مائتین فی مقتل الحسینؑ از صفحہ ۳۲۹ تا ۳۳۳)۔

رہا علامہ کنتوری کے متعلق یہ مشہور کرنا کہ وہ شہدا کی تشنگی کے قائل نہ تھے یہ بھی اتہام ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ موصوف تین دن کی پیاس کو تسلیم کرتے ہیں بلکہ بعض ایسے روایات کی بنا پر جنمیں بطور معجزہ دنیا سے سیراب ہو کر مرنا مذکور ہے ان روایات کو تسلیم کرنے کی صورت میں بھی تین دن کی تشنگی کا اثبات فرماتے ہیں جیسا کہ مائتین کے صفحہ ۳۳۸ پر فرماتے ہیں "چونکہ جناب امام حسین علیہ السلام پانی کے چار حقوق سے منع کئے گئے اور پیاس نے ان کے چار اعضاء بدنی میں اثر کیا خدا پر بھی واجب تھا کہ اُن جناب کو چار قسم کے عوض عطا کرے پانی کے اقسام میں خدا نے چار قسم کے پانی حضرت کو عطا فرمائے پہلے تو آب کوثر دیا یہ حق آپ کا پیاسے رہنے کے بعد اور اصحاب کے پیاسے رہنے کے بعد ملا ہے کہ سیراب کیا خدا نے ان شہیدوں کو آب کوثر سے زمین کربلا پر جس وقت وہ لوگ شہید ہو کر زمین پر گرے بلکہ ابھی ان شہیدوں کی روح جسم سے نکلنے نہیں پاتی تھی کہ جام کوثر سے خدا انکو سیراب کر دیتا تھا، جناب علی اکبر سے یہ روایت ہے کہ جس وقت آپ گھوڑے پر سے زخمی ہو کر گرے پکار کر کہا تھا اے پدر بزرگوار یہ میرے نانا محمد مصطفےٰ صلعم نے مجھکو جام کوثر پلا دیا ہے اب اسکے بعد کبھی پیاسا نہ ہونگا اس روایت کی تصدیق اس حدیث سے ہوتی ہے کہ امام حسینؑ جب اس شاہزادے کو جہاد کیواسطے بھیجا تھا تو فرمایا تھا اے فرزند قریب وہ زمانہ ہے کہ تمھارے نانا اپنی پورے جام لبریز سے سیراب

کرینگے کہ پھر تم کو کبھی پیاس نہ لگے گی ''

اسی طرح علامہ کنتوری اپنے دوسرے رسالہ مفارقات الحسینیہ والعثمانیہ میں یہ ظاہر کرتے ہوئے کہ امام مظلوم صاحب اعجاز تھے اور خلیفہ سوم عثمان ایسے نہ تھے یہ تحریر فرماتے ہیں کہ،

''اور امام حسین پر جب پانی بند ہوا خدا نے چشمۂ آب جاری کر دیا جس کا پانی برف سے زیادہ سرد اور شہد سے زیادہ شیرین تھا یہ چھٹی تاریخ محرم کا قصہ ہے اور بروز عاشورا اپنی انگشت سے ایک خط زمین پر کھینچا جس سے ایک چشمۂ شیرین جاری ہوا اور اپنے ہمراہیوں کو شہادت سے پہلے اسی پانی سے سیراب کیا وہ بزرگوار ٹھنڈے کلیجہ جوار الٰہی کو پہنچے (مفارقات صفحہ ۳۶)

اسکے بعد دفع دخل کرتے ہوئے پھر ارشاد کرتے ہیں،

''لیکن یہ اعتراض اس روایت پر جو کیا جاتا ہے کہ پھر رونا نالہ و زاری کرنا عزاداروں کا سب بیجا ہے اور پیاس کی شکایت غلط ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ فعل حضور کا قریب مرنے ہر ایک شہید کے تھا اور اس سے پہلے سب پیاسے تھے اور اس چشمہ کا کسی کو نظر نہ آنا چونکہ براہ معجزہ جاری ہوا تھا کچھ بعید نہیں کہ فقط امام حسین ہی نے اسکو دیکھا ہو.....''

''کیا تم نے جناب علی اکبر کا یہ فرمانا نہیں سنا ہے کہ بآواز بلند پکار کر قریب جان بحق تسلیم ہونے کے انھوں نے کہا اے میرے پدر بزرگوار میرے نانا رسولؐ نے مجھے اپنے کاسۂ لبریز سے سیراب کر دیا یہ روایت بھی ہمارے اس مطلب کی تائید کرتی ہے جس کے درپے ہم اس وقت ہو رہے ہیں... بہت بعید ہے کرامت سے حجتہائے خدا کی اور انکے انصاف سے کہ اپنی اولاد کو سیراب کریں اور اصحاب اغیار کو پیاسا رہنے دیں (یعنی جس طرح آخر وقت روح مبارک اور جسم اطہر کی مفارقت سے کچھ پہلے نزع کے عالم میں حضرت علی اکبر رسول اللہ کے جام دینے سے سیراب ہوئے اسی طرح دوسرے شہدا بھی سیراب ہوئے ہونگے) (مفارقات صفحہ ۳۷، ۳۸)

علامہ کنتوری کی ان عبارتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ امام حسین اور اصحاب کی تین دن کی تشنگی کے قائل ہیں، اور موصوف کی تحریر سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پانی ساتویں تاریخ کے پہلے ہی سے بند تھا لیکن چونکہ ابھی تک ابتلائے الٰہی میں نہیں مبتلا تھے اسلیئے اپنے اعجازی طاقت سے پینے کے لئے چھٹی کو پانی حاصل کر لیا لیکن جب ساتویں تاریخ سے [illegible] کا امتحان ان حضرات سے

لیا تو معجزہ کے اظہار کا محل و موقع نہ رہا کیونکہ معجزہ کا صدور بغیر خدا کے حکم کے ہو ہی نہیں سکتا تھا، خود پیغمبر نے بھی صرف لوگوں کے کہنے یا اپنی طبیعت سے کوئی معجزہ نہیں ظاہر کیا جب تک کہ اظہار معجزہ کیلئے مامور نہیں ہوئے، اسی وجہ سے ساتویں سے لیکر عاشور کی اُس گھڑی تک جبتک کوئی شہید جانکنی کے عالم میں نہ ہو آپ نے اپنے معجزہ سے کسی کو سیراب نہیں فرمایا، ہاں جب امتحان کی گھڑیاں ختم ہو گئیں و خدا کی راہ میں مرنے والے پیاسے شہید کامیابی کے ساتھ دار دنیا سے جنت کو جانے لگے تو اسوقت امام نے اپنے فضل و کرم سے جانکنی کے وقت آب کوثر سے ہر ایک کو سیراب کیا جیسا کہ علامہ کنتوری کے ارشاد سے ظاہر ہے یہ موقع مافوق البشر طاقتوں سے کام لینے کا نہ تھا، آخر امام علیہ السلام نے جنوں اور ملائکہ کی نصرت کو قبول کرنے سے کیوں انکار کیا، در اصل اعجازی شان اور مافوق البشر قوت کو ظاہر کرنے کا اگر محل ہوتا تو آپ مذبوح و مقتول ہی نہ ہوتے، مقام ابتلا میں امام نے معجزہ کو نہیں ظاہر فرمایا، اس کا ثبوت اس سے بھی ہوتا ہے کہ جب حضرت علی اکبر نے پیاس کی شکایت ان الفاظ میں کی «بابا کیا کوئی صورت میرے سیرابی کی ہے، یہ سنکر امام نے ارشاد فرمایا کہ بیٹا یہ امر مجھ پر بہت گراں ہے کہ تم پانی طلب کرو اور میں تم کو نہ سیراب کر سکوں اس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ امام کے امکان میں اپنے پیاسے بیٹے کو سیراب کرنا اس وقت نہ تھا اور نہ آپ اس وقت اپنی قوت امامت کو کام میں لا سکتے تھے، چنانچہ آقائے دربندی تحریر فرماتے ہیں۔

تم انا نتم ھذ المجلس بما یضیق صدری عن کتمانہ و ھو سوال یختلج بالقلوب فی بعض الاوقات وبیانہ ان علی الاکبر ھو الذی قد رزق من العلم رزقاً فکیف طلب من ابیہ جرعۃ من الماء مع انہ کان عالماً بفقد الماء عند ھذا اقول انا بجواب عند فی غایۃ الظھور الا انہ یحرق القلوب ویجری من العیون الدموع وبیان ذالك انا نعلم علماً یقیناً ان حجۃ اللہ علی جمیع خلقہ کان اقدر خلق اللہ علی کل ما یرید فمن کانت صفتہ ھذہ لا یعجز عن [illegible] من الماء وعلی الاکبر کانت

اس مجلس کو ختم کرنے سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال پر روشنی ڈالوں جس سے بعض اوقات دل کو ایک بے چینی سی ہوتی ہے، مطلب یہ ہے کہ جناب علی اکبر جنھوں نے علم و معرفت کو خوب سیر ہو کر حاصل کیا تھا باوجود اس آگاہی کے کہ پانی خیمہ میں نایاب ہے اپنے پدر بزرگوار سے ایک گھونٹ پانی کا سوال کس بنا پر کیا تھا؟ میں اسکے جواب میں عرض کرتا ہوں جو بہت روشن ہے لیکن جس سے قلوب جل اٹھیں اور آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاویں، مطلب یہ ہے کہ ہمکو اسکا علم یقین ہے کہ حجت خدا تمام مخلوق پر بہ نسبت کسی دوسرے کے

معرفتہ بحق ابیہ اتم واکمل من معرفتہ سائر الناس بہ وقد رای من معجزاتہ اکثر من ان تحصی وفوق ان تستقصی وقد ورد فی بعض الاخبار المعتبرۃ عن کثیر بن شاذان قال شہدت الحسین وقد تشتھی علیہ ابنہ علی الاکبر عنباً فی غیر اوانہ فضرب بیدہ الی ساریۃ المسجد فاخرج لہ عنباً وموزاً فاطعمہ و قال ما عند اللہ لاولیائہ اکثر الحدیث، فمراد علی الاکبر کان ان یسقیہ الماء من طریق المعجزہ وخارق العادۃ فاشار الامام بکلماتہ الشریفہ مثل قولہ لغیران تطلب الماء ولا اسقیک ونحو ذلک نہج العادۃ فی باب المجاھدات وشدت العطش و نحو ذلک لانہ شاء اللہ تعالی ان یرانا مقتولین مذبوحین ونحن نلوک السنتنا من شدۃ العطش والظماء -

(اکسیر العبادات صفحہ ۳۱۳)

تصرف کرنے پر زیادہ قدرت و اختیار رکھتا ہے اور جو چاہے وہ کر سکتا ہے، پس امام جو حجت خدا ہے وہ اپنے فرزند کو ایک گھونٹ پانی پلانے سے عاجز نہیں ہو سکتا، خود حضرت علی اکبر کو بھی بہ نسبت اور لوگوں کے اپنے باپ کی معرفت زیادہ تمام و کمال کیساتھ حاصل تھی اور اپنے پدر بزرگوار کے معجزات و کرامات کا مشاہدہ بکثرت فرما چکے تھے چنانچہ معتبر حدیث ہے جسکو کثیر بن شاذان نے روایت کی ہے کہ میں نے دیکھا کہ امام حسین سے ان کے فرزند علی اکبر انگور کی خواہش کر رہے تھے حالانکہ انگور کی فصل نہ تھی، امام حسین نے ستون مسجد پر ہاتھ مارکر علی اکبر کیلئے انگور و کیلوں کو نکالا جسکو حضرت علی اکبر نے نوش کیا اور امام نے فرمایا کہ خدا کے خزانہ میں اسکے اولیاء کے لئے کچھ کمی نہیں ہے،

الغرض روز عاشور امام حسین سے علی اکبر کا پانی طلب کرنے کا مقصد یہ تھا کہ حضرت اپنے فرزند کو بطور معجزات و کرامت سیراب فرما دیں لیکن امام حسین علیہ السلام نے اپنے اس جواب سے کہ بیٹا یہ امر میرے اوپر بہت دشوار ہے کہ تم پانی طلب کرو اور میں سیراب نہ کر سکوں، یہ اشارہ ہے اس امر کی طرف کہ بیٹا یہ محل کرامت و معجزے کے ظاہر کرنے کا نہیں ہے بلکہ یہ مقام امتحان و مجاہدہ اور انتہائی تشنگی کے برداشت کرنے کا ہے اسلئے کہ خدا یہ چاہتا ہے کہ ہم بظلم و ستم قتل کئے جاویں اور شدت تشنگی و عطش سے ہم اپنی زبانوں کو چباویں،

الغرض شہدائے کربلا کا ساتویں محرم سے لیکر دسویں محرم تک پیاسا رہنا ایک ایسا مسلمہ ہے، جس پر تمام شیعوں کا اتفاق ہے اور کوئی بھی اس سے انکار نہیں کرتا ہے - دراصل امام علیہ السلام نے

مافوق البشری طاقت کا مظاہرہ مقام امتحان میں نہیں فرمایا، صرف امام مظلوم ہی نے نہیں بلکہ حضرات انبیاء نے ان امتحانی مواقع میں اعجازی طاقتوں سے کبھی بھی کام نہیں لیا ہے۔

اصل یہ ہے کہ اس قسم کی روایات اموی دور کی گڑھی ہوئی ہیں یا ایسے لوگوں نے وضع کی ہیں جو فاسد العقیدہ اور غالی مسلک کے تھے ان روایات کو صحیح العقیدہ شیعہ کبھی بھی تسلیم نہیں کر سکتا، دنیا جانتی ہے اموی و عباسی دور وہ تھا جس میں حدیث سازی کے ذریعہ سے اہل حق کو گمراہ کرنے اور فضائل و کمالات اہلبیت طاہرین پر پردہ ڈالنے اور ان حضرات کی عظمت و منزلت کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی تھی، جناب مجلسی علیہ الرحمہ جلاء العیون صفحہ ۱۵۹ میں جناب صدوق علیہ الرحمہ کی علل الشرائع سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا یہ ارشاد روز عاشور کے متعلق بیان فرماتے ہیں:۔

"کہ چون جدم حسین شہید شد مردم در شام تقرب جستند بسوئے یزید پلید و احادیث از برائے او وضع کردند و اموال و جوائز گرفتند و احادیثے کہ از برائے ایشان وضع کردند احادیث فضیلت و برکت این روز بود تا اینکہ مردم عدول نمایند از جزع و گریہ و مصیبت و اندوہ بسوئے فرح و شادی" یعنی جب میرے جد مظلوم امام حسین شہید ہوئے تو شامیوں نے یزید کی خوشنودی اور اس سے تقرب کیلئے خوب روایات گڑھیں اور انعام حاصل کئے، انھیں من گڑھنت روایتوں میں سے روز عاشور کی فضیلت و برکت کی روایتیں بھی ہیں جنکا منشا یہ ہے کہ لوگ غم و الم منانے کے بجائے خوشی و مسرت منائیں، اموی دور کی یہی من گڑھنت روایتیں جو شہادت حسینی یا فضائل اہلبیت کی عظمت گھٹانے کیلئے بنائی گئی تھیں بعد میں اصل روایات کے ساتھ ایسی خلط ملط ہوگئیں کہ اچھے اچھے لوگوں نے انھیں لے لیا، ملاحظہ ہو ناسخ التواریخ جلد ۶ صفحہ ۷۳ کی یہ عبارت "در پایان کار چنان شد کہ این احادیث مجعولہ را حق دانستند حتی دینداران کہ ہرگز ساحت ایشان بکذب آلودہ نگشتی این روایات را بپذیرفتند"، یعنی آخر الامر میں یہ ہوا کہ ان جعلی اور من گڑھنت روایتوں کو لوگوں نے صحیح سمجھ لیا یہانتک کہ دیندار لوگوں نے بھی انھیں لے لیا جنکا دامن کذب و دروغ سے آلودہ نہ تھا۔ جناب صدوق ابن بابویہ قمی، علامہ مجلسی، مورخ سپہر کاشانی کی ان تصریحات کے بعد کوئی شبہہ نہیں باقی رہتا کہ پانی کی موجودگی کی ایک آدھ روایت جو مسلمہ تاریخی حقیقت کے خلاف ہے قطعاً دشمنان حسین کی ایجاد کردہ ہیں جنکو مقام تحقیق میں کبھی بھی نہیں پیش کیا جاسکتا

محقق کا عموماً قاعدہ تو یہ ہے کہ اگر کسی خبر متواترہ مشہورہ کے خلاف کوئی قول دیکھتے ہیں تو اس پر ناقدانہ
نظر ڈالتے ہیں ورا سطور سے نہیں نقل کرتے جس سے عوام دھوکے میں مبتلا ہو جاویں اسی کے متعلق
علامہ نوری طبرسی فرماتے ہیں۔

"اگر خبرے یا حکایتے در کتاب عالم دید اگرچہ در نقل آن از آنجا بر او محذورے نیست ولکن باست
تأمل کند و ملتفت شود بلکہ تجسس نماید کہ علمائے دیگر مبادا خلاف آن را ذکر کردہ باشند بنحویکہ خلاف
واقع بودن خبر اول ظاہر و مبین شود، باید ظاہر آن کلام را تاویل نماید پس در چنین مقام اولا مستند
نقل خود را بگوید و بنحو جزم خودش خبر ندہد کہ مثلاً امام علیہ السلام چنین بود یا گفت یا کرد کہ مبادا گوش
کنندگان مغرور شوند خصوص اگر صاحب آن کتاب از بزرگان علما باشد،، (لولو و مرجان صفحہ ۱۰۶)

بیشک اگر ہم کوئی روایت کسی شیعی عالم کی کتاب میں دیکھیں تو اسکو نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے
لیکن اسکے خلاف اگر علمائے شیعہ کی اور روایات بھی ملیں تو اس روایت کے نقل کرنے میں ہمکو بڑی
احتیاط کی ضرورت ہوگی خصوصاً اس صورت میں اور بھی جبکہ اُن روایات سے پہلی روایت کے خلاف واقع
ہونا ظاہر ہو جائے ظاہر ہے کہ اس حالت میں ہمکو پہلی روایت کی تاویل کرنی پڑیگی، اور اس روایت
کو ہم کبھی بھی ایسے الفاظ کے ساتھ نہ نقل کرینگے جس سے جزم ویقین کا اظہار ہوتا ہو، مثلاً یہ کہ امام نے
یہ فرمایا یا یہ کیا یا خود امام ایسے تھے، ان الفاظ میں اسکو نہ ادا کرینگے، ایسی روایت کو بیان کرنے
کے وقت ان روایات کو پیش کرنا ضروری ہے جو اس کے خلاف ہیں تاکہ لوگ فریب میں نہ مبتلا
ہوں، اس امر کو ایک مثال سے ہم زیادہ واضح کر سکتے ہیں، تمام شیعوں کا اس پر اتفاق ہے (نہ صرف
شیعہ بلکہ اکثر مورخین ومحدثین اہلسنت کا بھی اسی پر اتحاد ہے) کہ امیر المومنین کی ولادت باسعادت خانہ
کعبہ میں ہوئی لیکن اس خبر متواتر و اجماع ملت کے خلاف شیخ شاذان بن جبرئیل کی کتاب فضائل میں
خبر ولادت اسطرح مذکور ہے جس سے یہ مستفاد ہوتا ہے کہ آپ خانہ ابو طالب ہی میں پیدا ہوئے لیکن
اس خبر کو کوئی بھی مقام حجت وسند میں نہیں پیش کر سکتا ہے کیونکہ تاریخی حقیقت اور شیعوں کا مسلک
اس کے خلاف ہے، علامہ نوری طبرسی فرماتے ہیں۔

"واین مخالف است با اخبار بیشمار ونص علماء اخیار و مضامین خطب واشعار در تمام
اعصار کہ ولادت باسعادت آنحضرت در داخل کعبہ معظمہ [illegible]

احدے از انبیا و اوصیاء دران شرکت ندارند و بعید نیست کہ از ضروریات مذہب امامیہ باشد
کہ پیوستہ بآن افتخار میکنند، (لولوء و مرجان صفحہ ۱۱۱)

خلاصہ یہ کہ شیخ شاذان کی کتاب فضائل میں جو امر مذکور ہے وہ مخالف ہے۔ بے شمار اخبار
و نص علماء اخیار، اور مضامین خطب و اشعار کے جو ہر زمانہ میں مشہور و زبان زد رہے ہیں کہ امیرالمومنین
کی ولادت باسعادت اندرون کعبہ ہوئی اور حضرت کی یہ وہ خصوصیت ہے جس میں کوئی پیغمبر یا وصی پیغمبر
آپ کا شریک نہیں ہے اور کوئی شک نہیں کہ جناب امیر کا خانہ کعبہ میں پیدا ہونے کا یقین رکھنا ضروریات
مذہب امامیہ میں سے ہے کہ جس پر شیعیان علی برابر فخر کرتے چلے آرہے ہیں،

بالکل اسیطرح شہدائے کربلا کی تشنگی کا مسئلہ ہے کہ تمام روایات و اخبار، و اقوال علماء اخیار
و مورخین با اعتبار اور ہر عہد کے مضامین خطب و اشعار سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ حضرات تین دن تک
بھوکے اور پیاسے رہے اور سلف سے خلف تک تمام شیعوں کا اس پر اتفاق ہے کہ تین دن کی بھوک
و پیاس میں ان حضرات نے انتہائی جرأت اور صبر و استقلال کا مظاہرہ کیا جسکو اقوام عالم کے سامنے
شیعیان علی افتخار کے موقع پر پیش کرتے ہیں اس بنا پر شیعی نقطہ نظر سے جس طرح امیرالمومنین کی ولادت
کے متعلق یہ یقین رکھنا کہ آپ خانہ کعبہ میں پیدا ہوئے ضروریات مذہب امامیہ سے ہے اسی طرح شہدائے
کربلا کی تشنگی پر یقین رکھنا بھی ضروریات مذہب امامیہ سے ہے بلکہ اس سے انکار کرنا نہ صرف انکار
شیعیت ہے بلکہ خدا و رسول و ائمہ علیہم السلام کی تکذیب کرنا ہے، کیونکہ حدیث قدسی و کلام
معصوم سے تشنگی کا اثبات ہوتا ہے۔

اس بنا پر منکر عطش شہدائے کربلا کا اسلام ہی رخصت ہوجاتا ہے، غالباً یہی وجہ ہے جسکی بنا پر
اہلسنت بھی آج تک اسکے منکر نہیں ہوئے۔ رہا انکار کرنیوالوں نے تو یہانتک انکار کیا ہے کہ حسین
مظلوم شہید ہی نہیں ہوئے، بلکہ خدا نے حضرت کو بچالیا جسطرح حضرت عیسی کو بچایا تھا، اور یہ لوگ اپنے
استدلال میں اس آیت کو بھی پیش کرتے کہ "ولن یجعل اللہ للکافرین علی المومنین سبیلاً"
(خداوند عالم مومنین پر کفار کو غلبہ نہیں دیتا)

اس عقیدہ کا اظہار سب سے پہلے حنظلہ بن سعد الشامی نے کیا تھا، امام جعفر صادق علیہ السلام
... ارشاد فرمایا "ماہولاء من شیعتی وانی بریٔ منہم"

میں ان لوگوں سے بیزار ہوں یہ ہمارے شیعہ نہیں ہیں، اسکے بعد فرمایا "لعن اللہ الغلاۃ و المفوضۃ"، خدا ان غالیوں اور مفوضہ پر لعنت کرے، (علل الشرائع) اسی طرح جب امام جعفر صادق علیہ السلام سے ان لوگوں کے متعلق دریافت کیا گیا تو ارشاد ہوا "کذبوا علیہم غضب اللہ ولعنتہ وکفروا"، یہ لوگ جھوٹے ہیں ان پر خدا کی لعنت و غضب نازل ہو یہ کافر ہو گئے۔ (عیون اخبار الرضا)۔ حضرت حجۃ عجل اللہ فرجہ نے بھی ایک توقیع مبارک کے ذریعہ ارشاد فرمایا ہے

"اما قول من زعم ان الحسین علیہ السلام لم یقتل فکفر وتکذیب وضلال" (احتجاج طبرسی)

لیکن اس شخص کا قول جو یہ گمان کرتا ہے کہ امام حسین علیہ السلام قتل نہیں ہوئے یہ کفر ہے اور وہ جھوٹا و گمراہ ہے۔

غرضکہ اس گمراہ گروہ غلات نے شیعی لباس میں ظاہر ہو کر بہت سے خلاف عقیدہ اور گمراہ کن امور کو ظاہر کیا ہے، کسی نے تو یہ کہا کہ حسین خدا کے محبوب تھے دشمن ان پر کیونکر غلبہ پا سکتے تھے اسلیے وہ قتل ہی نہیں کئے گئے بلکہ حضرت عیسیٰ کی طرح ان کو بھی خدا نے بچا لیا، کسی نے گمراہی کی اشاعت یوں کی کہ حسین اقتدار و قدرت رکھتے تھے انکو پیاس کی صعوبت و تکلیف نہیں اٹھانی پڑی بلکہ معجزہ کے ذریعہ خود بھی سیراب ہوئے اور اپنے اصحاب کو بھی سیراب کیا اور تائید میں اس ضعیف خبر کو پیش کیا جاتا ہے۔

عن الحسن بن علی عن محمد بن سنان عن المفضل بن عمر قال قال ابو عبد اللہ علیہ السلام لما منع الحسین صلوات اللہ علیہ واصحابہ الماء نادی فیھم فلیجی ناتاہ رجل رجل ویجعل ابھامہ فی راحۃ واحدھم فلم یزل یشرب الرجل بعد الرجل حتی ارتووا فقال بعضھم لبعض لقد شربت شرابا ما شربہ احد من العالمین فی دار الدنیا

حسن بن علی سے محمد بن سنان نے اور محمد بن سنان سے مفضل بن عمر نے بیان کیا کہ ان سے امام جعفر صادق نے فرمایا کہ جب حسین اور ان کے اصحاب پر پانی بند کیا گیا تو آپ نے آواز دی کہ آؤ میرے اصحاب میں سے ایک ایک شخص آیا اور آپنے انگوٹھے کو ان کی ہتھیلی پر رکھ دیا جس سے شیریں پانی جاری ہوا یہانتک کہ تمام اصحاب نے اسی طرح یکے بعد دیگرے پیا

ایک دوسرے سے کہتے تھے کہ ہم لوگوں نے ایسا خوشگوار پانی پایا کہ دنیا میں آجتک کسی نے بھی نہ پیا ہوگا۔

اس روایت کے راوی تین شخص ہیں (۱) حسن بن علی (۲) محمد بن سنان (۳) مفضل بن عمر

۱۔ حسن بن علی کے متعلق ہے۔

حسن بن علی بن فضال کوفی یکنی ابا محمد، وکان الحسن عمرہ کلہ فطحیا مشہورا بذالک حتی حضرہ الموت فمات، قال ابو عمر الکشی کان الحسن بن علی فطحیا،

حسن بن علی تمام عمر فطحی مذہب پر فاسد العقیدہ رہا۔

(کتاب الرجال ابو العباس النجاشی صفحہ ۲۵)

۲۔ محمد بن سنان کے متعلق ہے۔

ھو رجل ضعیف جدا، لا یعول علیہ ولا یلتفت الی ما تفرد بہ، قال ابو محمد الفضل بن شاذان لا احل لکم ان تروو الاحادیث محمد بن سنان، (رجال النجاشی صفحہ ۲۳۰)

یہ بہت ہی ضعیف و ناقابل اعتبار شخص ہے، اسکی روایات پر بھروسہ نکرنا چاہیے اور جس روایت کے بیان کرنے میں وہ منفرد ہو اسکی طرف متوجہ ہی نہ ہونا چاہیے، ابو محمد فضل بن شاذان کہتے تھے کہ تمہارے لئے محمد بن سنان کی احادیث کا روایت کرنا جائز نہیں ہے۔

۳۔ مفضل بن عمر کے متعلق ہے۔

فاسد المذھب مضطرب الروایۃ لا یعبأ بہ وقیل انہ کان خطابیا وقد ذکرت لہ مصنفات لا یعول علیھا، (رجال النجاشی صفحہ ۲۹۵)

یہ شخص بد عقیدہ و فاسد المذہب ہے اور مضطرب الروایت ہے کہا جاتا ہے کہ باعتبار مذہب کے خطابی عقیدے کا ہے اسکی مصنفات ہیں لیکن غیر معتمد ہیں۔

ظاہر ہے کہ ایسی روایات جنکے روایت کرنے والے بد عقیدہ اور فاسد المذہب ہوں انکو کیسے قبول کیا جا سکتا ہے، روایت کا پہلا راوی وہ ہے جو غلات کے فرقہ خطابیہ سے تعلق رکھتا ہے جو ابو الخطاب محمد بن ابی زینب کی نبوت کے قائل ہیں، یہ غالی فرقہ وہ ہے جو یہ کہتا ہے کہ

دوسرا راوی اتنا غیر معتبر ہے کہ اس سے روایت کرنا ناجائز ہے۔ تیسرا راوی فطحی مذہب کا ہے جو عبداللہ بن جعفر کی امامت کے معتقد ہیں، اس بنا پر مذہب حقہ امامیہ اثنا عشریہ کے پیرو ایسی روایت کو کیونکر تسلیم کر سکتے ہیں، یہ وہ روایات ہیں جو مذہب حق سے ہٹانے کیلئے وضع کی گئی ہیں، لہذا ان روایات کو کوئی صحیح العقیدہ شیعہ نہیں قبول کر سکتا۔ بلکہ وہ یہی عقیدہ رکھتا ہے کہ حسینؑ مع اپنے اصحاب کے آخری وقت احتضار تک پیاسے تھے حقیقت یہ ہے کہ واقعہ کربلا ایک عظیم امتحان تھا جو امام حسینؑ اور حضرت کے اعزا و اقربا و اصحاب سے لیا گیا۔ اس امتحان میں جانکنی کے وقت تک کئی دن سے تشنگی کا ہونا بھی ایک ابتلائے عظیم ہے اسلئے معجزہ و کرامات کے ذریعہ تین دن تک سیر و سیراب ہونے کا کوئی موقع نہ تھا، اسوقت رضائے الٰہی ان حضرات کے پیش نگاہ تھی، ہاں امتحان میں کامیاب ہو جانیکے بعد روح کی مفارقت کے وقت اگر خداوند عالم ان شہدائے راہ خدا کو اپنے آب رحمت سے سیراب کر دے تو نہ محل اعتراض ہے اور نہ قحط آب و تشنگی کے منافی ہے لیکن اس چیز کو مؤلف شہید انسانیت اور انکے متبعین اپنی تائید یعنی ثبوت سیرابی میں نہیں پیش کر سکتے

خاتمہ کلام

ناظرین سے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ مؤلف شہید انسانیت کے ہفوات کو اس حصہ میں مکمل نہیں پیش کر سکا ہوں انشاء اللہ دوسرے حصہ میں ان تمام مزخرفات کو مع نقد و تبصرہ کے تفصیل کے ساتھ پیش کر سکونگا۔ خصوصاً مؤلف مذکور کے وہ آراء باطلہ جنکو عصمت ائمہ علیہم السلام کے خلاف تحریر کیا گیا ہے، اسی طرح ان مضامین پر بھی نظر ڈالوں گا جن سے (معاذ اللہ) امام مظلوم کی بغاوت اور یزیدیوں کی برأت کا اثبات ہوتا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ مؤلف شہید انسانیت کے انداز قلم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے شیعی عقائد و تاریخی حقائق کے خلاف لکھنا اپنا دستور ہی بنا لیا ہے یہی وجہ ہے جس کی بنا پر حضرت ابوطالب کے ایمان پر بھی حملہ کیا گیا ہے (شہید انسانیت صفحہ ۲۹) حالانکہ ابوطالب کے محافظ رسول و معین اسلام کا ایمان بھی ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا (تاریخ ابوالفدا جلد اول صفحہ ۱۲۲ طبع خالص الگمرگ)۔

حضرت ابوطالب کے ایمان کے متعلق [illegible]

ابو محمد دیباجی، ابونعیم علی بن حمزہ بصری، شیخ مفید، سید ابن طاؤس، سید حسین کرکی، میرزا محسن تبریزی

وغیرہم نے مستقل کتابیں "ایمان ابوطالب" کے نام سے تالیف کی ہیں۔

اسکے علاوہ اس موضوع پر حسب ذیل مستقل کتابیں اور لکھی گئی ہیں۔ اخبار ابوطالب، البیان عن خیرۃ الرحمٰن، الحجۃ علی الذاہب، الرغائب الشہاب الثاقب، شیخ الابطح، فصاحۃ ابیطالب، فضل ابیطالب، القول الواجب، مسألۃ عن ایمان اباء النبی، مقصد الطالب، منی الطالب، منیۃ الطالب، مواہب الواہب، ابوطالب، وغیر ذالک۔

علماء اہلسنت میں سے بغیۃ الطالب لایمان ابیطالب علامہ سیوطی نے اور اسنی المطالب فی نجاۃ ابی طالب علامہ احمد بن زینی دحلان مفتی شافعی نے اور نجات ابی طالب علامہ برزنجی کردی نے لکھیں، اور اردو میں ایک رسالہ "حیات ابوطالب" مولانا خالد میاں جاگیردار بھوپال نے تحریر کیا، لیکن مؤلف شہید انسانیت کو اسکے باوجود بھی ایمان حضرت ابوطالب کے متعلق تامل ہے، انشاء اللہ اظہار حقیقت حصۂ دوم میں اس امر پر بھی تفصیل کے ساتھ روشنی ڈالوں گا۔

شہید انسانیت کی ایک خاص خصوصیت تضاد بھی ہے، پوری کتاب متضاد بیانات پر مشتمل ہے جس سے کسی بیان و مضمون پر وثوق و اعتماد نہیں حاصل ہوتا، شروع سے آخر تک مطالعہ کرنے کے بعد امام حسین علیہ السلام کی وہ شخصیت جو "مامور من اللہ" ہونے کی حیثیت سے ہے نگاہوں کے سامنے نہیں آتی، بلکہ ایک معمولی انسان کی حیثیت سے حضرت کو پیش کیا گیا ہے، سید علی صفدر صاحب ایم۔ اے ال۔ ال۔ بی سابق اڈیٹر "تلاش حق" نے اس کتاب کے متعلق جو رائے ظاہر فرمائی ہے وہ بالکل صحیح ہے۔ فرماتے ہیں:-

حقیقت یہ ہے کہ جن اصول پر اس کتاب کو تالیف کیا گیا ہے ان سے اس میں دو سُقم پیدا ہو گئے ہیں، پہلا سقم یہ ہے کہ اس کتاب کے بیان میں سید الشہداءؑ کے مامور من اللہ ہونے سے، معصوم ہونے سے، امام ہونے سے، مورد الہام اور صاحب اعجاز ہونے سے قطع نظر کر لی گئی ہے، اسلئے امام کو ایک مسلمان، صالح با اخلاق انسان فرض کیا گیا ہے، اور اسی حیثیت سے آپ کا کل حال لکھا گیا ہے، خوش عقیدہ علمائے اہلسنت کا بھی امام کے ساتھ یہی عقیدہ ہے، اور یہی امور ان کے یہاں مفروض ہیں، اسلئے اس کتاب کا بیان علمائے اہلسنت کے بیان کے ساتھ متحد ہو گیا ہے۔ لیکن ایک شیعہ مجتہد

سے قمرے اہلسنت کے مسلک کی تائید مذہب شیعہ کا رد ہے اور مخالف کیلئے حجت ہے۔ اسلیئے کل

کتاب محل اعتراض میں آگئی اور ہر شیعہ اس سقم کو محسوس کرتا ہے۔

دوسرا سقم، یوں سمجھایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی شخص کے سوانح حیات لکھے جائیں اور اسکے مرتبہ اور اس مرتبہ سے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہیں ان سے قطع نظر کرلی جائے تو وہ کتاب گمراہ کن ہوگی اور اس میں جسقدر توجیہات ہونگے باطل ہونگے۔ اسلیئے اگر اہلیت دین اور مفہوم رسول یا امام سے قطع نظر کرلی جائے اور وہ فرائض جو تحفظ دین میں امام پر عائد ہیں انکو ملحوظ نہ رکھا جاوے تو رسول یا امام کے سوانح اپنے صحیح صورت پر ظاہر نہ ہونگے کیونکہ فرائض امامت اسکے افعال اور روش پر موثر رہے ہیں اور تمام توجیہات جو منصب امامت و نبوت سے قطع نظر کرکے کیئے جاوینگے وہ سب باطل ہونگے یہی وجہ ہے کہ نبی صلعم کے سوانح حیات جب کوئی کافر لکھتا ہے تو واقعات کی عجیب توڑ مروڑ ہو جاتی ہے۔ یہ دوسرا عیب بھی پوری کتاب میں سرایت کرگیا ہے۔ حسب ذیل امور سے ان وجوہ و اسباب کا پتہ چلتا ہے جنکی وجہ سے مؤلف غلطی میں مبتلا ہوا ہے۔

(۱) مؤلف کا اپنے بیانات کو بزعم خود از روئے تاریخ محقق سمجھنا۔

(۲) اور صرف اسپر اکتفا کرنا کہ ناظرین امام حسینؑ کو ایک اچھا انسان ہی سمجھ لیں۔

(۳) اور امام کو شہید انسانیت بایں معنی قرار دینا کہ انھوں نے یہ کام خدمت خلق کی غرض سے انجام دیئے۔ بجائے اسکے کہ اُن کے تمام افعال بہ نیت قربت یعنی رضائے الٰہی کی تحصیل سے مقرون تھے۔

(۴) اور ملاحدہ کا یہ عام خیال قبول کرلینا کہ انسان کیلئے خدمت خلق کا اختیار کرنا سب سے بڑی نیکی ہے۔

یہ تمام امور ثابت کرتے ہیں کہ:-

(۱) مؤلف دین الٰہی کو مجموعہ عقائد جانتا ہے جسپر برہان قائم نہیں۔

(۲) اُن عقائد کو مجموعہ روایات سے ماخوذ جانتا ہے (بجائے قطعیات کے)

(۳) اُس کے ذہن میں رسالت یا امامت کا نہ صحیح مفہوم ہے نہ مبرہن ہے۔ نہ ائمہ اثنا عشر کے امام ہونے پر اس کے پاس قطعی دلائل

(۴) ، اور نہ اسکو دین الٰہی کا صحیح مفہوم حاصل ہے کہ امام کیلئے ان کے افعال کی صحیح نیت نہیں
تجویز کرتا ، اسلئے تنزل کرکے یہ سعی کرتا ہے کہ اے لوگو ! ہمارے امام کو ایک اچھا آدمی ہی
مان لو - یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اگر امام کو کسی نے اچھا آدمی مان لیا تو اس شخص کو کیا فائدہ ہوگا
اور ہم کو کیا نفع ہوگا -

اس روش کا نتیجہ یہ ہے کہ جب انگریزیت زدہ مسلمان یہ دیکھکر کہ مولوی بھی اب رسالت
وعصمت والہام واعجاز کا نام نہیں لیتے تو سمجھیں گے کہ ہمارا خیال صحیح نکلا کہ رسول صرف مصلحان
قوم ہے جیسے سرسید ، گاندھی ، کیونکہ اب علماء میں روشنی پہنچی تو وہ بھی ہمارے ہم خیال ہونے لگے
اور اپنے پرانے عقائد کو زبان پر لانے سے شرمانے لگے - اسوجہ سے مؤلف کتاب (شہید انسانیت)
کی بحیثیت شیعہ عالم کے موت واقع ہورہی ہے گو اس وقت انکو اسکا ادراک نہوتا ہو -

یہ ہے اس فاضل جید کی رائے جو علوم مغربی کا ماہر ہے اور علوم مشرقی سے خاص ذوق
رکھتا ہے -

رہا یہ خیال کرنا کہ کسی عالم کیوجہ سے ضلالت وغوایت کا امکان کیونکر ہو سکتا ہے - تو اسکو
احادیث معصوم کی روشنی میں معلوم کر لیجیئے -

علماء سوء کے متعلق قول معصوم

اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کی یہ زمین اسکے نیک بندوں سے کبھی خالی نہیں رہی اور ہر عہد
میں ایسے علمائے کرام ہوتے رہے جو اپنے فریضہ رشد وہدایت کو انجام دینے کی وجہ سے "کانبیاء
بنی اسرائیل" تھے اور ماشاء اللہ آج بھی ایسے علماء ہونگے جو اپنے فریضہ ہدایت سے غافل نہونگے
اور جو اپنے اظہار حق کی وجہ سے عوام میں کچھ زیادہ مقبول بھی نہوں بلکہ ارشاد رسول کے مطابق
ایسے علماء سے لوگ بھاگتے ہوں گے ارشاد ہوتا ہے -

سیاتی زمان علی امتی یفرون من العلماء کما یفر الغنم من الذئب (جامع الاخبار ابن بابویہ قمی صفحہ ۱۰۱)

میری امت پر ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگ علماء سے اسطرح بھاگینگے جیسے بھیڑ و بکریاں گرگ سے

لیکن اسکے ساتھ ہی ساتھ ایسے علماء بھی ہیں جنکو بدترین خلق بتلایا گیا ہے، جیسا کہ پیغمبر صلعم کا ارشاد ہے:

یاتی علی الناس زمان بطونهم الٰهتهم ونساءهم قبلتهم ودنانیرهم دینهم وشرفهم متاعهم لا یبقیٰ من الایمان الا اسمه ولا من الاسلام الا رسمه ولا من القرآن الا درسه، مساجدهم معمورة وقلوبهم خراب عن الهدیٰ علماؤهم اشر خلق اللّٰه علی وجه الارض حینئذ ابتلاهم باربع خصال جور من السلطان وقحط من الزمان وظلم من الولاة والحکام۔ (جامع الاخبار صفحہ ۱۵۰)

ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے کہ لوگوں کے دپیٹ اونکے معبود ہونگے عورتیں اُنکی قبلہ ہونگی روپیہ وپیسہ ونکا دین و مذہب ہوگا دولت و متاع اونکا شرف ہوگا، اس وقت ایمان برائے نام، اسلام برائے رسم، اور قرآن صرف درس کیلئے ہوگا ورنہ ایمان و اسلام اور قرآن کچھ نہوگا مسجدیں بظاہر آباد ہونگی لیکن اہل مسجد کے قلوب ہدایت سے خالی ہونگے اور اس عہد کے علماء روئے زمین پر شریر ترین مخلوق ہونگے یہی وہ وقت ہوگا جب اللہ لوگوں کو بادشاہوں و حاکموں کی ظلم و تعدی اور قحط و فاقہ میں مبتلا کردے گا،

ایکدوسری حدیث میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

یاتی زمان علی امتی امراؤهم یکونون علی الجور وعلماؤهم علی الطمع وعبادهم علی الریاء،

(جامع الاخبار صفحہ ۱۵۱)

میری امت پر ایک ایسا وقت آنیوالا ہے کہ ان کے امراء ظالم ہونگے اور ان کے علماء طامع و لالچی ہونگے اور عبادت کرنے والے مکار،

ایکدوسرے موقع پر حضرت صلعم فرماتے ہیں۔

سیاتی زمان علی امتی لا یعرفون العلماء الا بثوب حسن ولا یعرفون القرآن الا بصوت حسن ولا یعبدون اللّٰه الا فی شهر رمضان

(جامع الاخبار صفحہ ۱۵۱)

امت پر ایک ایسا وقت پڑنیوالا ہے کہ علماء نہ پہچانے جاویں گے مگر اچھے لباس میں اور قرآن بھی مانوس نہ ہوگا سوائے خوش گلوئی کے اور سوائے رمضان کے خدا کی عبادت نہوگی۔

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ آخری زمانہ کے علماء بدترین خلق، حرص و آز کے بندے ہونگے اور انکے ظاہری عبادات و زہد برنبائے مکر و فریب ہوگی۔ اور یہ گروہ اپنے کو ایک مخصوص و مطبوع اچھے لباس میں ظاہر کرے گا، عموماً، بڈھوں، سے پند و نصائح کرنے، اچھائیوں کی طرف رغبت دلانے اور برائیوں سے نفرت کرانے کی امید کیجاتی ...

اس فریضہ سے بھی غافل ہونگے، چاہے یہ بوڑھے ... علماء ہوں یا غیر علماء، ارشاد رسول ہے۔

وشیخهم لا یامر بالمعروف ولا ینهی عن المنکر (جامع الاخبار صفحہ ۱۵۰)

یہ بوڑھے نہ نیک کاموں کی ہدایت کرینگے اور نہ برائیوں سے روکیں گے غرضکہ علماء خصوصاً بوڑھے علماء اپنے فریضہ رشد وہدایت سے بالکل غافل ہونگے، یہ وہ وقت ہوگا جبکہ دیندار انتہائی کرب میں مبتلا ہونگے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

الصابر منهم علی دینه کالقابض علی الجمرة (جامع الاخبار شیخ صدوق ابن بابویہ قمی صفحہ ۱۵۱ طبع نظامی)

دین پر صبر کرنیوالوں کی یہ حالت ہوگی کہ وہ اس طرح بے چین ہونگے جیسے کوئی اپنی مٹھی میں انگارے لئے ہوتا ہے

گمراہ کن علماء کے صحیح خط وخال کو اگر معلوم کرنا ہے تو اس حدیث کو ملاحظہ کیا جاوے جو احتجاج طبرسی میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت نے ایک طولانی حدیث میں علمائے یہود کا تذکرہ فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

ثم قال علیه السلام قال رجل للصادق علیه السلام فاذا کان هولاء القوم من الیهود لا یعرفون الکتاب الا بما یسمعونه من علمائهم لا سبیل لهم الی غیره فکیف ذمهم بتقلیدهم والقبول من علمائهم وهل عوام الیهود الا کعوامنا یقلدون علمائهم فقال علیه السلام بین عوامنا وعلمائنا وبین عوام الیهود وعلمائهم فرق من جهة وتسویة من جهة اما من حیث استووا فان الله قد ذم عوامنا بتقلیدهم علمائهم کما ذم عوامهم واما من حیث افترقوا فلا قال بین لی یا ابن رسول الله قال علیه السلام عوام الیهود کانوا قد عرفوا علمائهم بالکذب الصراح ویاکل الحرام والرشاء وبتغییر الاحکام عن واجبها بالشفاعات والعنایات والمصانعات وعرفوهم بالتعصب الشدید الذی یفارقون به ادیانهم وانهم اذا تعصبوا ازالوا حقوق من تعصبوا علیه واعطوا ما لا یستحقه من تعصبوا له من اموال غیرهم وظلموهم من اجلهم وعرفوهم یقارفون المحرمات واضطروا بمعارف قلوبهم الی ان من فعل ما یفعلونه فهو فاسق لا یجوز ان یصدق علی الله ولا علی الوسائط بین الخلق وبین الله فلذلک ذمهم لما قلدوا من قد عرفوا ومن قد علموا انه لا یجوز قبول خبره ولا تصدیقه فی حکایته ولا العمل بما یؤدیه الیهم من لم یشاهدوه ووجب علیهم النظر بانفسهم فی امر رسول الله صلعم اذ کانت دلائله اوضح من ان تخفی و اشهر من ان لا تظهر لهم وکذالک عوام امتنا اذا عرفوا من فقهائهم الفسق الظاهر والعصبیة

الشديدة والتكالب على حطام الدنيا وحرامها واهلاك من يتعصبون عليه وان كان
لاصلاح امره مستحقاً وبالترفرف بالبر والاحسان على من تعصبوا له وان كان للاذلال
والاهانة مستحقاً فمن قلد من عوامنا مثل هؤلاء الفقهاء فهم مثل اليهود الذين ذمهم الله
بالتقليد لفسقة فقهائهم،

فاما من كان الفقهاء صائناً لنفسه حافظاً لدينه مخالفاً على هواه مطيعاً لامر مولاه فللعوام
ان يقلدوه وذالك لايكون الا بعض فقهاء الشيعة لاجميعهم، فانه من ركب من القبائح
والفواحش مراكب فسقة فقهاء العامة فلا تقبلوا منها عنا شيئاً ولاكرامة وانما كثر
التخليط فيما يتحمل عنا اهل البيت لذلك لان الفسقة يتحملون عنا فيحرفونه باسره لجهلهم
ويضعون الاشياء غير وجهها لقلة معرفتهم وآخرين يتعمدون الكذب علينا ليجرّوا من
عرض الدنيا ماهو زادهم الى نار جهنم ومنهم قوم نصاب لايقدرون على القدح فينا يتعلمون
بعض علومنا الصحيحة فيتوجهون به عند شيعتنا وينتقصون بنا عند نصابنا ثم
يضيفون اليه اضعافه واضعاف اضعافه من الاكاذيب علينا التي براء منها
فيتقبله المستسلمون من شيعتنا على انه من علومنا فضلّوا واضلّوا وهم اضرّ على
ضعفاء شيعتنا من جيش يزيد على الحسين بن علي عليهما السلام واصحابه فانهم يسلبونهم
الارواح والاموال وهولاء علماء السوء الناصبون المتشبهون بانهم لنا موالون ولاعدائنا
معادون يدخلون الشك والشبهة فيضلّونهم ويمنعونهم عن قصد الحق المصيب لاجرم
ان من علم الله من قلبه من هؤلاء القوم انه لايريد الاصيانة دينه وتعظيم وليه
لم يتركه في يد المتلبس الكافر لكنه يقيض له مومنا يقف به على الصواب ثم يوفقه
الله للقبول منه فيجمع له بذالك خير الدنيا والاخرة، ثم قال قال رسول الله صلى
عليه واله شرار علماء امتنا المضلون عنا القاطعون للطرق الينا المسمّون اضدادنا
باسمائنا الملقبون اندادنا بالقابنا يصلون عليهم وهم للعن مستحقون ويلعنونا ونحن بكرامات
الله مغمورون وبصلوات الله وصلوات ملائكته المقربين علينا مستغنون ثم
قال قيل لامير المؤمنين عليه السلام من خير خلق الله

قال العلماء اذا صلحوا قیل فمن شرار خلق اللہ بعد ابلیس وفرعون ونمرود وبعد المتسمین
باسمائکم والملقبین بالقابکم والآخذین لامکنتکم والمتامرین فی ممالککم قال العلماء
اذا فسدوا وہم المظہرون للاباطیل لکاتمون للحقائق وفیہم قال اللہ عز وجل اولئک
یلعنہم اللہ ویلعنہم اللاعنون الا الذین تابوا الآیۃ "

ترجمہ

اندھی تقلید سے بچو ورنہ یہودیوں کی طرح ہو گے

ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ یا
حضرت جبکہ یہودیوں کی یہ قوم اپنی کتاب کا علم نہ رکھتی تھی مگر وہی جو ان کے علماء بیان کر دیا کرتے تھے
اور ان یہود کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار ہی نہ تھا پس علماء کی تقلید کرنے اور ان کے
قول کو قبول کرنے میں خدا نے ان کی کیوں مذمت کی ہے، اس کے علاوہ یہود کے عوام کیا ہمارے
عوام کی طرح نہیں ہیں جو علما کی تقلید کرتے ہیں، حضرت نے فرمایا ہمارے علماء اور عوام، اور
یہود کے علماء و عوام میں ایک حیثیت سے برابری ہے اور ایک حیثیت سے فرق ہے، برابری
اس حیثیت سے ہے کہ ہمارے عوام کی بھی علماء کی تقلید کی وجہ سے خدا نے مذمت کی ہے جس طرح کہ
یہود کی مذمت کی گئی ہے۔ لیکن فرق اس حیثیت سے ہے کہ یہود کے عوام یہ جانتے ہوئے اپنے
علماء کی تقلید کرتے تھے کہ ان کے علماء سفید جھوٹ بولتے ہیں، حرام خوری کرتے اور رشوت
کھاتے ہیں اور سفارشوں اور عنایتوں اور کسی کے احسان کی وجہ سے احکام خدا کو بدل دیتے
ہیں، اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے علماء میں ایسی بے جا عصبیت ہے کہ جسکی وجہ سے وہ
اپنے دین کی بھی پرواہ نہیں کرتے جسکے خلاف ہو گئے اس کے حقوق برباد کر دیئے اور جسکی طرف
ہو گئے اس کے لئے دوسروں پر ظلم کر کے اُن کا مال ان کو دلوا دیا، اور یہ عوام یہ بھی جانتے
تھے کہ اُن کے علماء حرام کاری کرتے ہیں اور یہ عوام دل سے یہ یقین رکھتے تھے کہ جو ان افعال
کو کرے وہ ایسا فاسق ہے کہ اس کے لئے یہ جائز ہی نہیں ہو سکتا کہ وہ خدا یا انبیاء کے قول کو
نقل کریں تو اس کی تصدیق کی جاوے اسی بنا پر خدا نے ان لوگوں کی مذمت کی کیونکہ انکو
نے پیغمبر اسلام جو ان عیوب سے پاک تھا اس کو چھوڑ کر ایسے علماء کی تقلید کی جن کے متعلق ان
کو علم تھا کہ نہ تو ان علماء کی کوئی خبر قابل قبول ہے اور نہ ان کی کسی حکایت و عمل ہی کی تصدیق

کی جا سکتی ہے حالانکہ ان عوام پر واجب تھا کہ رسول اللہ کے روشن دلائل کو دیکھ کر حضرت پر ایمان لاتے لیکن ان لوگوں نے ایسا نہیں کیا اور اپنے علماء ہی کی تقلید میں رہے۔

ایسے علماء کی ہرگز تقلید نہ کرو

اسی طرح ہماری امت کے عوام جبکہ وہ اپنے فقہا کے متعلق یہ معلوم کرلیں کہ وہ علانیہ فاسق ہیں اور ان میں شدید عصبیت موجود ہے اور دنیا حاصل کرنے کے لئے گرے پڑتے ہیں اور حرام خوری پر آمادہ ہیں اور ان لوگوں کے ہلاک کرنیکی کوشش کرتے ہیں جو اُن کے مخالف ہیں اگرچہ ان علمار کی اصلاح کے لئے مخالفت ضروری ہی کیوں نہو اور یہ علمار ایسے شخص کے ساتھ نیکی و احسان کرتے ہیں جو ان کے ساتھ ہو کر لوگوں سے لڑتا ہو چاہے یہ علمار ذلت و اہانت کے دراصل مستحق ہی کیوں نہ ہوں، پس ایسے علمار کی ہماری عوام میں جو تقلید کرے گا وہ مثل ان یہودیوں کے ہے جنکی خدا نے مذمت کی ہے۔

وہ علماء جو قابل تقلید ہیں

البتہ فقہار میں سے وہ شخص جو اپنے نفس کو معصیت خدا سے محفوظ رکھے، اپنے دین کی حفاظت اپنا فریضہ سمجھتا ہو، اپنے نفس کا مخالف اور اپنے خدا کے حکم کا مطیع ہو، پس عوام کو چاہیئے کہ ایسے عالم کی تقلید کریں لیکن ایسے فقہا ہمارے شیعوں میں چند ہی ہونگے سب نہیں ہو سکتے،

ظاہر نما شیعہ عالم یزیدی لشکر سے بدتر ہے

پس شیعہ علمار میں سے جو فاسق فقہار عامہ کی طرح بدکاری اور برائیوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان سے ہماری کوئی حدیث و فضیلت کو نہ قبول کرو، یہ اس لیئے کہ ہم اہلبیت سے جو چیزیں نقل کی جاتی ہیں ان میں یہ لوگ بہت زیادہ غتر بود کرتے ہیں، بعض فاسق علماء ہم سے روایت کرکے اپنی نادانی (و عدم معرفت) کی وجہ سے سرے ہی تحریف کر دیتے ہیں اور اپنی معرفت کی کمی کی وجہ سے غلط معنی بتاتے ہیں اور علمار میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو جان بوجھکر جھوٹی باتیں ہماری طرف منسوب کر دیتے ہیں تاکہ وہ دنیا میں عزت حاصل کرلیں جو کہ ان کا اصل مطلوب ہے حالانکہ وہ اس حرکت سے جہنم میں جاوینگے اور انھیں میں سے بعض ایسے دشمن علمار ہیں جو ہماری قدح کرنے پر قادر نہیں ہیں اور ہم سے علوم صحیحہ حاصل کرکے ہمارے شیعوں سے تو بیان کر دیتے ہیں اور ہمارے دشمنوں سے انھیں علوم کے ذریعہ ہماری منقصت کرتے ہیں اور یہی نہیں بلکہ

یہ بھی کرتے ہیں کہ ہماری حدیثوں میں ایسی جھوٹی باتوں کا دہ چند بلکہ صد چند اضافہ کر دیتے ہیں جن
سے ہم بری ہیں اور انکو ہمارے شیعہ یہ سمجھکر قبول کر لیتے ہیں کہ یہ ہمارے علوم ہیں پس ایسے
تمام لوگ گمراہ ہو گئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا اور وہ ہمارے کمزور عقیدے کے شیعوں کے
لئے زیادہ مضر ہیں جتنا کہ وہ حسین مظلوم اور اونکے اصحاب کیلئے مضر تھا یہ اس لئے ہے کہ
لشکر یزید نے تو صرف قتل و غارت گری کی لیکن یہ ہمارے دشمن علمائے سو (برے عالم)
جو لوگوں کو اس شبہہ میں مبتلا کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دوست (شیعہ) ہیں اور ہمارے
دشمنوں کے دشمن ہیں حالانکہ وہ ہمارے شیعوں کے دلوں میں شک و شبہہ پیدا کرکے
ان کو گمراہ کرتے ہیں۔

ایسے بہروپیئے کافر عالم سے خدا کیونکر محفوظ رکھتا ہے

اور جس کے متعلق خدا کو یہ علم ہوتا ہے کہ وہ واقعاً اپنے دین کو
محفوظ رکھنا چاہتا ہے اور وہ واقعاً امام کی تعظیم و تکریم کرنا چاہتا
ہے، اس کو خداوند عالم ایسے بہروپیئے کافر (عالم) کے ہاتھ میں نہیں چھوڑتا، کہ وہ مبتلائے
فریب رہے بلکہ خداوند عالم اپنے لطف سے ایک مومن پاک کو کھڑا کر دیتا ہے کہ وہ دنیا کو
حق بات سے آگاہ کر دے اور ہمارے شیعوں کو اس کی توفیق عطا فرماتا ہے کہ وہ اسکی بات
کو مانیں خداوند عالم اس راہ حق بتانے والے مومن کے لئے دنیا و آخرت کے خیر کو جمع
کر دیتا ہے اور اس گمراہ کرنے والے عالم کیلئے دنیا کی لعنت اور آخرت کا عذاب قرار
دیتا ہے:۔

بد علماء اور بدترین خلق

اسکے بعد حضرت نے ارشاد فرمایا کہ رسول اللہ صلعم نے
ارشاد فرمایا ہے کہ ہماری امت کے برے علما وہ ہیں کہ جو ہماری راہ سے لوگوں کو گمراہ
کرتے ہیں اور ہماری طرف آنے والوں کی راہزنی کرتے ہیں جو ہماری ضد ہیں انکو ہمارے ناموں
سے موسوم کرتے ہیں اور ہمارے مخالفین کو ہمارے لقبوں سے یاد کرتے ہیں ان کی مدح و ثنا
و خیر طلبی کرتے ہیں حالانکہ وہ لعنت کے مستحق ہیں اور ہماری مذمت کرتے ہیں حالانکہ ہم خدا کی
عطا کردہ بزرگیوں سے پر ہیں اور اپنے خدا اور ملائکہ مقربین کے درود بھیجنے سے بے عالم
[illegible] امیرالمومنین سے سوال کیا گیا

کہ ائمہ ہدیٰ کے بعد بہترین مخلوقات کون ہیں ارشاد ہوا کہ نیکوکار علماء ہیں پھر پوچھا گیا کہ ابلیس، فرعون، نمرود اور وہ لوگ جو آپ کے نام سے موسوم اور آپ کے لقب سے ملقب اور آپ کی مسند خلافت کو غصب کرنے والے ہیں اور آپ کی مملکت میں حاکم بن جانیوالے ہیں ان کے بعد بدترین خلق کون ہے حضرت نے فرمایا وہ بھی علماء ہیں جبکہ وہ فاسد ہو جائیں اور جھوٹی چیزوں کے ظاہر کرنے والے اور حقیقتوں کے چھپانے والے بن جاویں انھیں بد علماء کے متعلق خدا یہ ارشاد فرماتا ہے کہ ان پر خدا لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنیوالے بھی لعنت کرتے ہیں مگر وہ لوگ جو توبہ کریں"

(احتجاج الطبرسی، احتجاج ابی محمد الحسن العسکری علیہما السلام صفحات ۲۳۹، ۲۴۰ مطبوعہ تبریز)

بد علماء نے شریعت میں تبدیلی کی ہے

یہی وہ بدترین علماء ہیں جنھوں نے شریعت کو اپنے ذاتی مفاد و اغراض کی بنا پر پامال کر ڈالا ہے علامہ محمد بن مرتضیٰ المدعو بمحسن الملقب بالفیض رحمۃ اللہ "منتخب کشف المحجۃ لثمرۃ المہجۃ لسید ابن طاؤس علیہ الرحمہ" میں فرماتے ہیں:

"اقول وکما ان المتکلمین ضیقوا علی الانام ما کان سہلہ اللہ تعالیٰ من معرفتہ ومعرفۃ انبیائہ ورسلہ والیوم الآخر کما ذکرہ السید رحمۃ اللہ وبینہ، فکذلک الفقہاء والمجتہدون ولاسیما المتاخرین منہم ضیقوا علی الناس ما سہلہ اللہ عزوجل من معرفۃ شرائعہ وحلالہ وحرامہ وفرائضہ واحکامہ وان کان وسعوا علیہم من وجہ آخر ولکنہ علی طریقۃ لم یروفیہا اذن من الشارع"

(منتخب کتاب کشف المحجہ ضمیمہ تحف العقول صفحہ ۳۱۴ طبع ایران)

ترجمہ۔ میں کہتا ہوں کہ اللہ نے اپنی معرفت اور انبیا و رسل و معاد کی معرفت کو سہل و آسان کر دیا تھا لیکن علمائے متکلمین نے اسکو عام جہان پر تنگ و دشوار کر دیا ہے جیسا کہ سید ابن طاؤس علیہ الرحمہ نے بیان فرمایا ہے اسی طرح فقہا و مجتہدین نے بھی خصوصاً متاخرین نے شریعت سہلہ کے احکامات حلال و حرام اور فرائض کو جنکو خدا نے سہل و آسان قرار دیا تھا تمام لوگوں پر سخت و دشوار کر دیا ہے، اگرچہ دوسری طرح سے ان مجتہدین نے خلاف شرع آسانی بھی کر دی ہے لیکن اس طور پہ جسکی شارع علیہ السلام نے اجازت ہی نہیں دی ہے۔

فقہاء و علماء حضرت حجت

ظہور فرمائیں گے تو خاصکر جماعت فقہا ہی ہوگی جو حضرت کے کھلم کھلا دشمن ہوں گے اور بخوف شمشیر اور طمع حضرت کے مطیع و منقاد ہونے کے لئے مجبور ہوں گے۔

واذا خرج امام المهدی فلیس له عدو مبین الا الفقهاء خاصة ولولا ان السیف بیده لافتی الفقهاء فی قتله ولکن الله یظهره بالسیف والکرم ولیطمعون ویخافون فیقبلون حکمه من غیر ایمان بل یضمرون خلافه۔ (ینابیع المودت للقندوزی ص۴۳۱ طبع قسطنطنیہ)

ترجمہ۔ جب امام مہدیؑ ظہور فرمادیں گے تو آپ کا صریحی دشمن فقہا کے علاوہ خاصکر کوئی دوسرا نہ ہوگا اور اگر حضرت صاحب سیف نہ ہوتے تو فقہا حضرت کے قتل کا فتویٰ دے دیتے۔ مگر چونکہ حضرت تلوار اور جود وسخا کے ساتھ ظہور فرمائیں گے اس لئے وہ لوگ خوف و طمع کی وجہ سے حضرت کے حکم کو قبول کرلینگے اگرچہ دل میں اس کے خلاف ہوگا۔

اس خبر کو صرف حنفی عالم ہی نے نہیں تحریر کیا ہے بلکہ متقدمین علمائے شیعہ میں سے شیخ جلیل ابو جعفر محمد بن جریر بن رستم الطبری الآملی نے بھی اپنی کتاب دلائل الامامت میں بضمن حالات حضرت حجتؑ یہ تحریر کیا ہے کہ جب قائم علیہ السلام کوفہ کے قریب وارد ہوں گے تو علماء و فقہا حضرت سے جنگ کریں گے اور کہیں گے کہ آپ واپس جائیے ہم کو آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ ملاحظہ ہو۔

ویسیر الی الکوفه فیخرج منها ستة عشر الفا شاکین فی السلاح قراء القرآن فقهاء فی الدین قد قرعوا جباههم وسمروا اسناهم وعمهم النفاق وکلهم یقول یا ابن فاطمة ارجع لاحاجة لنا فیك فیصنع السیف فیهم علی ظهر النجف عشیة الاثنین من العصر الی العشاء فیقتلهم اسرع من جزر جزور، فلا یفوت منهم رجل ولا یصاب من اصحابه احدٌ۔ (دلائل الامامت قلمی باب معرفة وجوب القائمؑ)

ترجمہ:۔ حضرت کوفہ کی جانب کوچ فرماویں گے وہاں سے سولہ ہزار ہتھیار بند مقابلہ کیلئے نکلینگے۔ یہ لوگ تلاوت کنندگان قرآن اور فقہاء دین ہوں گے جو بظاہر چہروں سے بڑے عبادت گزار و مقدس معلوم ہوں گے لیکن نفاق کی وجہ سے اندھے ہوں گے۔ یہ سب لوگ یہ کہیں گے کہ فرزند فاطمہؑ پلٹ جائیے ہم کو آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ بس دوشنبہ کے دن عصر سے عشاء تک پشت نجف پر حضرت ان لوگوں سے مقابلہ فرمائیں گے اور یکے سب قتل کردیے جائینگے۔ ایک بھی نہ بچے گا اور حضرت کے اصحاب میں سب

محفوظ رہیں گے۔ یہ ہیں علمار کے کارنامے۔

شیعہ عالم کافر و مرتد ہو گیا

رہا یہ خیال کرنا کہ شیعوں کا ایک ایسا بالغ نظر عالم جو کتب کثیرہ کا مولف و مصنف ہو اس کے افادات کیونکر گمراہی کا سبب بن سکتے ہیں، اس کو ایک تاریخی مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ علمار شیعہ امامیہ میں سے ایک مشہور عالم "ابو جعفر محمد بن شلمغانی الملکنی بابن العزاقر" بھی گذرا ہے۔ یہ عالم اُس زمانہ میں تھا جب امام کی غیبت صغریٰ واقع ہو چکی تھی (غیبت صغریٰ از سال ۲۶۰ھ تا ۳۲۹ھ) اس کی ظاہری وجاہت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ جناب شیخ ابو القاسم حسین بن روح علیہ الرحمہ (المتوفی ۸ شعبان ۳۲۶ھ) جو حضرت حجت کے تیسرے نائب تھے (از ۳۰۵ھ تا ۳۲۶ھ) اور جنکی روحانی حیات کی گواہی شب پانزدہم شعبان کو شیعیان علی ان الفاظ کے ساتھ دیتے ہیں۔ "دانک حیٌ عند اللہ مرزوق"۔

انھیں جناب حسین بن روح کا شلمغانی ایک زمانہ تک معتمد و سفیر بھی رہ چکا ہے (کتاب الغیبۃ شیخ طوسی) شلمغانی نے مذہب شیعہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں جو اس عہد کے شیعوں میں معتبر و مستند سمجھی جاتی تھیں۔ چنانچہ علمائے امامیہ سے ابو الفضل محمد بن عبد اللہ بن عبد المطلب جو شیخ ابو العباس النجاشی صاحب کتاب الرجال کے مشائخ میں سے ہیں، تالیفات شلمغانی کو خود مصنف سے پڑھکر اجازہ روایت حاصل کیا ہے (کتاب الرجال نجاشی صفحہ ۲۶۷) شلمغانی کی کثرت تصانیف کا اندازہ ان کتابوں سے لگایا جا سکتا ہے۔

(۱) کتاب التکلیف، یہ وہ کتاب ہے جس کی توثیق جناب حسین بن روح نے فرمائی تھی (کتاب الغیبۃ شیخ طوسی صفحہ ۲۶۷) (۲) کتاب ماہیۃ العصمۃ (۳) کتاب الزاہر بالحجج العقلیہ (۴) کتاب المباہلہ (۵) کتاب الاوصیار (۶) کتاب المعارف (۷) کتاب الایضاح (۸) کتاب فضل النطق علی الصمت (۹) کتاب فضائل العمرتین (۱۰) کتاب نظم القرآن (۱۱) کتاب الامامت کبیر و صغیر (۱۲) رسالہ خطاب ابو علی محمد بن ہمام اسکافی

(کتاب الرجال النجاشی و کتاب الغیبت شیخ الطوسی)

شلمغانی کی یہ وہ تصانیف ہیں جو شیعوں میں بہت زیادہ مقبول تھیں اور جن کو بنظر استحسان دیکھا جاتا تھا لیکن کتاب الحاسۃ السادسہ کی تالیف کے بعد جب اس کی گمراہی کا پتہ چلا اور اس نے کھل کر اپنے دعاوئے باطلہ کو ظاہر کیا تو ناحیہ مقدسہ سے توقیع مبارک حضرت حجت عجل اللہ فرجہ صادر ہوئی۔

جس میں شلمغانی کے ارتداد کی بنار پر اس سے برأت کرنے اور لعن کرنے کا حکم دیا گیا تھا (یہ توقیع مبارک احتجاج طبرسی اور کتاب الغیبۃ شیخ طوسی میں موجود ہے) اگرچہ اس ملعون نے اس کے بعد بھی کتاب الغیبت لکھ کر جناب حسین بن روح سے معارضہ کیا (کتاب الغیبۃ شیخ طوسی ص۲۵۵) اس ملعون نے بہت سے لوگوں کو اپنے دام تزویر میں پھانس لیا تھا جن میں یہ لوگ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ اُمرا میں حسین بن قاسم وزیر خلیفہ مقتدر، بغداد کے معززین شیعہ میں سے ابوجعفر بسطام، ابو علی بن بسطام، مشہور مولف وادیب ابو اسحاق ابراہیم بن محمد اور دوسرے مشاہیر تجار مثل ابن الشیب الزیات واحمد بن محمد بن عبدوس (تاریخ کامل ابن اثیر وقائع سال ۳۲۲ھ)

شلمغانی کی کتابیں شیعوں کے گھروں میں بکثرت پائی جاتی تھیں۔ توقیع مبارکہ کے شائع ہونے کے بعد شیعوں نے جناب حسین ابن روح سے اُس کی کتابوں کے متعلق دریافت کیا کہ ان کتابوں کو کیا کرنا چاہیئے کیونکہ ہمارے مکانات تو ان سے پُر ہیں۔ اس کے جواب میں جناب حسین بن روح نے فرمایا کہ میرا جواب وہی ہے جو حجت خدا حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے شیعوں کے اس سوال کے جواب میں کہ بنی فضال کی کتابوں کو ہم کیا کریں ارشاد فرمایا تھا۔ (بنی فضال سے مراد احمد بن حسن بن علی بن فضال محمد بن حسن بن علی بن فضال، ابوالحسن علی بن حسن بن علی بن فضال ہیں جو فقہائے شیعہ فطحی تھے)

لوگوں نے پوچھا کہ امام نے کیا فرمایا تھا۔ جواب دیا کہ حضرت نے ارشاد کیا کہ ان کتابوں میں جو ہماری روایات ہوں ان کو تو قبول کرو اور جو خود انھیں کے مزعومات ورجحانات ہیں ان کو ترک کردو۔"

(کتاب الغیبۃ شیخ طوسی ص۲۵۴)

اب کوئی بتلائے کہ جب عصر معصوم زمانہ غیبت صغریٰ میں علمار سو نے اپنی کتابوں سے گمراہی پھیلائی تو اس چودھویں صدی اور غیبت کبریٰ میں کسی عالم کو اپنی بالغ نظری سے کام لے کر مومنین کے ایمان کی رہزنی کرنے میں کیا چیز مانع ہوسکتی ہے اب تو ناحیہ متبرکہ سے توقیع مبارک کے شائع ہونے کا بھی کھٹکا نہیں ہے۔

مومنین سے التماس

متذکرہ بالا حقائق کے بعد مومنین کو چاہیئے کہ وہ خواب غفلت سے بیدار ہوں ذرا بصیرت سے کام لے کر غور کریں کہ وہ کس کی تقلید کر رہے ہیں۔ عوام یہود کی طرح کہیں ہم ایسے علمار کی تقلید تو نہیں کر رہے ہیں جنکو معصوم نے بدترین خلق اور گمراہ کن بتلایا ہے۔

جو غیر محسوس طریقے سے دین و ایمان کی رہزنی کرتے رہتے ہیں، اس کو یاد رکھنا چاہیئے کہ جس امر کو تقلید سے تعبیر کیا گیا ہے در اصل وہ تحقیق ہے، پہلے اس امر کی تحقیق کیجئے کہ کس کی تقلید کا حکم شارع نے ہم کو دیا ہے اور کن علمار کی تقلید سے ہم کو روکا گیا ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ ہم اپنی نادانی سے اندھی تقلید میں مبتلا ہو گئے ہوں؟ یاد رکھیئے کہ اہلبیتؑ کا کھلا ہوا دشمن ہم کو گمراہ نہیں کر سکتا ہم کسی جاہل کے فریب میں مبتلا نہیں ہو سکتے، کوئی غیر عالم افراط گریہ " و " مجاہد اعظم " ایسے رسائل کتنے ہی کیوں نہ لکھے لیکن ان سے ہمارے عقائد میں جنبش نہ ہو گی، ہاں!

" اذا فسد العالم فسد العالم "

ایک برا عالم دنیا کو گمراہ کر سکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ ایسے عالم کی گمراہ کن تحریر و تقریر عوام پر ہمیشہ سے اثر انداز ہوتی رہی ہیں اور ایسی ہی چیزوں نے ہر دور میں باطل فرقوں کو پیدا کیا ہے خصوصیت سے شیعی تاریخ میں تقریباً ہر صدی میں گمراہ کن عالم برابر پیدا ہوتے رہے ہیں جن سے مذہب کو عظیم صدمہ پہونچتا رہا ہے۔ اس لئے ہم کو چاہیئے کہ ایسے عالم جن کو حدیث میں " الکافر المتلبس " بتلایا گیا ہے ان کو پہچانیں اور ان کے شر و فساد سے محفوظ رہنے کی کوشش کریں۔

دوسری چیز جس کی جانب ہم کو فوراً توجہ کرنا چاہیئے وہ " انجمن یادگار حسینی " ہے یہ ایک ایسا قومی ادارہ ہے جس کے پاس قوم شیعہ نے اپنا سرمایہ محفوظ کیا ہے۔ کیا قوم شیعہ کا روپیہ جو یادگار کے سلسلہ میں فراہم کیا گیا تھا اسی لئے تھا کہ اس سے ایسا لٹریچر شایع کیا جاوے جو شیعیت کے لئے سم قاتل ہو۔ واہ کیا کہنا، " اپنی ہی چھری اور اپنا ہی گلا " اس ادارہ کے پاس خالص شیعی چندہ ۳۶ ہزار سے کسی طرح کم نہیں ہے۔ قوم کو چاہیئے کہ اپنے اس قومی فنڈ کی حفاظت کرے۔ یہ کوئی شخصی یا خاندانی جھگڑا نہیں ہے بلکہ دین حق کی حمایت کر کے شیعیت کو ایک عظیم تباہی سے بچانا ہے۔ واللہ یھدی من یشاء الی سواء السبیل

السید سبط الحسن
محمود آباد ہاؤس قیصر باغ
لکھنؤ

باسمہ سبحانہٗ

کربلا کے تپتے بن میں جلتی ریت پر غضب کی گرمی اور قیامت کی پیاس میں نہتائی مظلومی و بیکسی میں حق کی خاطر راہ خدا میں سر کٹانے والے حسینؑ! السلام

حقیقت ابدی ہے مقام شبیریؑ — بدلتے رہتے ہیں انداز کوفی و شامی
(ڈاکٹر اقبال)

سنہ ۶۱ھ میں طاغوتی قوت و یزیدی طاقت نے "حسینؑ" فرزند پیغمبر کو مع ان کے اصحاب و انصار اعزہ و اقربا کے تین دن کا بھوکا پیاسا ذبح کر ڈالا۔ مٹانے والے اپنے نزدیک یہ سمجھے کہ ہم نے اسلام اور حامی اسلام حسینؑ کو مٹا دیا۔ لیکن حق کی بلندی اور شہید راہ خدا کی مظلومی نے حقیقی اسلام اور اس کی خوبیوں کو اور زیادہ کھرے کندن "سونے" کی طرح چمکا دیا۔ "حسینیتؑ" کی شعاعیں عالم کے گوشہ گوشہ کو منور کرنے لگیں تو اب فراعنۂ اموی اور جابرۂ عباسی نے نت نئے طریقوں سے "حسینیت" کو مٹانے پر کمر باندھی۔ کبھی "حسینؑ" کے نام لینے والوں کو تیغ بے دریغ اور کبھی ان کے زائروں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ کبھی شہید کربلا کی تربت ہی کو مٹا دینے کیلئے ہل چلا دیے، کبھی "حسینؑ غریب" کی مستقل یادگار "عزاداری" کو بجبر روکا۔ اور مصعب بن زبیر کا عشرۂ غم منایا جانے لگا۔ مگر "حسینیت اور عزائے حسینؑ" کو اور ترقی ہوئی۔

دشمنوں نے روپ بدل کر مخالفت کا دوسرا انداز اختیار کیا اور بجائے قتل و غارتگری کے عزائے حسینؑ کو بدعت و حرام، شرک و بت پرستی کہنا شروع کیا۔ اس کا بھی کچھ اثر نہ ہوا اور "حسینیت اور عزائے حسینؑ" کو اور ترقی ہوئی۔

اس صدی میں عزائے حسینؑ کی مخالفت میں ایک نئے فتنہ "مدح صحابہ" کے ذریعہ عزاداری کو مٹانے اور ختم کرنے کی سعی کی گئی۔ یہ دیکھ کر دوستداران اہلبیت علیہم السلام چونک پڑے اور تحفظ عزا کیلئے پروانہ وار "محاذ حسینی" سے اپنی قربانیاں پیش کرنے لگے۔ شیعیان علی اور عزاداران حسینؑ سے جیل خانے بھر گئے اور قید خانوں کی دیواریں ہلنے لگیں۔ بعض فدائیوں نے اپنی جانیں نثار ہی کر کے دم لیا۔ رحمہم اللہ۔ جس کے نتیجہ میں "حسینیت اور عزائے حسینؑ" کو اور ترقی ہوئی۔

آخر منافقت اور دشمنیٔ اہلبیت بہ لباس تلبیس جلوہ گر ہوئی جس نے کبھی ایام تاسوعا (نویں محرم) گریہ کرنے والوں کو ٹوکا اور کبھی "افراط گریہ" میں عزائے حسینؑ سے روکا اور کبھی اصلاح عزا اور کبھی اصلاح ذاکری کے نام سے عزائے حسینؑ کو صدمہ پہونچایا۔ افسوس اسی سلسلہ کی ایک کڑی بین الاقوامی مرکز کی تلاش تھی کیونکہ "بین الاقوامی" رنگ میں سب ہی کے دل کے حوصلے آسانی سے نکالے جا سکتے تھے چنانچہ

بین الاقوامی جلسے ہوئے اور جلسوں میں وہ سب کچھ کہا گیا جو ہم کبھی بھی سننے کیلئے تیار نہ تھے اور نہ ہیں معلوم ہوتا ہے کہ مخالف عنصر نے اس ذریعہ سے غیر محسوس طریقہ پر شیعوں کے اندر گھس کر اپنا کام شروع کر دیا۔ چونکہ نام "حسین" کا تھا اسلئے شیعوں نے دامے، درمے، سخنے، قدمے ہر طرح سے مدد کی اور اس فسادی مادہ سے جو بین الاقوامی تحریک میں مضمر تھا۔ غافل و بے خبر تھے۔ ان جلسوں کی اکثر تقریریں میں راز درون پردہ ظاہر تو ہوا مگر کھل کر نہیں۔

ہاں ۱۳۸۱ھ جس میں یزید کی ہلاکت کو پورے تیرہ سو برس ہوتے ہیں "کتاب شہید انسانیت" کا نگاہوں کے سامنے آنا تھا کہ اس یادگار کا حقیقی مقصد واضح ہوگیا۔ اور اب دیندار طبقہ نے پورا پورا احساس کیا اور اس کتاب کا بنظر غائر جائزہ لینے کے بعد اس کی سمیت سے آگاہ ہو کر یہ اعلان اپنی مخالفت ظاہر کر دی تاکہ عوام اور ناواقف حقیقت طبقہ اس کے جراثیم سے ہلاک نہ ہونے پائے۔

کتاب "اظہار حقیقت" ...... کی اشاعت کے وقت تک حسب ذیل علمائے اعلام و واعظین کرام کے فتاوے و بیانات صادر ہو چکے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

سید سکندر حسین عفی عنہ

باسمہ سبحانہ۔ اس میں شک نہیں کہ امور مذکورہ جو کتاب شہید انسانیت میں موجود ہیں محل اعتراض و منافی عقائد شیعہ ہیں اور ایسے ہی اعتراضات کی ترمیم و دفعیہ کا وعدہ نور چشم مولوی علی نقی سلمہ اللہ نے کیا تھا اور اس سلسلے میں ایک تحریری بیان جس میں ترمیم کا وعدہ تھا میرے پاس لائے تھے جس پر میں نے یہ لکھ دیا تھا کہ اگر نور چشم سلمہ اس کے مسودہ ہونے کے معترف ہیں اور ان اعتراضات کے مطابق ترمیم پر تیار ہیں تو کوئی وجہ ہیجان نہیں۔ مگر تعجب ہے کہ میری یہ عبارت دیگر حضرات کی تحریروں کے ساتھ تو شایع کر دی گئی اور نور چشم کا بیان شایع نہ ہوا۔ میں اب بھی منتظر ہوں کہ نور چشم سلمہ جلد سے جلد اب شایع کر دیں تاکہ یہ ہیجان رفع ہو اور مومنین کے عقائد میں خلل و فساد واقع نہ ہو۔ فقط

(شمس العلماء) ابن حسن عفی عنہ

باسمہ سبحانہ۔ الجواب باللہ التوفیق۔ شہید انسانیت کی جو عبارتیں سوال میں نقل کی گئی ہیں وہ بعینہ الفاظ کے ساتھ کتاب مذکور میں موجود ہیں جو کہ مسلمات فرقہ شیعہ کے منافی ہیں اور ان سے اساس مذہب شیعہ کو نقصان و مضرت پہونچنے کا قوی اندیشہ ہے، یہ کتاب شیعوں کی کتاب کہے جانے کی ہرگز مستحق نہیں ہے نہ اس کو

شیعوں کے خلاف کبھی حجت میں پیش کیا جا سکتا ہی، جو کتاب اس قسم کے خلاف حق واقعات پر مشتمل ہو باعث مفاسد ہے اور اس سے عوام فرقہ حقہ کے عقائد میں فساد و تزلزل کا احتمال ہو، اس کی ترویج و اشاعت سے احتراز لازم ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الهدیٰ۔

سید محمد عفی عنہ، محمد سعید عفی عنہ، سید محمد ذکی بقلمہ، سید محمد حسن الرضوی، محمد حسین الرضوی، سید علی عفی عنہ عبدہ الاحقر سعادت حسین بقلمہ، احقر سید محمد رضی، سید احمد بقلم خود، سید محمد صادق بقلمہ، مرزا محمد طاہر بقلمہ سید حیدر حسین عفی عنہ، سید ظفر حسن بقلمہ دفتر نور، احقر ابن حسن عفی عنہ بقلم خود (نونہروی) عبدالحسین عفی عنہ حافظ کفایت حسین بقلمہ، سکندر حسین بقلمہ، سید محمد زیدی (دہلوی) سبط الحسن (ہنسوی) مرزا احمد حسن عفی عنہ بقلمہ حافظ سید ذوالفقار علی شاہ، مختار احمد انصاری، سید محمد ایدہ الصمد نقوی امروہوی، محمد مصطفےٰ عفی عنہ محمد مهدی عفی عنہ، زوار حسین بقلمہ (حکیم) مرتضیٰ حسین، سلطان علی (جام نگر) حررہ الاثم، سید محمد قاسم سید لقا علی حیدری، سید محمد صادق عفی عنہ، منور علی (کاٹھیاوار) انیس الحسن (کراچی)، سید محمد رضی (کراچی)

سوال نمبر ۱ و ۲ و ۳ و ۴ و ۵ و ۶ و ۷ و ۸ و ۹ و ۱۰ و ۱۱ کا ماحصل لکھکر دریافت کیا گیا کہ ارشاد ہو امور مذکرہ عقائد شیعہ کے موافق ہیں یا نہیں، اور دریں حال کتاب شہید انسانیت شیعوں کی کتاب ہے یا نہیں؟ اس پر یہ جوابات عطا ہوئے۔

---

(۱) مندرجہ بالا سوالات میں جن امور کا ذکر کیا گیا ہے وہ امور جس کتاب میں مندرج ہوں اس کی اشاعت یقیناً مذہب شیعہ کے لئے مضر ہے۔

ابن حسن (جارچوی)

(۲) ایسے قابل اعتراض امور واقعاً جس کتاب میں درج ہوں وہ بغیر اصلاح ہرگز قابل اعتماد نہیں ارکان ادارہ یادگار حسینی کا فریضہ ہے کہ وہ ان اغلاط کی اصلاح کریں جن کی طرف انکو ارباب تحقیق متوجہ فرما رہے ہیں فقط

احقر ظفر الحسن الرضوی

باسمہ سبحانہٗ وتعالیٰ۔ ان اوراق استفتار میں جو عبارتیں نقل کی گئی ہیں بے شبہ منافی عقائد مذہب شیعہ ہیں اور اہلبیت عصمت و طہارت علیہم الصلوٰۃ والسلام پر بے بنیاد اعتراضوں اور ان کی توہین کا باعث ہیں۔ عبارتیں جس کتاب سے نقل کی گئی ہیں وہ کتاب شیعوں کی کتاب نہیں کہی جا سکتی اور نہ اس سے شیعوں کے مقابل میں ان پر احتجاج کیا جا سکتا ہے۔ عبارت نمبر (۱) بھی امام معصوم پر بہت بڑے اعتراض کا باعث ہو رہی ہے، کیونکہ ساتویں محرم سے ابن سعد کا نہر پر پہرہ بٹھا دینا

ناقابل انکار واقعہ ہے اور بچوں کی بیتابی دیکھکر بریر ہمدانی اور حضرت عباس علیہ السلام کا لڑ بھڑکر پانی لانا اور بچوں کا سیراب ہو سکنا شب عاشور ہی کا واقعہ ہے اور اسی محترم گھر کی تعلیم ہے کہ اگر جانور پیاسا ہو تو وضو یا غسل کا پانی اسکو پلا دو اور نماز کیلئے تیمم کر و پس سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امام علیہ السلام نے یا تو سبھی غسل کیا یا واجب بہرحال لازم آتا ہے کہ ۔۔ امام معصوم نے معاذ اللہ بہت بڑا ظلم کیا کہ بچوں کو پیاس سے تڑپتا ہوا دیکھکر پانی کو غسل میں بہا دیا یا ملا پیاسوں کے نفوس کی اتنی بھی قدر نہ کی جتنی جانوروں کے نفوس کی قدر کرنے کا حکم انھیں کے گھرانے کا ہے ۔۔ مذکورہ بالا صورت حال کو سمجھ لینے کے بعد موٹی سمجھ کا آدمی بھی بے تامل کہہ اٹھتا ہے کہ ایسے موقع پر چھوٹے چھوٹے پیاسے بچوں کی رفع تکلیف کیلئے موجود پانی کی حفاظت ضروری ہے۔ پس کیا امام معصوم میں معاذ اللہ اتنی بھی سمجھ نہ تھی اور اگر تھی تو معاذ اللہ کیا قسی القلب تھے جو ان پیاسوں کی پیاس کی پرواہ نہ کی۔ میرے جلیل القدر حبیب جناب شمس العلماء دامت برکاتہ کی تحریر مندرجہ صفحہ ۔۔ سے معلوم ہو رہا ہے کہ کتاب شہید انسانیت یا تو مکمل عزیزم مولوی علی نقی سلمہ کی تصانیف سے ہے یا اسمیں کچھ مضامین دوسروں کے بھی ہیں۔ عزیز موصوف میرے مخلص دوست کے نور نظر و پارہ جگر ہیں۔ بلحاظ اس محبت کے جو ایک سچے دوست کے فرزند سے ہونی چاہیئے۔ عزیز موصوف کی واپسی عراق کے بعد ان کے ماحول کو پیش نظر رکھتے ہوئے پہلی ملاقات میں میں نے ان سے پوشیدہ لفظوں میں کہہ دیا تھا۔ کہ انزوا اور گوشہ نشینی اپنا شیوہ قرار دیں اور سلف صالحین کی روش سے قدم آگے نہ بڑھائیں لیکن عزیز موصوف نے یا تو میری مخلصانہ رائے کو فراموش کیا یا لائق توجہ نہ سمجھا اور اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ اٹھانے کی کوشش کی جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کی تحریریں آج نفرت کی نگاہوں سے دیکھی جا رہی ہیں جو حق بجانب ہیں عزیز موصوف کی اس آزادی خیال کے ہوتے ہوئے۔ ان کی تقریر و تحریر سے مجھے عقائد عوام الناس کیلئے خطرہ کا اندیشہ ہے۔

احقر راحت حسین رضوی گوپال پوری ۳ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ

باسمہ سبحانہ یا اعظم شانہ۔ کتاب شہید انسانیت کی بعض منتخب عبارتیں جو چودہ سوالوں کی صورت میں میرے پاس بھیجی گئیں ہیں ان کو بغور دیکھکر میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ اس کتاب میں بلاشبہ اکثر مقامات پر حق پوشی سے کام لیا گیا ہے ولکن الحق احق ان یتبع اور بعض الفاظ اور بعض تعبیرات جنکا استعمال نفوس مقدسہ معصومین علیہم السلام کے متعلق کیا گیا ہے وہ یقیناً موہم وہن اور خلاف شان ان حضرات کے ہیں بلکہ خلاف عقائد فرقہ حقہ ناجیہ کے بھی ہیں اسلئے اس کتاب کی اشاعت علی حالہا نادرست ہی نہیں بلکہ موجب اضلال عوام بھی ہے۔ واللہ یہدی من یشاء الی صراط مستقیم۔

حررہ السید محمد داؤد الحسینی بقلمہ

شہید انسانیت ہی سے جو سوالات نقل کئے گئے ہیں ان کی نہ صرف اشاعت بلکہ ان کا وجود بھی حقیقت و واقعیت کے خلاف ہے اور جن حضرات نے اس ہیجان کے انسداد کیلئے جو اس کتاب سے دنیائے مذہب و ملت میں برپا ہے اپنی کرامت اپنے مقالات کی اشاعت کی ہے انکی عبارات خود اس کتاب پر ماتم کرتی ہے اور اپنی حرکت مذبوحی ہونے کا پتہ دیتی ہیں۔ یہ نتیجہ ہے انسان کے اپنے زعم جلالت میں پس و پیش سے بے خبر ہو جانے کا اور غیابتہ ہے افراط شہرت پسندی کا۔ ایسی کتاب جس سے مخالفین کو مذہب حقہ پر ہنسنے کا موقع ملے مع اپنے تمام اطراف و جوانب کے شہرت سیئہ کا سبب ہے نہ کہ شہرت حسنہ کا۔ اس کی اشاعت یقیناً اضلال و مغلوبیت و تضحیک دین کا سبب ہے۔

حررہ خادم الملۃ سید محمد مجتبیٰ نوگانوی نزیل بمبئی ۱۲ ربیع الاول سنہ ۶۴ھ

آنریبل سر سلطان احمد و دیگر اکابر قوم کا متفقہ بیان

سیزدہ صد سالہ یادگار حسینی کے موقع پر یہ طے پایا تھا کہ واقعات کربلا کے متعلق ایسی مکمل کتاب شائع کی جائے جس میں صحیح واقعات درج ہوں اور حسینی قربانی کی عظمت ہر دل پر قائم ہو اس کتاب کی تصنیف کیلئے ایک ایڈیٹوریل بورڈ بنا دیا گیا تھا۔ ہم نے اسی امید پر چندہ دیا تھا کہ بورڈ ایک ایسی ہی مکمل تصنیف دنیا کے سامنے پیش کریگا لیکن نہایت افسوس ہو کہ ناظم ادارہ مولوی سید علی نقی صاحب نے اس تصنیف کا بار تنہا اپنے ذمہ لے لیا اور بغیر بورڈ کے مشورہ کے کثیر تعداد میں کتاب کے نسخے طبع کرا کے شہید انسانیت کے نام سے فروخت کرا دیئے۔ ہمیں یقین کامل ہو کہ اگر بورڈ اس کتاب کو تصنیف کرتا تو کتاب میں وہ نقائص نہ پائے جاتے جو اب موجودہ شکل میں موجود ہیں۔ یہی وجہ ہو کہ ہندستان کے مشہور اور مستند علماء اعلام اور واعظین کرام نے شہید انسانیت کے خلاف اپنے احکام جاری کر دیئے ہیں۔ یہ واقعہ ہو کہ اس کتاب سے حسینی قربانی کی اس عظمت کو جو تمام اقوام میں مسلم ہے سخت صدمہ پہونچا ہی نیز اس کتاب میں مسلم الثبوت تاریخی واقعات اور شیعوں کے عقائد کے خلاف بہت سے امور پائے جاتے ہیں جن سے عوام کی گمراہی کا اندیشہ ہی۔ لہذا ہم لوگ یہ اعلان ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب شیعوں کی نہیں ہی۔ اور قوم کے احساس مذہبی سے اس کی امید کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب سے اظہار برارت کر کے ان خطرات کا سد باب کرے جن کے پیدا ہونے کا قوی اندیشہ ہے۔ کیونکہ محض آئندہ ایڈیشن میں ترمیم ہو جانے سے اس ضرر کی تلافی نہیں ہو سکتی جو موجودہ کتاب کے عوام الناس تک پہنچنے سے پیدا ہو چکا ہے۔

(ڈاکٹر سر سید) **سلطان احمد** عفی عنہ (انفارمیشن ممبر ایگزیکیٹو کونسل وائسرائے بہادر و سابق صدر آل پارٹیز شیعہ کانفرنس و قائد اعظم ملت شیعہ) (سیٹھ) **حسین بھائی لال جی** (ایم، ایل، اے بمبئی صدر خوجہ اثنا عشری جماعت) (سیٹھ حاجی) **داؤد بھائی ناصر** (جے، پی بمبئی نائب صدر خوجہ اثنا عشری جماعت) **سید علی ظہیر** (بیرسٹر ایٹ لا۔ ایم، ایل، اے، صدر آل انڈیا شیعہ پولیٹیکل کانفرنس)، (علامہ سید) **رضا حسین رشید ترابی** (بی اے۔ رکن مجلس عاملہ اسٹیٹ مسلم لیگ و اتحاد المسلمین حیدر آباد دکن) (نصیر الملۃ مولانا مولوی) **سید محمد نصیر** (پرنسپل شیعہ عربی کالج و سابق ڈکٹیٹر محاذ حسینی لکھنؤ) (نواب حاجی) **محمد احسان علی خاں** (آف مالیر کوٹلہ صدر پنجاب شیعہ کانفرنس و سابق صدر محاذ حسینی لکھنؤ) (سر) **سید وزیر حسن** (سابق چیف جج اودھ) (خان بہادر) **سید ابو محمد** (سابق ممبر یوپی پبلک سروس کمیشن) (کیپٹن) **سید ضامن علی** (صدر شعبہ اردو الہ آباد یونیورسٹی) (مہاراجکمار) **محمد محمود حسن خاں** (تعلقدار بسہاریہ) (کنور) **سید حسن مہدی** (آف پیر پور) (نواب) **سجاد علی خاں** (آف شیش محل لکھنؤ۔ نائب صدر آل انڈیا شیعہ کانفرنس)

(بقیہ صفحہ آئندہ پر)

(مہاراجکمار) محمد امیر علی خاں (آف سہالی اسٹیٹ، (مرزا بہادر) مرزا محمد جعفر علی خاں صدر
مدرسہ ناظمیہ عربی کالج، (کیپٹن) شیخ اکبر حسین آف امیر محل تعلقدار فتحپور، (خان بہادر) نواب حسین علیخاں ریٹائرڈ
کلکٹر متولی حسین آباد مبارک و تعلقدار، (پرنس) مرزا محمد سلطان شاہ پریسیڈنٹ آل تیمور ایسوسی ایشن
پروفیسر سید محمد حسین آف لکھنؤ یونیورسٹی۔ (خان بہادر) نواب سید حامد حسین خاں او، بی، ای، (نواب)
سید محمد رضا خاں صاحب متولی کربلائے امین الدولہ بہادر (پرنس) مرزا محمد نظیر الدین حیدر درباری و
آنریری رکروٹنگ آفیسر، (پرنس) مرزا محمد کاظم علی خاں ممبر اودھ اکس وائل فیملی،

اغلاط نامہ کتاب "اظہار حقیقت"

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۲	۱۵	آرار نظر	آرار پر نظر
۳	۱۱	ہوئی	ہوئی
۴	۱۴	مصتصعب	متصعب
۷	۳	کیمتعلق	کے متعلق
۲۰	۱۲	وہ کہ	یہ ہے کہ
۲۳	۱۹	اعیون	عیون
۳۲	۱	جازت	اجازت
۳۷	۹	بھی	ابھی
۳۸	۳	سی	اسی
۳۸	۴		دربار معاویہ
۳۹	۲۰	ملاگہ	ملائک
۴۰	۵	کنارہ کش برگشتہ	کنارہ کش و برگشتہ
۴۰	۷	رک	رگ
۴۳	۲۳	ماچیز	ناچیز
۴۵	۱۵	لڑتے	لڑے
۴۹	حاشیہ	خبط	حبط

صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۵۵	۳	بنا بر	بنا پر
۶۴	۲۳	کرنے	کرتے ہیں
۶۵	۱۰،۱۸	نجداتیہ	نجدیہ
۷۶	۱۷	ژ	ہ
۸۱	۶	کار	کا
۸۵	۱	اسکی صحیح	× صحیح
۸۷	۱	اجازت دینے	اجازت دینے سے
۱۰۱	۷	٥	ۿ
۱۰۷	۱۴	سرار	و سردار
۱۱۱	۱	تنویر	تنور
۱۲۰	۱۷	ہمنعون	ہمیتعون
۱۲۵	۱۳	سربرار	سردار
۱۳۰	۶	آسپالی	اسپاں
۱۳۵	۱۲	کردیا	کرا دیا
۱۳۷	۴	دہن میں	دہن میں دی
۱۴۲	۲۳	تاریکی معلوم ہوتی تھی	تاریکی معلوم ہوگی

نوٹ:- بعض ناگزیر حالات کی وجہ سے کتابت کی غلطیوں کی تصحیح نہیں ہوسکی ناظرین خود درست فرمالیں انشاءاللہ آئندہ ایڈیشن میں صحت کا خاص طور سے لحاظ رکھا جائے گا۔